باتیں اُن کی یاد رہیں گی
شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

باتیں اُن کی یاد رہیں گی

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت وارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبّت ہے
بہ اُمّیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبّت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

نام کتاب : باتیں ان کی یاد رہیں گی

ملفوظات : عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب : مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اشاعت : ۴ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ، مطابق ۱۴ مارچ ۲۰۱۶ء، بروز پیر

زیرِ اہتمام : شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس: 11182 رابطہ: +92.21.34972080، 92.316.7771051

ای میل: khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو سکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل

نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

تعارف ۱۴
عرضِ مرتب ۱۸
آداب واخلاق ۲۴
ادب ہی سے انسان انسان ہے ۲۵
اسلامی آداب کی رعایت سے زندگی بندگی بنتی ہے ۲۵
بزرگوں کے پاس جانے کے آداب ۲۶
دینی مجالس میں بیٹھنے اور سننے کے آداب ۲۶
حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ۲۷
علم کی منزلیں ۲۷
ادب کا غلبہ اور تعمیلِ حکم ۳۲
کچھ مزید مجلسی آداب ۳۳
عقائد وافکار ۳۴
اور اس کا دماغ روشن ہوگیا ۳۵
ایک لغو جملہ ۳۶
ترقی کا صحیح مفہوم ۳۶
ایک انگریز کا سوال اور مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ۳۷
اگر ہدایت مل جائے ۳۸
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پاکی ۳۹
محبت واطاعت ۴۰
وہ مجھ پہ چھاگئے، میں زمانے پہ چھا گیا ۴۱
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد ۴۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دعائیں ۴۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اوردعا ۴۳
اللہ اگر توفیق نہ دے ۴۳
ان ہی کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے ۴۴

وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ ۴۵
امرِ الٰہی کا احترام کرو ۴۶
خوشی کو آگ لگادی خوشی خوشی ہم نے ۴۶
پھول اور کانٹے ۴۷
اور انہوں نے سلطنت چھوڑ دی ۴۷
جنت کی دعا کس لیے؟ ۴۸
جس نے کوئی جستجو کی اس نے مقصد پالیا ۴۸
خدا کو محبوب رکھنے والوں کی شان ۴۹
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کا تقاضا ۵۰
حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی تین پسندیدہ چیزیں ۵۰
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ۵۱
ہر مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہے ۵۲
یہ ہے عشق کی کرامت ۵۲
عشق کی وادی یوں طے کی جاتی ہے ۵۳
سنت پر استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے ۵۴
نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں ۵۵
محبت کے لیے معرفت ضروری ہے ۵۶
تیرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں ۵۷
جو دل پہ ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں ۵۸
جب تک محبت کا پیٹرول نہ ہو ۵۹
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت ۶۰
عظمتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی روشنی میں ۶۲
عظمتِ صحابۂ رضی اللہ عنہم احادیثِ نبوی کی روشنی میں ۶۴
عظمتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ائمہ ومشائخ عظام کے اقوال کی روشنی میں ۶۵
عبادت وریاضت ۷۰
روزی، ملازمت اور نماز ۷۱
جماعت کو چھوڑنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ۷۱
کم وکیف کا فرق ۷۲

خوش حال کون ہے؟ ۷۲
تری رحمت کا ہے سب کو سہارا........................ ۷۳
بادشاہی میں فقیری ۷۴
خونِ جگر کے بغیر ۷۵
مجاہدہ اور قربانی ۷۵
صرف ایک بات ۷۵
مسلّح ہو کر نکلو ۷۵
نماز کس طرح پڑھیں ۷۶
نماز میں قلب کی حاضری .....ایک مثال ۷۷
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ عبدیت ۷۸
معاشرت ومعاملات ۷۹
ناچیز ہیں ہم پھر بھی بڑی چیز ہیں ہم ۸۰
بزرگوں کے مختلف انداز ۸۰
بزرگی کا خود تراشیدہ معیار ۸۱
تواضع ۸۱
اتحاد واتفاق کی بنیاد کیا ہے؟ ۸۲
بدگمانی اور خوش گمانی ۸۳
آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو ۸۳
مومن کون؟ ۸۴
مفلس کون؟ ۸۵
ظلم سے بچو ۸۶
اخلاقی ہدایات ۸۶
بیوی اور گھر والوں سے حسنِ سلوک ۸۸
کامل مسلمان ۸۹
”آپ میری مرغیوں کو آٹھ بجے کھول دیجیے“ ۹۰
بیوی کو ”جیب خرچ“ دینے کا مسئلہ ۹۱
علم اور علماء ۹۲
علمِ نبوت تو ہے مگر نورِ نبوت نہیں ۹۳

منبر پروہ کیا برسائیں گے ۹۴
عالم کا سونا عبادت کیوں؟ ۹۵
علماء سے مشورہ اور کتابوں کا مطالعہ ۹۵
علماء اور باطنی اصلاح ۹۶
در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند ۹۸
علم کا لطف کب حاصل ہوتا ہے؟ ۹۹
برجستہ جواب ۹۹
احکام ومسائل ۱۰۰
داڑھی کی حد ۱۰۱
داڑھی والوں کا احترام ۱۰۱
داڑھی کا سفید بال ۱۰۲
اسرار وحکم ۱۰۳
اِک بار جس پر نظرِ کرم ہوجائے ۱۰۴
رضائے دائمی ۱۰۴
جنگل کی فضاؤں کا نور ۱۰۵
چھینک کے وقت الحمد للہ کہنے کی حکمت ۱۰۵
گناہوں کے تقاضوں کا علاج ۱۰۶
دل کے رابطے کی مثال ۱۰۶
فرض نماز کے بعد استغفار کی حکمت ۱۰۷
مدارات اور مداہنت کا فرق ۱۰۸
ماحول اور صحبت ۱۰۹
اولیاء اللہ ہر زمانے میں موجود ہیں ۱۱۰
ایک افسوسناک واقعہ ۱۱۱
ماحول کا اثر ۱۱۲
سازاور آواز کا تباہ کن اثر ۱۱۲
صحیح علاج کی ضرورت ۱۱۳
اللہ والوں کی صحبت ۱۱۴
اہل اللہ کی صحبت کے فیوض وبرکات ۱۱۴

اگر بات یاد نہ رہے ۱۱۵
ایک شیطانی دھوکا ۱۱۶
میں بھی کسی کا بگاڑا ہوا ہوں ۱۱۶
اہل اللہ کی صحبت کا فائدہ ۱۱۷
سلوک و تصوف ۱۱۹
سلوک کیا ہے؟ ۱۲۰
مٹنا ہی آباد ہونا ہے ۱۲۰
شہادت نہیں میری ممنونِ خنجر ۱۲۱
سالک کے لیے ہدایات ۱۲۲
تصوّف کی تعریف ۱۲۳
تصوف اور صوفی کی وجہ تسمیہ ۱۲۳
ضرورتِ مرشد پر علّامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ۱۲۴
بیعت کا مقصد ۱۲۴
اصطلاحِ تصوف کے دو لفظ ۱۲۶
اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی توجہات ۱۲۷
حاصلِ تصوف ۱۲۷
تصوف کیا ہے؟ ۱۲۷
غوّاص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے ۱۲۹
ہزار سال سے زیادہ کا تجربہ اور صلحائے امت کا اتفاق ۱۳۳
اغلاطِ تصوف اور ان کی اصلاح ۱۳۴
ولی کی تعریف ۱۳۵
ولی کے ذاتی خصائل ۱۳۶
اولیاء اللہ کی پہچان کا قرینہ ۱۳۷
اصلاح و تزکیہ ۱۳۹
تزکیہ کی ضرورت ۱۴۰
شیخ سے مناسبت ضروری ہے ۱۴۰
تزکیۂ نفس میں شیخ کا بنیادی طریقہ ۱۴۱
گرجواں بھی ہے تو میرا پیر ہے ۱۴۱

روحانی اور اخلاقی مرض کے علاج کی اہمیت ۱۴۲
اصلاح کا اثر ۱۴۲
دوا کے ساتھ پرہیز بھی ضروری ہے ۱۴۴
اُف ! کتنا ہے تاریک گناہ گار کا عالم ۱۴۵
نفس کی اصلاح یا حلوہ وبلوہ ۱۴۵
لفظوں کی تلوار ۱۴۷
خدا کی حفاظت ۱۴۷
رجوع کرنے والوں کو قبول کرو ۱۴۷
تربیت میں طبیعت کی رعایت ۱۴۸
حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان ۱۴۸
مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا اصلاحی تعلق ۱۴۹
بے جا غصہ سے پرہیز کیجیے ۱۵۰
شیطان کُش دوا ۱۵۱
نفس زیادہ خطرناک ہے یا شیطان ۱۵۱
تین گناہ چار عذاب ۱۵۲
منحوس گھڑی ۱۵۴
کفالت کا نسخہ ۱۵۴
شیخ کی تنبیہ ۱۵۶
ایک گزارش ۱۵۷
توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہیے ۱۵۸
توبہ کی قبولیت کے آثار ۱۵۹
تقویٰ کی حقیقت ۱۶۰
تقویٰ حاصل کرنے کے چار نسخے ۱۶۰
پرہیز کے ساتھ نسخہ استعمال کیا جائے ۱۶۱
۱) غیبت سے بچنا ۱۶۱
۲) بدنگاہی سے پرہیز کرنا ۱۶۲
صادقین کے ساتھ رہنے کا مطلب ۱۶۲
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو نصیحتیں ۱۶۳

سینما، ٹی وی اور ویڈیو ۱۶۴
موسیقی اور گانا باجا ۱۶۶
ان دریچوں سے جھانکتا ہے زوال ۱۶۷
ایک بڑے خطرے کی بات ۱۷۵
عشقِ مجازی کا انجام ۱۷۶
بدنگاہی کے نقصانات ۱۷۷
حفاظتِ نظر ۱۷۸
بدنگاہی سے بچنے کا نسخہ ۱۷۹
بدنگاہی کا علاج ۱۸۰
ہائے اک عمر کیوں برباد کیا تھا ہم نے ! ۱۸۱
غصّہ اور شہوت کا علاج ۱۸۱
اور انہوں نے معاف کردیا ۱۸۲
غصہ سے بچنے کا طریقہ ۱۸۳
حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ۱۸۳
حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت ۱۸۴
اصلاحِ نفس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ دعا ۱۸۴
ذکر وفکر ۱۸۵
ذکر میں تاثیرِ دورِ جام ہے ۱۸۶
چین کی نگری ۱۸۷
اللہ میں اپنی آہ کو سمو دیجیے ۱۸۸
بزرگانِ دین کو اہلِ دل کہنے کی وجہ ۱۸۸
ذکروفکر۔۔ عقلی وطبعی ۱۸۸
اصل سرمایہ ذکرِ خدا ہے ۱۸۹
ذکر کا ناغہ، روح کا فاقہ ۱۸۹
خدا کی دوستی اتنی سستی نہیں ہے ۱۹۱
ذکر مقصود ہے، مزہ نہیں ۱۹۱
خدا کی یاد ہے طاقت ہماری ۱۹۲
ذکر کی راحت ۱۹۲

خدا کی یاد کا اثر ۱۹۳
ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کی اہمیت ۱۹۳
لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے معنیٰ اور اس کے برکات ۱۹۴
لا حول کے ذکر سے شرح صدر کا حصول ۱۹۵
شرح صدر کی علامتیں اور ذکر کے برکات ۱۹۶
بخاری شریف کی آخری حدیث ۱۹۶
جب خدا بندے کو یاد کرتا ہے ۱۹۷
خدا سے غفلت ....ایک واقعہ ۱۹۸
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبلیغی کام کرنے والوں کو مشورہ ۱۹۹
استغفار کے ثمرات وبرکات ۱۹۹
صبر وشکر ۲۰۲
مصیبتوں اوربلاؤں سے کسی کو نجات نہیں ۲۰۳
امتحان لازمی ہے ۲۰۳
صبر کرنے والوں کے لیے بشارت ۲۰۴
دفعِ غم کی حکیمانہ تعلیم ۲۰۴
صبر کمالات کا زینہ ہے ۲۰۶
حضرت خواجہ مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی کا واقعہ ۲۰۷
مصیبت اور معصیت .....ایک بزرگ کا واقعہ ۲۰۸
مصیبت کی لذت .....ایک مثال ۲۰۹
ہر مصیبت میں ہمارا ہی فائدہ ہے ۲۱۰
مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمائش کا ۲۱۱
راحتوں پر شکر کرنا چاہیے ۲۱۲
مجرم کا عیش قابلِ رشک نہیں ۲۱۳
کافر کے عیش پر لالچ نہ کرو ۲۱۳
اصل نعمت ۲۱۴
نعمت والے کون ہیں ۲۱۵
شکر اور فخر میں فرق ۲۱۵
علی گڑھ میں کہی ہوئی ایک مؤثر نظم ۲۱۶

فریادِ اختر دریادِ دلبر ۲۱۷
جو اماں ملی تو کہاں ملی ۲۱۸
بلا سے عافیت کی دعا ۲۱۹
غم زدہ دلوں کے لیے تسلی کا سامان ۲۱۹
اور مظہر درحقیقت گھر گیا ۲۲۳
اور تھوڑاسا غم ہونا بھی اللہ کی مصلحت ہے ۲۲۴
تسلی دینا سنت ہے ۲۲۴
جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم وگماں ہمارا ۲۲۶
خلوص وللّٰہیّت ۲۲۸
خدا کی نظر کی قیمت کو جانو ۲۲۹
ہر کام کی غرض وغایت کیا ہونی چاہیے؟ ۲۲۹
مرضئ حق ۲۳۰
ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی ۲۳۱
جب دعا میں آنسو نکل آئے ۲۳۱
مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ ۲۳۲
جب عمل کا رخ خدا کی طرف ہوتا ہے ۲۳۳
دنیا کی حقیقت ۲۳۶
دنیا اور انسان ۲۳۷
باقی اور فانی ۲۳۷
دنیا کو یوں بھی بہلایا جاسکتا ہے ۲۳۷
دنیا سے قلب کو مطمئن اور مانوس نہ کرو ۲۳۸
کسی خاکی پہ مت کرخاک اپنی زندگانی کو ۲۳۹
دنیوی زندگی۔دھوکے کا سامان ۲۴۰
دنیا چار طرح کی ہوتی ہے ۲۴۱
مال کی حقیقت ۲۴۱
فلاح پانے والے ۲۴۲
محبوبیت کا نسخہ ۲۴۲
ذکرِ موت اور فکرِ آخرت ۲۴۴

وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے.. ۲۴۵
زمین کی شہادت.. ۲۴۵
وطن کو واپسی ۲۴۶
موت سے گھبرانے کی وجہ ۲۴۷
دوست کو وصیت.. ۲۴۸
غنیمت جانیے.. ۲۴۹
دو بڑے فتنے اور ان سے نجات کے طریقے.. ۲۴۹
مسلمانوں کا زوال کب اور کیوں؟ ۲۵۰
وقت کی حفاظت.. ۲۵۲
وقت کی تیز رفتاری ۲۵۳
دانش مندی کی بات ۲۵۳
ترقی کا زینہ.. ۲۵۴
کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو ۲۵۶
پندونصائح.. ۲۵۸
ان موتیوں سے آکر، دامن کو اپنے بھرلے.. ۲۵۹
اوراد و وظائف ۲۶۷
محفوظ قلعہ (ہر شر سے حفاظت) ۲۶۸
فائدہ ۲۶۹
دفعِ غم کا نسخہ ۲۶۹
چھوٹا کام ، بڑا انعام ۲۶۹
بیماریوں سے شفایابی ۲۷۰
ایک نہایت جامع دعا ۲۷۰
حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے تلقین کردہ بعض وظائف ۲۷۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف

ایک مسلمان سے متعلق دوسرے مسلمان پر سب سے بڑا حق ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کا ہے، نیکی کی دعوت دینا اور بُرائی سے بچانا یہ اس اُمت کا اصل مقصدِ وجود ہے۔ پھر دینی اعتبار سے جو جتنا زیادہ ذمہ دارانہ حیثیت کا حامل ہو، اس کی ذمہ داری بھی اسی قدر ہے، انبیاء علیہم السلام کی زندگی سراپا دعوتِ خیر ہے۔ اس کے بعد علمائے صالحین اور مشایخ عارفین کا درجہ ہے پھر عام مسلمان ہیں۔ اگر معاشرہ کسی خیر سے محروم ہو جائے، یا کسی بُرائی میں مستقل طور پر مبتلا ہو جائے تو اسی نسبت سے عند اللہ جواب دہی بھی ہوگی اور باز پُرس سے بھی گزرنا ہوگا۔

خیر کی طرف بلانے کے مختلف ذرائع ہیں۔ اجتماعات ہیں، خطبات ہیں، رسائل و مکتوبات ہیں، کتابیں اور تحریریں ہیں، ان ہی میں ایک باہمی تبادلۂ خیال کی مجالس ہیں۔ یہ مجالس بعض اعتبار سے سب سے زیادہ مؤثر ہوتی ہیں، ان میں بات کرنے والا انفرادی اور شخصی طور پر مخاطب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہ گفتگو تکلفات اور حجابات سے خالی ہوتی ہے، ان میں ہر طرح کی بات کی جاسکتی ہے، نرم بھی گرم بھی، شیریں بھی تلخ بھی، گاہے سنجیدہ مسائل گاہے موعظت و تذکیر، کبھی شعر و سخن، کبھی لطائف وظرائف۔ اکثر اوقات ان کی تاثیر عام خطبات و مواعظ سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ اور جب یہ گفتگو سینہ سے سفینہ میں منتقل ہوتی ہے تو اس میں بھی ایک خاص لطف محسوس ہوتا ہے، پڑھنے والا ایسا محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ خود اس مجلس میں موجود ہے، پھر مضامین کا تنوع بھی اکتاہٹ سے بچاتا ہے۔

اسی لیے بزرگوں کے یہاں اس قسم کی مجالس کا معمول رہا ہے اور اہلِ ذوق ان مجلسوں میں عام مسلمانوں کو معنوی طور پر شریک کرنے کی غرض سے ان کو مرتب

کرتے رہے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ابتدا خود سید الانبیاء والرسل پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی ہے۔ حدیثیں جو اس وقت مرتب صورت میں موجود ہیں وہ زیادہ تر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس ہی سے عبارت ہیں، خطبات تو چند ہی منقول ہیں، مکتوبات شاید ان سے بھی کم ہیں۔ احکامِ شریعت پر مرتب کرائے ہوئے رسائل (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس املا کرائے تھے) ایک آدھ ہی ہیں، اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کچھ فرمودات ہیں وہ زیادہ تر ایسی ہی مبارک مجلسوں کے مبارک ''ملفوظات'' ہیں۔ یہ مجلسیں ہر صبح وشام آراستہ ہوتی تھیں، مسجدِ نبوی ان مجالس کا مرکز تھی، اگر کبھی بیماری کی وجہ سے مسجد تشریف نہ لا پاتے تو کسبِ فیض کے لیے جاں نثار خود درِ اقدس پر حاضر ہوجاتے، کسبِ معاش کے مسائل اگر ہر روز حاضری میں مانع ہوں تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم دوسرے کے ساتھ اپنی جوڑی بنالیتے، ایک دن یہ صبح سے شب تک دربارِ نبوی میں حاضر رہتے، دوسرے دن وہ، اور اپنے ساتھی کی کاروبار سے واپسی کے بعد دن بھر ان مجلسوں کا حال سنتے سناتے۔ بعض ایسے عشاق تھے کہ شب وروز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر پڑے رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات کی حفاظت کے لیے فاقہ مستیوں کی سنت بھی ادا کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

بعد کے ادوار میں بھی اس قسم کی مجالس کو مرتب کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ ہندوستان جو صدیوں سے مشائخ وعارفین کا مرکز رہا ہے، اور جہاں ایک زمانہ میں شہر شہر، قریہ قریہ خانقاہیں آباد رہی ہیں، اور مسلم سماج میں ان کو ایسی مقبولیت اور محبوبیت حاصل رہی ہے گویا یہ مسلم سماج کے لیے ایک طرح کا مرکز ثقل تھا، جو عوام وخواص اور فقراء وسلاطین کی چشم عقیدت واحترام کا سرمہ تھیں، وہاں ایسی مجالس کا رواج بھی زیادہ تھا اور لوگوں کو اس سے دلچسپی بھی زیادہ تھی، اس سے بڑی اصلاح ہوتی تھی، خاص طور پر ''نہی عن المنکر'' کا اس سے زیادہ کوئی مؤثر ذریعہ نہیں تھا۔

ماضی قریب کے علماء میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی مجالس کا خاص

شہرہ تھا، ان مجلسوں نے کتنی ہی مٹی کو پارس اور پتھر کو موم بنایا ہے۔ کیا علماء اور کیا عوام، کیا امرا اور نوابان اور کیا رعایا، کیا شعراء و سخن وراں اور کیا فقہاء و مفتیان؟ ہر طبقہ کے لوگ آپ کے اسیرانِ محبت میں تھے، ان بافیض مجلسوں کو مرتب کیا گیا اور آج وہ اہلِ دل اور اہلِ طلب کے لیے خضرِ طریق ہیں۔

اسی میکدۂ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بادہ خواروں میں حضرت مولانا عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد ابرار الحق حقی دامت برکاتہم ہیں، اور ان دونوں بزرگوں کے فیض یافتگان میں حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ (کراچی، پاکستان) ہیں، جو تھانوی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، شعر و سخن کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں، خوب کہتے ہیں اور خوب انتخاب کرتے ہیں، اپنے سامعین و مستفیدین کو بادۂ محبت پلاتے ہیں اور مست مئے عشقِ حقیقی کرتے ہیں، مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے شارح خاص ہیں اور مثنوی کے اشعار کی ایک شرح بھی آپ کے قلم فیضِ رقم کا اثر ہے۔ پیر رومی نے کس کس کو مرید نہیں کیا؟ صاحبِ دل کو بھی، صاحبِ دماغ کو بھی، صوفی کو بھی، فلسفی کو بھی۔ بارگاہِ رومی کی ارادت بھی ایک تمغۂ امتیاز ہے، حکیم صاحب بھی اس بارگاہ کے عارفین بلکہ عاشقین میں ہیں۔

یہ ان ہی کے ملفوظاتِ بابرکات کا مجموعہ ہے، جو ورق ورق روشن ہے، جس میں قرآن ہے، حدیث ہے، فقہ ہے، تصوف ہے، سوز و گداز ہے، تربیت و اصلاح ہے، تذکیر و موعظت ہے، علمی نکات ہیں، عارفانہ نکتہ پنہاں ہیں، دل کو چھوتے ہوئے اشعار ہیں اور دماغ پر نقش چھوڑ جانے والی باتیں ہیں۔ ملفوظات کی ترتیب بھی اس سلیقے سے کی گئی ہے کہ ملفوظات کو موضوع وار الگ کر دیا گیا ہے، ہر ملفوظ پر ذیلی عنوانات لگائے گئے ہیں، اور عنوان بھی دلچسپ ہے۔ بعض جگہ عنوان کے لیے ایسے مصرعہ کا انتخاب کیا گیا ہے کہ گویا شاعر نے اسی موقع خاص کے لیے اس کو کہا تھا، کتاب کا نام بھی اتنا حسین و خوبصورت ہے کہ خواہ مخواہ پڑھنے کو جی چاہے۔ کہیں کہیں مرتب نے اپنے مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے اور اس نے ملفوظات کی افادیت کو اور بڑھا دیا ہے۔

اس مجموعہ کے اسناد وافادیت کے لیے یہی کافی ہے کہ صاحبِ ملفوظات حضرت مولانا حکیم اختر صاحب مدظلہ، جیسے علم ومعرفت کے اختر شناس ہیں اور مرتب حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب جیسے علم وادب کے غواص۔ مولانا قاسمی کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہت صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ انتظام وانصرام، خطابت وقیادت۔ مگر آپ کا اصل میدان ''علم اور قلم'' ہے۔ متانت کے ساتھ تیکھاپن اور خوشگوار وخوش اطوار شوخی آپ کا خاص رنگ ہے۔ نہ ایسی شوخی کہ متانت ہاتھ سے جاتی رہے، نہ ایسی متانت کہ جس کی سرحدیں خشکی اور خشونت سے جاملیں۔ اُمید ہے کا مولانا کہ یہ رنگ اس مجموعہ میں بھی نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امّت پر ان دونوں بزرگوں کا سایہ تادیر قائم رکھے اور اس مجموعہ کے نفع کو عام وتام فرمائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی
صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد
یکم رجب المرجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲/ نومبر ۱۹۹۷ء

درد عشقِ حق بھی تم حاصل کرو
لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے

یک زمانے صحبتے با اولیاء
جس نے پائی ہے وہی کامل ہوئے

عرضِ مرتب

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ میکدۂ تھانوی کے قدح خواروں میں ہیں۔ ضلع پرتاب گڑھ یوپی آپ کا آبائی وطن ہے اور اب ایک عرصہ سے کراچی (پاکستان) میں مقیم ہیں، ابتداءً جماعت ہفتم تک عصری تعلیم حاصل کی، پھر والد صاحب کے اصرار پر طبیہ کالج الٰہ آباد سے فنِ طب کی تکمیل فرمائی، تاہم عصری تعلیم کا یہ راستہ آپ نے والد ماجد کے اصرار پر اختیار کیا، لیکن آپ کا اپنا طبعی رجحان شروع سے علومِ اسلامی کی طرف تھا۔ چناں چہ اس تعلیم کے درمیان ہی فارسی زبان کی تعلیم بھی حاصل کرلی، علمائے حق کے مواعظ میں شرکت کا اہتمام کرتے، طبیعت میں شروع سے جذب کا غلبہ تھا، دنیا اور خلائق سے بے رغبتی اور خلوت پسندی نیز خلوت میں رونا اور آہ وبکا کرنا بچپن ہی سے فطرت میں تھا۔

اسی دردِ دل نے مثنوی مولانا روم تک پہنچایا، نابالغی ہی میں مثنوی کے اشعار سے ایک ذوق سا پیدا ہوگیا تھا، جو مسلسل ارتقا پذیر رہا، اسی اضطراب و بے چینی کے درمیان حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ ''راحت القلوب'' ہاتھ آیا، اس نے اور دل سوختہ اور وارفتہ بنادیا، اِدھر طب کی تعلیم مکمل ہوئی اور اُدھر والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ارادہ حضرت تھانوی سے بیعت کا تھا، اور اس بابت مراسلت بھی شروع کی، لیکن آپ کی وفات ہوگئی، اب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا، اور پہلے خط کے سرنامہ پر جو شعر لکھا وہ یوں تھا۔

جان و دل اے شاہ قربانت کنم
دل ہدف را تیز مژگانت کنم

مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے درخواستِ بیعت قبول فرمائی اور بیعت سے مشرف

کیا۔ پھر تو عشق و جذب نے ایسا بے چین کیا کہ عین بقر عید کے دن نماز عید الاضحیٰ سے ایک گھنٹہ قبل مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں قدم بوس ہوئے۔ مولانا ہی کے مدرسہ ''بیت العلم'' میں عربی درسیات کی تعلیم حاصل کی۔ اور بخاری شریف کے چند پارے خود مولانا سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ مولانا پھولپوری کے وصال کے بعد ان ہی کے حسبِ ہدایت حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم سے رجوع ہوئے اور ۱۳۸۷ھ میں خلافت و اجازت سے سرفراز کیے گئے۔

عشق و محبت اور جذب و تڑپ مولانا کی فطرت اور طبیعت میں ہے۔ حکیم صاحب نے اس وقت کہ مونچھ کے شہ شہ زار بھی نہیں آئے تھے، یہ شعر کہا، اور یہ ان کی زندگی کا پہلا شعر ہے۔

دردِ فرقت سے مرا دل اس قدر بے تاب ہے
جیسے تپتی ریت میں ایک ماہی بے آب ہے

حکیم صاحب بچپن ہی میں مولانا روم کے ان اشعار کو بار بار اور درد سے پڑھا کرتے۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح از درد اشتیاق

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد
او ز حرص و عیب کلی پاک شد

حکیم صاحب کے مواعظ و ملفوظات میں ہر جگہ عشقِ حقیقی اور محبتِ خداوندی کا یہ رنگ غالب ہے کہ سننے والا اور پڑھنے والا بھی اس کی حرارت محسوس کرتا ہے۔ حکیم صاحب کے اشعار میں بھی ایک خاص قسم کی اثر انگیزی پائی جاتی ہے اور درد و سوز چھلکتا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔

تباہ ہو کے جو دل تیرا محرم غم ہے
پھر اس کو اپنی تباہی کے غم کا کیا غم ہے

ہزار خونِ تمنا ہزار ہا غم ہے
دلِ تباہ میں فرماں روائے عالم ہے

اِک غم زدہ جگر پہ کسی کی نظر بھی ہے
شب ہائے غم پہ سایۂ لطف سحر بھی ہے

وہ مرے لمحات جو گزرے خدا کی یاد میں
بس وہی لمحات میری زیست کا حاصل رہے

مایوس نہ ہوں اہلِ زمیں اپنی خطا سے
تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دعا سے

میں نے پیا ہے چند دن اپنے جگر کا خون
اپنے جگر میں ان کو بھی میں دیکھ رہا ہوں

نیم جاں عشق نے کیا لیکن
ہاتھ میں قرب لازوال ہے آج

اپنی غفلت کی تلافی مجھ سے تو ممکن نہیں
ہاں مگر تیری نگاہِ لطف کو مشکل نہیں

کچھ تو جینے کا سہارا چاہیے
غم تمہارا دل ہمارا چاہیے

بحر اُلفت کا کنارا چاہیے
در تمہارا سر ہمارا چاہیے

حکیم صاحب نے مولانا پھولپوری کی سولہ سالہ رفاقت میں جو علوم و معارف سنے اور حاصل کیے، ان کو مختلف کتابوں کی صورت میں مرتب کیا۔ اور ان کو "معرفتِ الٰہیہ" "معیتِ الٰہیہ" صراطِ مستقیم اور "براہینِ قاطعہ" کے نام سے شایع فرمایا۔ اس کے علاوہ علم و معرفت اور تزکیہ و تصوف کے موضوع پر "محبتِ الٰہیہ، نوائے غیب، دستور تزکیۂ نفس" اور "تکمیل الاجر بتحصیل الصبر" مرتب فرمائی۔ آپ کا سب سے بڑا کام بلکہ کارنامہ "مثنوی مولانا روم" کی تشریح ہے، جو آٹھ سو صفحات پر مشتمل "معارف مثنوی" کے نام سے طبع ہو چکی ہے، اس کے علاوہ خود حکیم صاحب کی "مثنوی اختر" بھی اہلِ دل کے لیے ایک گنجینۂ معرفت کا درجہ رکھتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت مولانا عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں تلقین اور ترغیب کے بموجب حضرت حکیم صاحب نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی دامت برکاتہم (خلیفہ و مُجازِ بیعت حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سے قائم فرمایا۔ بعد میں "دربارِ ابراری" سے حضرت حکیم صاحب کو بیعت و تلقین کی اجازت بھی دی گئی، اس طرح آپ حضرت شاہ صاحب کے خلیفہ اور مجازِ بیعت بھی قرار پائے۔ حضرت حکیم صاحب کو حضرت شاہ صاحب سے والہانہ لگاؤ، تعلق اور غیر معمولی اُنس و محبت ہے، جس کا اظہار آپ کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلقِ خاطر ہی کی بات ہے کہ محترم حکیم صاحب نے "مجالسِ ابرار" کے نام سے ایک کتاب ۵۹۲ صفحات پر مشتمل مرتب فرمائی ہے۔ جس میں حضرت شاہ صاحب کے مواعظ و ملفوظات کا عظیم اور قیمتی حصہ آگیا ہے۔

مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ہردوئی (حضرت شاہ ابرار الحق صاحب) کی صحبتوں اور دیگر اکابر و اسلاف سے عقیدت و محبت کا اثر ہے کہ حضرت حکیم صاحب کی مجالس بڑی پُر کیف اور معلومات افزا ہوتی ہیں، اور ملفوظات میں علم و موعظت اور

عبرت و نصیحت کی ایسی روشنی ہوتی ہے کہ حکیم صاحب کے نام کی مناسبت سے بے تکلف زبان پر یہ مصرع آتا ہے۔

کچھ زمین پر بھی چاند تارے ہیں

ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ میں حکیم صاحب حیدر آباد دکن تشریف لائے اور پہلی دفعہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ''دید'' نے ''شنید'' سے بڑھ کر پایا۔ اس موقع پر حکیم صاحب کے مواعظ بھی ہوئے اور مجالس بھی ہوئیں۔ ان ہی مواعظ و مجالس کے افادات کو راقم الحروف قیدِ تحریر میں لایا، جس کا کچھ حصہ روزنامہ ''نویدِ دکن'' میں شایع ہوا، اور کتب خانہ مظہری کراچی (پاکستان) نے ان افادات کو ''مذاکراتِ دکن'' کے نام سے شایع کیا۔ اس کے بعد بھی حضرت حکیم صاحب حیدر آباد تشریف لاتے رہے، اور مجھے ان کے مواعظ اور مجالس میں شرکت کی سعادت ملتی رہی مواعظ اور مجالس کے نوٹس بھی لیتا رہا، ایک توسط سے ہر دوئی کے مواعظ اور مجالس کے بعض حصے مجھے دستیاب ہوئے، ان سب کو راقم الحروف نے ایک ترتیب کے ساتھ کتابی شکل دے دی ہے۔ مضامین کی مناسبت سے راقم الحروف نے حضرت حکیم صاحب کی بعض مطبوعات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ میرے لیے یہ بات اطمینان کی ہے کہ حضرت حکیم صاحب کی نظر سے پورا مسودہ گزر چکا ہے، مطالعہ کے بعد انہوں نے جہاں جہاں حذف واضافہ اور ترمیم واصلاح فرمائی تھی اس کے مطابق بحمد اللہ عمل کیا گیا۔

کتاب کے نام ''باتیں اُن کی یاد رہیں گی'' کو بھی حضرت حکیم صاحب نے پسند کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ محترم حکیم صاحب کے ملفوظات کی برکت سے بعض باتیں جو مرتبِ کتاب کے ذہن میں آئیں انہیں کتاب میں ''مرتب عرض کرتا ہے کہ'' جملہ سے اضافہ کیا گیا ہے، اور جہاں یہ باتیں ختم ہو گئی ہیں وہاں ''معروضاتِ مرتب ختم'' کا جملہ درج کر دیا گیا ہے۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اسے ترتیب اور کتابت کے مرحلہ سے

گزرے ہوئے ایک عرصہ ہوا مگر توفیقِ الٰہی سے اب طباعت کی باری آئی ہے۔ ان تمام مراحل میں جن رفقا اور عزیزوں نے میرا تعاون کیا ہے، اور ہاتھ بٹایا ہے وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مجھے اُمید ہے کہ یہ ملفوظات راہِ حق کے طلب گاروں کے لیے منزل کی نشاندہی کرنے والے اختر و انجم ثابت ہوں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تا دیر "صاحبِ ملفوظات" کا سایہ امّت پر قائم رکھے اور اس مجموعہ کو ان کے لیے بھی اور جامع و مرتب کے لیے بھی ذخیرۂ آخرت کرے۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

محمد رضوان القاسمی

(ناظم دارالعلوم سبیل السلام، حیدر آباد)

۱۹ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۹۷ء بروز جمعرات

❖❖❖❖

اشکوں کی بُلندی

خُداوندا مجھے توفیق دے دے
فِدا کردوں میں تجھ پر اپنی جاں کو

گُنہگاروں کے اشکوں کی بُلندی
کہاں حاصل ہے اختر کہکشاں کو

اختر

آداب واخلاق

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری
مصلّٰی ہے ہمارا تختِ شاہی
ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ
ہمارا حصن ہے ترکِ مناہی

(اکبر الٰہ آبادیؒ)

ادب ہی سے انسان انسان ہے

فرمایا: زندگی گزارنے کے کچھ آداب ہیں، ان آداب کی رعایت ہی ایک انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے، اگر یہ نہ ہو تو ظاہری ڈھانچے اور شکل وصورت کے سوا انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہ رہے، اس حقیقت کو ایک شاعر نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے۔ شعر تو سادہ ہے مگر وضاحت بڑی بلیغ ہے ؎

ادب ہی سے انسان انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

انسانی زندگی کے جتنے شعبے ہیں، ہر شعبہ کے متعلق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلی طور پر آداب بیان کردیے ہیں۔ آپ ان آداب سے واقفیت حاصل کیجیے جب ہی آپ انسان بنیں گے۔ آپ کے اندر انسانی صفات آئیں گی۔ اخلاق کی بلندی اور کردار کی پختگی پیدا ہوگی۔

اسلامی آداب کی رعایت سے زندگی بندگی بنتی ہے

فرمایا: ادب کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس وسعت میں مکان کا ادب بھی ہے، کتاب کا ادب بھی ہے اور شخصیت کا ادب بھی۔ مکان کا ادب یہ کہ انسان جس جگہ ہو اس جگہ کے بارے میں اسلامی احکام کو پیش نظر رکھے، مثلاً مسجد میں ہو تو مسجد کے احکام کا استحضار رہے، وہاں دنیوی باتیں نہ ہوں۔ کتاب کا ادب یہ ہے کہ اسے اپنا استاد جانے اور ایک استاد کی جو توقیر و تعظیم ہوتی ہے اسے بجالائے۔ شخصیت کا ادب یہ ہے کہ اس سے رشتہ اور تعلق کی جو بھی نوعیت ہے اس کے پیشِ نظر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاملہ کرے۔ مثلاً باپ کو باپ کا مقام دے، استاذ اور پیر سے اس کے رتبہ اور درجہ کے لحاظ سے سلوک کرے۔ بیٹا، بیوی، بھائی بہن، احباب، اعزا، پڑوسی ہر ایک سے تعلق میں اس کی حیثیت کا خیال رکھے۔ عبادات، لین دین، رہن سہن اور کھانے پینے کے بھی کچھ اسلامی آداب ہیں، ان آداب کی رعایت ہی سے زندگی بندگی بنتی ہے ورنہ

یہ زندگی شرمندگی کے سوا کچھ نہیں۔

بزرگوں کے پاس جانے کے آداب

فرمایا: بزرگوں، اللہ والوں اور ان کے غلاموں کے پاس جانے کے بھی کچھ آداب ہیں، ان آداب کے پاس ولحاظ ہی سے وہاں جانا خاطر خواہ نفع کا باعث بنتا ہے، مثلاً یہی کہ بزرگوں کے پاس حاضری صدق دل کے ساتھ ہو، ان کے شایانِ شان احترام واکرام میں کسی کمی کو روا نہ رکھا جائے، ان کے پاس آنے سے پہلے توبہ واستغفار کے ذریعے قلب کو صاف کرلیا جائے، چوں کہ ہدایت قلب کی نگاہ سے ملتی ہے اس لیے جب یہ نگاہ صاف ہوگی تو ہدایت تک پہنچ بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ ہوگی۔

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جس کی آنکھوں پر عینک ہوتی ہے اور وہ اپنی کسی دل پسند یا عزیز ترین چیز کو دیکھنا چاہتا ہے تو کس طرح وہ دیکھنے سے پہلے اپنی عینک کو اتار کر اس کے شیشے کو کسی صاف اور نرم کپڑے سے صاف کرلیتا ہے، پھر اسے دیکھتا ہے تاکہ وہ اس چیز کو پوری صفائی اور وضاحت کے ساتھ دیکھ سکے اور عینک کے شیشے پر چڑھے ہوئے گرد وغبار اس کے دیکھنے میں حارج اور مانع نہ ہوں۔ اسی طرح جب آپ کسی اللہ والے کی مجلس میں جاکر ان کو دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کی باتوں سے اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دل کی عینک کو توبہ واستغفار کے کپڑے سے صاف کرلیجیے، اس کے بعد جب آپ ان کو دیکھیں گے اوران کی مجلس میں حاضری دیں گے تو آپ کے دل پر بغیر کسی رکاوٹ کے ہدایت کے انوار وبرکات کا نزول ہوگا اورآپ کی بیمار روح شفا پائے گی۔

دینی مجالس میں بیٹھنے اور سننے کے آداب

فرمایا: دینی مجالس میں بیٹھنے اور سننے کے بھی کچھ آداب ہیں، آپ جب ان مجالس میں پہنچیں تو نہایت نشاط وانبساط کے ساتھ ہشاش بشاش دل میں کسی چیز کا تکدر اور انقباض نہ ہو، ذہن میں کوئی گرانی اور بار نہ ہو، نیند اور اونگھ کا غلبہ نہ ہو، ایسے ماحول میں اگر آپ دین کی باتیں سنیں گے تو وہ باتیں یاد رہیں گی، ذہن ودماغ پر ان کا اثر ہوگا۔

میں کہا کرتا ہوں کہ جو لوگ آنکھیں بند کر کے سنتے ہیں وہ میرے سامنے نہ بیٹھیں، جن پر نیند اور اونگھ کا غلبہ ہو وہ بھی سامنے نہ بیٹھیں۔ ایسے لوگوں کو دیکھ کر بیان کرنے والوں کے مضامین کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، خیالات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں بھی نہ کریں، اس سے بھی ذہن منتشر ہو جاتا ہے۔ مجمع میں بار بار اٹھنے سے بھی ذہنی انتشار ہوتا ہے۔ وعظ اور دینی مذاکرہ کی مجلس کے قریب ٹیلی فون بھی نہیں ہونا چاہیے، اس کی گھنٹی سے بھی مجمع کی توجہ بٹتی ہے اور سلسلۂ بیان میں خلل پڑتا ہے، جس کسی پر نیند کا خمار اور غلبہ ہو اور وہ اس بارے میں مجبور ہو تو اسے چاہیے کہ وہ پیچھے بیٹھ جائے یا ایک گوشہ میں، تاکہ بیان کرنے والے کی نظر اس پر نہ پڑے اور مضامین کی آمد بند نہ ہو۔

حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

مرتب عرض کرتا ہے: حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دینی مجالس اور بزرگوں کی خدمت میں جانے سے پہلے وہاں کے آداب معلوم کر لو۔ اس صورت میں تمہیں خاطر خواہ نفع ہو گا اور وہاں جا کر جو آداب معلوم ہوں ان پر سختی سے عمل پیرا رہو، اصلاحِ حال میں کافی مدد ملے گی۔

علم کی منزلیں

مرتب عرض کرتا ہے: حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے دینی اور علمی مجالس میں حاضر ہونے والوں کو پانچ نصیحتیں فرمائی ہیں، یہ نصیحتیں دراصل علم کی پانچ منزلیں ہیں، ان منزلوں سے گزر کر ہی ایک انسان گوہرِ مقصود کو پا سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

۱۔ اَلسَّمْعُ: پہلی چیز سننا ہے۔ یعنی دین کی باتوں کو سننے کے لیے موقع نکالنا اور اس کو اپنی ضرورت سمجھنا۔

۲۔ **ثُمَّ الْاِنْصَاتُ**: دوسری چیز خاموش رہنا ہے۔ یعنی جب سننے کا موقع نکل آئے اور کسی علمی یا دینی مجلس میں حاضری کی سعادت ملی ہوئی ہو تو اس کو غنیمت سمجھ کر دینی اور علمی باتوں کو پوری توجہ اور گوشِ دل کے ساتھ سننا، خاموش رہنا، باتیں نہیں کرنا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو وہ ایسے ساکت وصامت رہتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں کہ ذرا سی حرکت سے وہ اڑ جائیں گے۔

۳۔ **ثُمَّ الْحِفْظُ**: پھر تیسرے نمبر پر یاد رکھنا ہے۔ یعنی جو باتیں سنی جائیں تو وہ فوری طور پر فضا میں تحلیل نہ کر دی جائیں، بلکہ یاد بھی رکھی جائیں۔

یاد رکھنے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ ذہن وحافظہ میں محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے، اس سلسلے میں حافظہ کو جتنا استعمال کیا جائے گا وہ اتنا ہی مضبوط اور قوی ہوگا۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کا بھی عجب حال ہے، انہیں کان پر اعتماد ہے اور اسے استعمال کرتے ہیں، آنکھوں پر اعتماد ہے اور اسے استعمال کرتے ہیں، ہاتھ پر اعتماد ہے اور اسے استعمال کرتے ہیں، آخر انسان کے اندر حافظہ بھی تو ہے آخر اس پر کیوں نہیں اعتماد کرتے ہیں اور کیوں نہیں اسے استعمال کرتے ہیں۔ استعمال ہی سے تو کوئی چیز نکھرتی اور جلا پاتی ہے۔ عام طور پر لوگ حافظہ کا استعمال نہیں کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کانوں میں پڑی ہوئی باتیں بہت جلد ذہن سے نکل جاتی ہیں۔

حافظہ کے سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسے جس طرح کی باتوں کو یاد رکھنے کے لیے استعمال کیا جائے گا، اسی طرح کی باتیں یاد رہیں گی۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک آدمی کے نام کو بار بار پوچھتے تھے اور بھول جاتے تھے، ایک صاحب نے عرض کیا، حضرت! آپ کا حافظہ تو بہت قوی ہے، نہ جانے دین کی کتنی باتیں، کتنے فقہی مسائل، کتنے تفسیری نکات، کتنے واقعات آپ کے حافظہ میں ہیں اور زبان وقلم جب بیان پر آتے ہیں تو حافظہ کی مدد سے دفتر کا دفتر لگا دیتے ہیں، پھر

آپ لوگوں کا نام پوچھ کر اس قدر جلد کیوں بھول جاتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: ”بھائی! تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں نے چوں کہ اپنا حافظہ دینی اور علمی باتوں کے یاد رکھنے میں استعمال کیا ہے اس لیے حافظہ کو اس طرح کی باتوں سے مناسبت ہو گئی ہے اور بڑی آسانی کے ساتھ اس طرح کی باتوں کو وہ محفوظ رکھتا ہے اور نام کو یاد رکھنے سے حافظہ کو مناسبت نہیں اور اس کی میں نے کوشش نہیں کی ہے اس لیے لوگوں کے نام مجھے جلد یاد نہیں ہوتے۔“

تجربہ اور مشاہدہ اور بزرگوں کے ارشادات سے یہ بھی واضح ہے کہ جو لوگ گناہ اور معصیت سے بچتے ہیں اور تقویٰ وپرہیز گاری کے راستے کو اختیار کرتے ہیں ان لوگوں کی قوتِ حافظہ زیادہ مضبوط ہوتی ہے، اور جو لوگ بدکاریوں اور گناہوں میں زیادہ ملوث رہتے ہیں ان کا حافظہ اتنا ہی زیادہ خراب ہوتا ہے اور اسی قدر وہ بھولتے ہیں۔

یاد رکھنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ سنی ہوئی باتیں ضبط تحریر میں لے آئی جائیں اور ان باتوں کو وقفہ وقفہ سے دیکھتے رہنا چاہیے تاکہ ذہن میں تازہ رہیں۔ آج کل ہم دنیا کی معمولی معمولی سی بات کے لیے رجسٹر اور نوٹ بک رکھتے ہیں لیکن مطالعہ میں آئی ہوئی یا تقریر اور وعظ میں سنی ہوئی باتوں کے نوٹ کرنے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، دینی نوٹ بک بھی ضروری ہے تاکہ اس میں دین کی اہم اور ضروری باتیں نوٹ کرلی جائیں۔

کسی بات کو یاد رکھنے کا یہ بھی طریقہ ہے کہ کسی نہ کسی انداز میں اس کا اعادہ اور تکرار ہو اور سب سے آسان اور سہل نسخہ یہ ہے کہ ایسی باتیں جو زندگی میں برتنے کی ہیں ان کے مطالعہ میں آنے یا سننے کے بعد اسی وقت سے ان پر عمل شروع کر دیا جائے، اس سے بڑھ کر یاد رکھنے کا کوئی مؤثر طریقہ نہیں ہو سکتا، مثلاً سونے جاگنے، کھانے پینے، وضو کرنے اور قرآن پڑھنے وغیرہ کے بارے میں اسلامی آداب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے معلوم ہوں تو بلا تاخیر وتوقف ان پر عمل شروع کر دیا جائے۔ اس سے علم بھی تازہ رہتا ہے اور عمل میں بھی شادابی رہتی ہے۔

۴۔**ثُمَّ الْعَمَلُ**: چوتھی چیز عمل ہے۔یعنی دینی باتوں کو سننے کے بعد ان پر عمل ضروری ہے۔ حضرت امام رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ ''تم علم کی چاشنی تو لے لو، اور عمل کی تلخی کو چھوڑ دو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کی کئی قسمیں ہیں:

۱)جو عالم اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا [۱]

اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں۔

۲) جو عالم دوسروں کو علم نہ سکھائے، اس کے متعلق فرمانِ خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ [۲]

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت میں سے نازل کر چکے ہیں، بعد اس کے کہ ہم اسے لوگوں کے لیے کتاب (الٰہی) میں کھول چکے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

۳)جو عالم علم حاصل کرکے دوسروں کو سکھاتا ہے مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾ [۳]

یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

---

[۱] فاطر:۲۸

[۲] البقرۃ:۱۵۹

[۳] الفرقان:۴۴

علم اور ایمان کے بعد عمل اور راہِ عمل میں صبر و برداشت کی کس قدر اہمیت ہے، اس کا اندازہ مفسرِ قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مختصر مگر نہایت جامع عبارت سے لگایا جاسکتا ہے ، جسے انہوں نے سورۂ والعصر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایاہے۔ عبارت یہ ہے:

"انسان کو خسارہ سے بچنے کے لیے چار باتوں کی ضرورت ہے: اوّل خدا اور رسول پر ایمان لائے، اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے، پورا یقین رکھے۔ دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں ظاہر ہو، اور اس کی عملی زندگی اس کے ایمانِ قلبی کا آئینہ ہو، تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے، بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ جب دو مسلمان ملیں، ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملے میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت و وصیت رہے کہ حق کے معاملے میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستے میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں، یا خلافِ طبع اُمور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں، ہر گز قدم نیکی کے راستے پر ڈگمگانے نہ پائے۔ جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے، ان کا نام صفحات دہر پر زندۂ جاوید رہے گا، اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیاتِ صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔"

۵۔ **ثُمَّ النَّشْرُ**: پھر پھیلانا ہے۔ یعنی مسلمانوں کا کام صرف "صلاح" نہیں ہے کہ اپنے کو سدھار لے، بلکہ اس کی ذمہ داری، "اصلاح" کی بھی ہے، یعنی دوسروں کو سدھارنے کی فکر اور کوشش۔ دین کی جتنی باتیں معلوم ہیں ان کو پھیلانے اور نشر کرنے کی جہدِ مسلسل اور سعئ پیہم۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ان باتوں کا دینی و علمی مجالس میں استحضار رہے تو کافی نفع اور فائدہ ہو گا۔

(معروضاتِ مرتب ختم شد)

ادب کا غلبہ اور تعمیلِ حکم

فرمایا: حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے قولِ مشائخ "**الامر فوق الادب**" پر کبھی غلبۂ حال کی وجہ سے بندہ عمل کرنے سے معذور ہو جاتا ہے اور اس کا ثبوت حدیثوں میں موجود ہے۔ چناں چہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذَا أَمَرْتُكَ

اے ابو بکر! تم کو کس چیز نے روک دیا عمل کرنے سے جبکہ میں نے نماز پڑھانے کے لیے تم کو حکم کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[۴]

یعنی ابو قحافہ کے بیٹے کے لائق یہ بات نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے نماز پڑھائے۔ غلبۂ فنائیت اور عبدیت سے اپنا نام نہیں لیا، ابنِ ابی قحافہ سے تعبیر فرمایا، ابو قحافہ آپ کے والد تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ جس سے ثابت ہوا کہ اگر ادب کا حال غالب ہو جائے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر عظمتِ رسالت کے استحضار سے اس وقت ادب کا حال غالب ہو گیا تھا تو اس وقت بندہ تعمیل حکم سے معذور ہو جاتا ہے اور اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے، صلح حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے یہ شرط ٹھہرائی کہ ہم صلح نامہ پر دستخط اس شرط پر کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف نام ہو، نام کے ساتھ رسول نہ لکھا ہو کیوں کہ اگر ہم رسول ہی تصور کر لیں تو پھر یہ جنگ وغیرہ کیوں ہو، آپ نے

---

[۴] معرفۃ السنن والاٰثار للبیھقی: ۳/۱۶۵-۱۶۶، (۴۱۴۸)، التسبیح فی الصلٰوۃ یرید بہ التنبیہ، جامع الدراسات الاسلامیۃ، کراتشی، باکستان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ اُمْحُهُ یعنی میرے نام سے لفظ رسول مٹادو تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا وَاللّٰہِ لَا اَمْحُوْکَ خدا کی قسم! میں آپ کو نہ مٹاؤں گا، یہ نہیں فرمایا کہ میں آپ کے نام کو نہ مٹاؤں گا، بلکہ یوں فرمایا کہ کس قدر ان حضرات میں ادب غالب تھا کہ اسم اور مسمیٰ میں فرق نہ کرسکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی اس قدر عظمت دل میں تھی جتنی کہ خود حضور کی ذاتِ پاک کی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے مٹایا اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ ان دونوں حدیثوں سے پتا چلتا ہے کہ بعض وقت اور بعض موقع ایسا بھی ہوتا ہے کہ اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ کے کلیہ پر وہاں عمل نہیں کیا جاتا اور اس وقت انسان پر ایک حالت طاری ہو جاتی ہے۔

کچھ مزید مجلسی آداب

فرمایا: دینی مجالس میں بیٹھنے کے یہ بھی آداب ہیں کہ مل جل کر بیٹھیں، درمیان میں خلا نہ رہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیٹھنے کی یہ شان تھی کہ اگر ان کے اوپر چادر ڈال دی جاتی تو درمیان میں کہیں سے جھول نہیں آتا۔ بعد میں آنے والوں کے لیے فراخ دلی کے ساتھ بیٹھنے کی گنجایش پیدا کی جائے۔ کوئی شخص درمیان میں کسی ضرورت سے اٹھا ہے تو اس جگہ پر بیٹھنے کا وہی شخص مستحق ہے۔ وعظ و تقریر جاری ہو تو بعد میں آنے والا سلام نہ کرے بلکہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ جائے۔ وہ لوگ جو زیادہ فہیم و سلیم ہوں انہیں بیان کرنے والے کے قریب اور سامنے بیٹھنا چاہیے تاکہ وہ زیادہ استفادہ کریں اور بیان کرنے والے کو بھی شرح صدر ہو۔ سامعین کے اندر طلب اور توجہ ہو تو بیان کرنے والے پر مضامین کے دروازے کھلتے ہیں۔

عقائد وافکار

رضا گم اپنی کر اس کی رضا میں

نہ پڑ ہرگز خودی کی تو بلا میں

بس اب اللہ بس اللہ بس ہے

سوا حق کے جو ہے باقی ہوس ہے

(حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ)

اور اس کا دماغ روشن ہو گیا

فرمایا: ایک صاحب خدا کے قائل نہیں تھے۔ وہ کہا کرتے تھے، اس دنیا میں مقناطیسی نظام قائم ہے، اسی نظام نے دنیا کی ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر تھام رکھا ہے اور کارخانۂ عالم چل رہا ہے، جب انہوں نے اپنے اس نظریہ کا اظہار ایک بزرگ کے سامنے کیا تو انہوں نے ایک لٹھ اٹھا کر اس کے سر پر مارا۔ ملحد نے کہا، خدا اگر ہے تو اس کا ثبوت آپ کو دلائل سے دینا چاہیے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آپ مجھے مار بیٹھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ بزرگ نے فرمایا: ''میں نے آپ کو کہاں مارا؟'' ملحد نے کہا: ''آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ نے ہی مجھے مارا ہے۔'' بزرگ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''میں نے نہیں مارا بلکہ یہ آپ کے دماغ کا مقناطیسی اثر ہے جس نے اس لاٹھی کو اپنی طرف کھینچ لیا، چوں کہ آپ کے دماغ میں مقناطیسی اثر کم ہے اس لیے لاٹھی ہلکے انداز سے کھینچی ہے، اس لیے آپ کو مار لگی، مگر ہلکی، وگرنہ زیادہ ہونے کی صورت میں لاٹھی پوری قوت کے ساتھ کھینچتی اور آپ کو مار شدید پڑتی۔'' ملحد نے اپنی پہلی بات دہرائی، جس پر بزرگ نے فرمایا: ''جب ایک معمولی لاٹھی کسی کے اٹھائے اور چلائے بغیر نہ اٹھ سکتی ہے نہ کسی پر چل سکتی ہے، اور آپ کو یہاں کوئی مقناطیسی اثر نظر نہیں آرہا ہے تو یہ زمین و آسمان اور چاند، ستارے، سورج کا اتنا بڑا اور ہمہ گیر نظام کسی کے چلائے بغیر کیوں کر چل سکتا ہے؟ یہاں بھی تو کسی ذات کو ماننا پڑے گا، جو عالم کے سارے نظام کو اپنے ''قبضۂ قدرت میں رکھ کر چلا رہی ہے۔''

بزرگ کی کہی ہوئی بات ملحد کے دل میں اتر گئی۔ ایک لاٹھی نے اس کے دماغ کو روشن کر دیا اور تائب ہو کر خدا کی طرف رجوع ہوا۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (مؤلف تعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ) خدا کے وجود پر اس واقعہ کو ''دلیلِ لٹھ'' فرمایا کرتے تھے اور میں اسے لاٹھی دماغ روشن کرنے والی'' کہا کرتا ہوں۔

آج مغربی نظامِ تعلیم اور عصری تہذیب و تمدن نے بہت سے نوجوانوں کو خدا سے دور کر دیا ہے اور وہ تشکیک اور الحاد و دہریت کی وادئ نامراد میں سرگرداں ہیں۔

ضرورت ہے کہ اس زبان وبیان میں انہیں سمجھا کر خدا سے قریب کیا جائے جس زبان وبیان کو یہ سمجھنے کے عادی ہیں، ہر شخص کے مناسب حال گفتگو کرنا اور علومِ نبوت سے اس کے دماغ کو روشن کرکے اسے راہِ راست پر لانے کی برموقع تدبیر اختیار کرنا یہی حکمت ہے اور یہ حکمت بزرگوں کی صحبت سے خوب سمجھ میں آتی ہے۔

ایک لغو جملہ

فرمایا: جب کبھی کوئی پریشانی آئے، تکلیف آئے تو یہ نہ سمجھو کہ یہ اتفاق ہے، بھائی! زمین اللہ کی ہے، آسمان اسی کا ہے، ہر چیز اسی کی ہے اور اسی کے اختیار میں ہے، یہاں ایک پتّہ بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر نہیں ہلتا ہے تو پھر یہ تم نے ''اتفاق'' کا نام کہاں سے نکالا۔ یہ تو اتفاق سے ہوگیا، اتفاقاً ایسا ہوگیا، تو گویا یہاں زمین پر کسی کا راج ہی نہیں ہے۔ اتفاقات سے کام ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اتفاق کے معنٰی کیا ہیں، جس میں کسی فاعل کا فعل شامل نہ ہو۔ یعنی ہم نے کچھ نہ کیا، اتفاق سے ایسا ہوگیا، اتفاق سے یہ پیالی گر گئی۔ ''اتفاق سے'' جو جملہ ہے یہ غیر اُصولی جملہ ہے، اس کی طرف ہم لوگ دھیان نہیں دیتے ہیں، بالکل لغو جملہ ہے۔ یوں کہو کہ اللہ کے حکم سے سب کچھ ہوتا ہے۔ کوئی اچھی چیز مل جاتی ہے تو لوگ یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ کی مہربانی سے مل گئی، اس کی رحمت سے مل گئی، کہتے ہیں کہ صاحب ''حسنِ اتفاق'' سے ایسا ہوگیا ''سوئے اتفاق'' سے ایسا ہوگیا، یعنی بُرے اتفاق سے اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ حالاں کہ سوچئے تو اس کا مطلب ہوا کہ خدا سے اس کا تعلق ہی ختم ہوگیا۔ حکومت دو چیزوں میں قائم ہوگئی: حسنِ اتفاق اور سوئے اتفاق، اس طرح میرے بھائی! شیطان ایسے لفظوں میں گھیر کر اللہ سے ہمیں دور کردیتا ہے۔ حالاں کہ ہمیں ہر چیز میں تصور کرنا چاہیے کہ جو بھی ہے سب اللہ کے حکم سے ہے۔

ترقی کا صحیح مفہوم

فرمایا: ترقی کی دو قسمیں ہیں: ظاہری ترقی اور حقیقی ترقی۔ اللہ سے غافل ہوکر جس ذریعہ اور جس طریقہ سے بھی ترقی کی جائے وہ ظاہری ترقی ہوگی، حقیقی اور

اصلی ترقی وہ ہے جو اللہ سے تعلق قائم کرتے ہوئے کی جائے۔ اسے ایک مثال سے سمجھیے: ایک شخص مغزیات کا استعمال کرے، بادام اور میوے خوب کھائے، یقیناً اس سے اس کا جسم فربہ ہوگا اور صحت مند اور تندرست ہوگا۔ لیکن ایک شخص وہ ہے جس کا جسم مقویات کے استعمال سے نہیں بلکہ ضرب شدید یا کسی بیماری سے ورم کر جائے تو اب دیکھیے دونوں جگہ جسم کی ترقی ہے، مگر پہلی ترقی حقیقی ہے اور دوسری ترقی ہائے ہائے والی ہے۔

اسلام پہلی ترقی کی دعوت دیتا ہے جس میں اطمینان ہے، قرار ہے اور دلجمعی ہے۔ دوسری ترقی سے اس کا کوئی سروکار نہیں، یہ تو ہمیشہ انسان کو مضطرب اور بے چین رکھتی ہے، ننانوے کے پھیر سے اس کا قدم نکلتا نہیں اور سیر کبھی ہوتا نہیں۔ یہ ترقی انسان کو ہوا و ہوس اور حرص و لالچ کا غلام بنائے رکھتی ہے۔ قناعت اور صبر و سکون سے اس کا دامن خالی ہے۔

اس ترقی کے لیے یورپ اور امریکا کی مثال آپ سامنے رکھ سکتے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ ترقی کے صحیح مفہوم سے واقف ہوں اور اسی ترقی کے دل و جان سے شیدا ہوں، اور ظاہری ترقی کی طمع میں نہ آئیں کہ یہ ترقی باعثِ پریشانی اور بے سکونی ہوتی ہے۔

ایک انگریز کا سوال اور مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

فرمایا: علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی انگریز نے کہا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تفکر کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں۔ تو مولانا! آپ لوگ کہاں اس پر عمل کرتے ہیں، اور کرتے بھی ہیں تو بس سرسری اور اجمالی طور پر، اور ہم لوگ رات دن تحقیقات میں کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور چاند پر پہنچنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

مولانا نے جواب دیا کہ شاہی محل میں دو طرح کا داخلہ ہوتا ہے۔ ایک تو شاہی مہمان داخل ہوتا ہے تو وہ اپنا مقصود شاہ کی ملاقات سمجھتا ہے اور شاہی محل کے نقش و نگار اور وہاں کے آرائش کے تمام متاعِ اسباب کو اجمالی اور سرسری نظر سے دیکھتا گزرتا شاہ تک پہنچ کر شاہ کا ہم نشین ہو کر شاہ سے مصافحہ اور ملاقات کا شرف اور اعزاز حاصل کرتا

ہے، اور ایک داخلہ چور کا ہوتا ہے، تو چور جب داخل ہوتا ہے تو اس کا مقصد شاہ سے ملنا نہیں ہوتا بلکہ شاہ کے مال ومتاع کو چرانا مقصود ہوتا ہے۔ اور اسی مقصد کے پیشِ نظر وہ شاہی محل کے ہر کمرہ میں گھستا ہے اور ہر چیز کو غور سے دیکھتا ہے۔بقول اکبر الٰہ آبادی؎

بھول بیٹھے اہلِ یورپ آسمانی باپ کو
اور سمجھے باپ اپنا برق کو اور بھاپ کو

پس مسلمان کا مقصد کائنات میں خالقِ کائنات کی رضا حاصل کرنا ہے۔ اس لیے وہ اجمالی نظر سے دیکھ کر عظمتِ الٰہیہ پر استدلال کرتا ہوا اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے، اور کفارِ یورپ کا دائرۂ فکر صرف مخلوقات تک ہے، خالقِ کائنات سے ان کا رشتہ کٹا ہوا ہے اور اللہ والے تمام کائنات سے صَرفِ نظر کرکے اپنے رب کی طرف متوجہ ہیں۔

اگر ہدایت مل جائے

فرمایا: حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک بار میں سہارنپور سے کانپور جانے کے لیے لکھنؤ جانے والی ریل پر سوار ہوا۔ اس ڈبے میں ایک صاحب سے میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ بھی لکھنؤ جارہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا، میں تو میرٹھ جارہا ہوں، میں نے کہا کہ یہ گاڑی تو میرٹھ جانے والی نہیں ہے آپ کو تو یہ لکھنؤ لے جائے گی۔ چوں کہ ریل چل پڑی تھی اب وہ اتر بھی نہ سکتے تھے لیکن دوسرا اسٹیشن بھی قریب تھا، تھوڑی ہی دیر میں وہ اتر کر ریل تبدیل کرسکتے تھے، مگر صحیح راہ پر نہ ہونے اور غلط راہ پر ہونے کے سبب انہیں اس قدر پریشانی تھی کہ میں نے ان سے کچھ گفتگو کرنی چاہی تو یہ کہہ کر انکار کردیا کہ تمہیں باتوں کی سوجھی ہے اور ہمارے دل کی پریشانی کا جو عالم ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں۔

اس حکایت سے یہ بات نہایت واضح ہوجاتی ہے کہ ہدایت کی راہ پر لگ جانے ہی سے سکون شروع ہوجاتا ہے اور غلط راہ پر قدم پڑتے ہی بے اطمینانی اور پریشانی شروع ہوجاتی ہے۔ حق تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ

کیے ان کو ہم بالطف زندگی عطا کرتے ہیں، اور جو ہماری یاد سے اعراض کر کے غفلت کی زندگی گزارتے ہیں ان کی زندگی کو ہم تلخ کر دیتے ہیں۔

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پاکی

فرمایا: ایک بدوی سے کسی منکرِ خدا نے پوچھا کہ تو خدا کو بغیر دیکھے کس طرح پہچانتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ **اَلْبَعْرَۃُ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِیْرِ** اونٹ کی مینگنیاں گواہی دیتی ہیں کہ ابھی اِدھر سے اونٹ گیا ہے اور بغیر دیکھے اونٹ پر یقین کرتے ہیں۔ **فَکَیْفَ اَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ وَسَمَاءٌ ذَاتُ بُرُوْجٍ لَاتَدُلُّ عَلَی اللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ**[۵] پس زمین کشادہ راہوں والی اور آسمان برجوں والا اس لطیف و خبیر ذاتِ پاک پر کیوں کر نہ گواہی دے گا۔

کہے دیتی ہے شوخی نقش پاکی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

میرا ایک شعر ہے۔

ہر ایک ذرّہ میں اس کو ہی دیکھتا ہوں
دلیل صانع کی صنعت میں دیکھتا ہوں
(اخترؔ)

۞۞۞۞

---

۵ روح المعانی: ۱۵/۴۲، بنی اسرائیل (۱۶)، دار إحیاء التراث، بیروت

محبت و اطاعت

ہمارا کام ان کی یاد اور ان کی اطاعت ہے

نہ بدنامی کا خطرہ اب نہ پروائے ملامت ہے

(مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ)

وہ مجھ پہ چھاگئے، میں زمانے پہ چھا گیا

فرمایا: قرآنِ مجید میں مومن کی یہ شان بتائی گئی ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[۶] مومن اللہ کی محبت میں بہت زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

مومن کو ماں باپ سے بھی محبت ہوتی ہے، بیوی بچوں سے بھی محبت ہوتی ہے، بھائی بہن سے بھی محبت ہوتی ہے، اپنے کاروبار، اپنی دوکان، اپنے مکان اور اپنی ہر چیز سے اسے محبت ہوتی ہے، مگر وہ ان تمام محبتوں پر اللہ کی محبت کو غالب رکھتا ہے۔ اور جب اس کے دل پر خدا تعالیٰ کی محبت غالب ہوجاتی ہے تو وہ ہر جگہ غالب ہی رہتا ہے۔ جگر مراد آبادی فرماتے ہیں ؎

میرا کمالِ عشق بس اتنا ہے اے جگرؔ
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

جب بندۂ مومن اللہ سے عشق و محبت میں یہ مقام حاصل کرلیتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے، یہاں تک کہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب اللہ کو رکھنے لگتا ہے تو پھر اس کی زندگی میں اس شعر کی تعبیر و تفسیر ملتی ہے کہ ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو ہم تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد

فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "ماں باپ، بیوی بچے، مال و دولت اور اپنی جان اور اپنی اس طرح کی دوسری چیزوں سے محبت "شدید" (سخت) ہو تو کوئی حرج نہیں، البتہ اللہ کی محبت "اشد" (زیادہ سخت) ہونی چاہیے۔"

---

۶ البقرة:۱۶۵

میرے بھائیو! کس سے محبت ”شدید“ ہے اور کس سے ”اشد“ اس کا اظہار مقابلے کے وقت ہوتا ہے۔ ایک طرف دل کی چاہت ہو، ماں باپ، بیوی بچے اور جان ومال کی محبت کا تقاضا ہو اور دوسری طرف اللہ کی محبت کا مطالبہ ہو، اس مقابلے کے وقت جس جانب کو ترجیح دی جائے گی سمجھا جائے گا کہ اس سے محبت ”اشد“ ہے۔ لیکن اس مقابلہ یا امتحان میں آپ کی کامیابی اسی صورت میں ہے کہ آپ ہر حال میں خدائی احکام کو مقدم رکھیں۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

ان کی رضا کے سامنے اپنی خوشی کبھی نہ دیکھ
ثوابِ دائمی کما لذتِ عارضی نہ دیکھ

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دو دعائیں

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دراصل قرآنِ مجید کی تفسیر وتشریح ہیں۔ قرآن کی آیت وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ میں جو بات مقصود ومطلوب ہے اس کی وضاحت ان دو دعائیہ حدیثوں میں ملتی ہے۔ آپ کی ایک دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ[ے]

اے اللہ! آپ اپنی محبت اتنی دے دیں کہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو جائیں۔

دوسری دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ[۸]

اے اللہ! آپ اپنی محبت میرے دل میں تمام چیزوں کی محبت سے زیادہ ڈال دیجیے۔

ان دونوں دعاؤں کا حاصل یہ ہے کہ ایک بندۂ مومن کے لیے دنیا کی کوئی محبوب ومرغوب چیز ”حبیب“ ہو تو اس کے مقابلے میں اللہ اس کے لیے احب ہوں۔ اگر کوئی نازک اور اہم موقع آئے تو دنیا کا ہر تعلق توڑا جا سکتا ہے، کاٹا جا سکتا ہے مگر اس سے رشتۂ محبت کو کسی

ے جامع الترمذی: ۲/۱۸۷، باب من ابواب جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

۸ کنز العمال: ۲/۱۸۲(۳۶۴۸)، فصل فی جوامع الادعیة، مؤسسة الرسالة

موقع پر اور کسی حال میں قطع نہیں کیا جاسکتا۔ ان دونوں دعاؤں کا ورد کثرت سے ہونا چاہیے تاکہ اللہ کی محبت کی حقیقت ہم پر کھلے، اور پھر یہ محبت ہم سے جن تقاضوں کی تکمیل کا مطالبہ کرتی ہو اس میں ہم ذرّہ برابر بھی غفلت، سستی اور مداہنت کو دخل نہ دیں اور محبت کی یہ گرمی ہمیں ہمیشہ خدا کی راہ میں سرگرم رکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور دعا

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ[۹]

اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت اپنی جان، اپنے اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ مانگتا ہوں۔

میرے بھائی! دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دنیا اور دنیا کی چیزیں نہیں مانگی ہیں، بلکہ اپنی جان، اپنے اہل وعیال اور ٹھنڈا پانی (جو بہت اہم چیز ہوتی ہے) سے زیادہ "اللہ کی محبت" کی دعا مانگی ہے۔ ایک اور خاص بات اس دعا میں یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ کی محبت زیادہ مانگی گئی ہے، مگر اہل وعیال یا اپنی جان کی محبت کی نفی نہیں کی گئی ہے، اسلام تجرد اور کنارہ کشی کی تعلیم نہیں دیتا ہے۔ بلکہ یہ بتاتا ہے کہ ہر چیز پر خدا کی محبت غالب رہے۔ بھائیو! یہی محبت روح کی غذا اور زندگی کا حاصل ہے۔ اسی کی طلب کیجیے، اسی کے لیے دعائیں مانگیے، روئیے، گڑگڑائیے۔ آہ! ہم سب ہی کو اللہ اپنی محبت سے نوازے۔

دکھا جلوہ وہی غارتِ گرِ جانِ حزیں جلوہ
ترے جلووں کے آگے جان کو ہم کیا سمجھتے ہیں

اللہ اگر توفیق نہ دے

فرمایا: بھائیو! اصل چیز توفیقِ خداوندی ہی ہے۔ جب تک خدا کی توفیق

---

۹ جامع الترمذی: ۱۸۷/۲، باب من ابواب جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

شاملِ حال نہ ہو کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے خدا سے نیکی کے لیے توفیق کی دعا کرنی چاہیے۔ (فرمایا) مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑا نصیحت آموز واقعہ لکھا ہے۔ آپ بھی سنیے:

ایک آقا اور غلام کا گزر مسجد کے پاس سے ہوا۔ نماز کا وقت ہو گیا، اذان دی جاچکی تھی غلام نے آقا سے کہا، تھوڑی دیر کے لیے اجازت دیں تو میں نماز ادا کرلوں۔ آقا نے جو دنیا کی دولت پا کر خدا کو فراموش کر چکا تھا، بے رخی سے اجازت دے کر کہا، جاؤ جلدی سے نماز پڑھ کر آجاؤ، میں یہیں باہر انتظار کرتا ہوں، غلام آقائے حقیقی کے دربار میں چلا گیا، نماز شروع کر دی، نماز کی لذت سے وہ آشنا تھا، وہ اس لذت میں محو تھا۔

ہر کہ دلبر دید کے ماند خموش
بلبل گل دید کے ماند خموش

لوگ اپنی اپنی نمازیں پڑھ کر چلے گئے، یہ غلام اور نمازیں پڑھتا رہا، جب کافی تاخیر ہو گئی تو آقا سے رہا نہ گیا، غصہ میں چلّانے لگا۔ کم بخت! سب نکل گئے، تم وہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا کسی نے پکڑ لیا ہے جو باہر نہیں آنے دے رہا ہے۔ کون ہے وہ جس نے پکڑ رکھا ہے؟ غلام نے اندر سے جواب دیا، جی ہاں آقا! ہم کو اسی نے پکڑ رکھا ہے اور باہر جانے نہیں دے رہا ہے جو آپ کو اندر آنے نہیں دے رہا ہے۔

بھائیو! دیکھیے توفیق کی بات اور خدا کی عنایت کا حال۔ ایک کو تو اپنی وہ لذت دی کہ باہر نہیں آرہا ہے جیسے پکڑ لیا گیا ہو اور دوسرے کو توفیق نہیں دی کہ اندر جا کر نماز ادا کرے۔ بھائیو! توفیقِ خداوندی کے لیے دعائیں کیا کرو۔

اس کے الطاف تو عام ہیں سب پر شہیدی لیکن
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ان ہی کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے

فرمایا: اللہ کی محبت کو حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے

محبت کرنے والے ہیں اور اپنی اس محبت میں پختہ ہیں ان کی صحبت اور معیت اختیار کی جائے، مثل مشہور ہے کہ ”خربوزہ سے خربوزہ رنگ پکڑتا ہے“ آپ اگر ایسے لوگوں کی صحبت میں رہیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اللہ کی محبت کی گرمی سے گرم نہ ہو جائیں۔

ایسے اللہ والے اللہ تک پہنچنے اور اللہ کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنے کے لیے جو ہدایات دیں ان پر صدق دل کے ساتھ عمل کیجیے۔ فرض کیجیے انہوں نے اس سلسلے میں آپ کو پانچ ہدایات دی ہوں اور آپ چار پر عمل کر رہے ہیں اور کسی وجہ سے ایک پر عمل نہ رہا ہو تو اپنے حالات کو ان سے نہ چھپایئے بلکہ اپنی اس کمزوری کا ان سے اظہار کیجیے تاکہ آپ کو وہ ایسی تدابیر بتائیں جن سے آپ کے لیے تمام ہدایات پر عمل کرنا اور خدا تک پہنچنا آسان ہو جائے۔ مریض کی کامیابی اس میں ہے کہ وہ اپنے معالج سے اپنی تمام کیفیات بیان کر دے تاکہ ٹھیک اور مکمل طریقے پر اس کا علاج ہو سکے اور وہ جلد شفا پا سکے۔

اگر آپ کے اندر خدا طلبی کا مخلصانہ جذبہ ہے تو آپ کبھی ناکام نہیں ہو سکتے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اس زمین پر کسی اللہ کے عاشق کو میں نے نہیں دیکھا کہ وہ ناکام ہوا ہو، اللہ ضرور ملتا ہے، صرف طلب صادق شرط ہے۔“ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ عارف باللہ ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (پاکستان) کا یہ شعر اس موقع پر بڑا معنیٰ خیز اور نظر افروز ہے، وہ فرماتے ہیں؎

ان ہی کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے
وہی ڈھونڈتے ہیں جو ہیں پانے والے

وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ میرا محبت کرنا ایک طے شدہ امر ہے جو محض میری رضا و خوشنودی کی خاطر آپس میں میل محبت رکھتے ہیں، محض میری رضا و خوشنودی کی خاطر اور میری حمد و ثنا کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں، محض میری رضا اور خوشنودی کی خاطر ایک

دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور محض میری رضا اور خوشنودی کی خاطر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ یہ امام مالک کی روایت ہے۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ میری عظمت و جلال کے سبب آپس میں محبت رکھتے ہیں ان کے لیے (آخرت میں) نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء (بھی) رشک کریں گے یعنی ان کے اجر و انعام پر خوشی و مسرت کا اظہار کریں گے یا یہ کہ اگر بفرض محال انبیاء و شہداء کو کسی رتبہ و مقام پر رشک کرنا ہوتا تو ان لوگوں کے رتبہ و مقام پر ہوتا۔ (مشکوٰۃ)

امرِ الٰہی کا احترام کرو

فرمایا: مسلمانو! امرِ الٰہی کا احترام کرو، خدا کے حکم کا لحاظ کرو، آج لوگ کہتے ہیں کہ لوگوں پر دینی معاملے میں زیادہ مطالبہ ٹھیک نہیں، روک ٹوک کرنے سے نازک دل ٹوٹ جائے گا، نازک صورت ہے، اس پر احکام کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے، بیوی بچے نافرمانی کر رہے ہیں اور ہم آپ روکنے ٹوکنے سے ہچکچاتے ہیں کہ دل ٹوٹ جائے گا۔ انسان کا تو آپ خیال کرتے ہیں مگر حکمِ الٰہی کا خیال نہیں کرتے ہیں۔ امرِ الٰہی کیا ہے؟ اس کا احترام نہیں کرتے ہیں، بلکہ عزیزوں، چاہنے والوں کے دل کا احترام و خیال ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ امرِ الٰہی کا احترام ہو۔ اس کے امر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

خوشی کو آگ لگادی خوشی خوشی ہم نے

فرمایا: جب ایک انسان پر نفس یا شیطان کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کبھی کسی نامحرم عورت کو دیکھنا چاہتا ہے، کبھی ناجائز اور باطل طریقے پر مال کھانا چاہتا ہے، کبھی کسی کو فریب دیتا ہے، کسی کی غیبت کرتا ہے، کسی کا حق دبالیتا ہے، کسی پر ظلم کرتا ہے، یہ سب وہ اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے کرتا ہے، مگر جب دل میں اللہ کی محبت "اشد" ہوتی ہے تو وہ نفس کی اس طرح کی ناجائز خوشیوں کے مقابلے میں اللہ کی خوشی کو ترجیح دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ کی خوشی کے حصول میں وہ خوشی خوشی اپنی نفسانی خوشیوں کو

آگ لگادیتا ہے۔ اسی کو حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ؎

خوشی کو آگ لگادی خوشی خوشی ہم نے

پھول اور کانٹے

فرمایا: بھائیو! جس کی محبت ہوتی ہے اس سے وابستہ چیزوں سے بھی محبت ہونی چاہیے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ پھول کو حاصل کرنے کے لیے کانٹوں سے بھی اُلجھنا اور کبھی کبھی زخمی ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر بھینس کے دودھ سے محبت ہوتی ہے تو پیشاب اور گوبر کی زحمت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ ایک بھینس والے سے آپ پوچھیں کہ دودھ حاصل کرنے کے لیے بھینس کی کتنی خدمت کرتا ہے، اس کی نجاستوں کو بھی کس طرح برداشت کرتا ہے، عاشق کی شان تو بس یہ ہے کہ؎

تمنا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ملتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دلنشیں ہوتی

بھائیو! خدا سے محبت ہے تو اس کے محبوب سے محبت کرو، اس کی یاد میں لگے رہو، گپ شپ اور دنیاداری میں وقت نہ گزارو۔

اور انہوں نے سلطنت چھوڑ دی

فرمایا: حضرت ابراہیم ابنِ ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں جب خدا کی محبت سلگی تو انہوں نے ہر اس چیز سے کنارہ کرلیا جو خدا کی راہ میں آڑے آرہی تھی۔ بلخ کے بادشاہ تھے، سلطنت اور تخت و تاج چھوڑ کر خدا کی یاد میں لگ گئے، پھر کبھی دنیا کا خیال تک دل میں نہ لائے۔

ایک شخص نے حضرت بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی پریشان حالی کا تذکرہ کیا اور درخواست کی کہ حضرت! خدا سے دعا فرمایئے کہ وہ میرا فقر و فاقہ دور کردے اور عیش و خوشحالی عطا فرمائے۔ حضرت ابراہیم ابنِ ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا، تم اس سے دنیا کے لیے دعا کرانا چاہتے ہو جس نے فقیری کے لیے بلخ کی سلطنت چھوڑ دی؟

فرمایا: کسی کی بُرائی نہ کرو۔ جس طرح تم اپنی اولاد کی بُرائی برداشت نہیں کرسکتے ہو اسی طرح اللہ بھی اپنے بندوں کی برائی برداشت نہیں کرتا۔

جنت کی دعا کس لیے؟

فرمایا: ہر حال میں خدا سے دل لگائے رکھو اور اسی کو مقصود و مدعا بنائے رکھو، اس کی قربت چاہو۔ دوزخ سے اس لیے پناہ مانگو کہ وہاں اللہ سے جدائی ہوگی۔ جنت کی آسایش کے لیے جنت کی لالچ نہ کرو، مقصود جنت نہ ہو۔ جنت کی دعا اس لیے مانگو کہ وہاں خدا کا قرب ملے گا، وصالِ الٰہی سے نوازے جاؤ گے۔ تو بھائیو! اصل چیز خدا طلبی ہے۔

جس نے کوئی جستجو کی اس نے مقصد پالیا

فرمایا: یہ جسم و جاں، یہ سارا جہاں سب کچھ تو ان ہی کا ہے۔ اگر ہم جان تک قربان کردیں تو پھر بھی کچھ نہ کیا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بھائیو! خدا کی محبت و چاہت ہی سب کچھ ہے۔ انسان اپنے لیے لذیذ سے لذیذ ترین چیز جس کو سمجھ سکتا ہے وہ بھی اس ''محبت'' کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

پیاسا چاہے جیسے آبِ سرد
تیری چاہ اس سے بھی بڑھ کر ہے مجھ کو

بھائیو! اس کی محبت کی کوشش کرو، محنت کرو، ذکر و اشغال میں اپنے آپ کو استعمال کرو۔ اگر آپ کے اندر سچی تڑپ اور حقیقی طلب ہوگی اور اس کے لیے آپ روزانہ کوشش کریں گے تو ضرور ایک دن محبت کی منزل مل ہی جائے گی، شرط صرف محنت و مجاہدہ ہے۔ آپ کا ہمارا کام کوشش کرنا ہے، تلاش کرنا ہے، سرگرداں رہنا ہے۔ جب ہمارے اندر یہ تڑپ پائی جائے گی تو خدا خود اپنی محبت سے نوازیں گے۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت بینی ازاں در ہم سرے

(رومیؔ)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر کے اندر کیسی حقیقت سمودی ہے کہ جب آپ کسی دروازے کو بار بار کھٹکھٹائیں گے تو آخر کار کوئی نہ کوئی سر اس دروازے سے ضرور باہر آئے گا۔ یہی حال خدا کی محبت کا ہے۔ آپ کی طرف سے بار بار دعاؤں کے ذریعے دستک پڑے تو یقیناً ایک دن پرسش ہوگی کہ کون ہے اور کیوں آواز دے رہا ہے۔ اس لیے آپ کوشش کرتے رہیے۔ شاعر کا شعر ہے۔

گھر کے اندر بیٹھ کر اب تک کسی نے کیا لیا
جس نے کوئی جستجو کی اس نے مقصد پالیا

خدا کو محبوب رکھنے والوں کی شان

فرمایا: بھائیو! خدا کی یاد میں مصروف رہو، اتنا یاد کرو کہ ان کے بغیر دل نہ لگے۔ اللہ والے ہر وقت خدا کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو بھی دیکھتے ہیں، اس کی صورت میں منعمِ حقیقی کے احسانات وعنایات کو محسوس کرتے ہیں۔ اللہ ہی کی محبت میں اللہ کی دی ہوئی نعمت اور پیدا کی ہوئی مخلوق سے محبت کرتے ہیں۔ خدا ہی نہیں بلکہ خدا کے بندوں سے بھی محبت کرو۔ یہی محبت کا دستور اور طریقہ بھی ہے کہ محبوب ہی نہیں بلکہ محبوب کے محبوب کو بھی چاہو، احترام کرو۔ مجنوں کو لیلیٰ سے محبت تھی تو اس نے لیلیٰ کی کتیا کو بھی گود میں اٹھالیا تھا۔

فرمایا: جب تم خدا کی محبت میں دیوانہ وار مکہ جاؤ تو مکہ والوں کی بُرائی نہ کرو، وہ جیسے کچھ ہیں مگر خدا کے گھر کے پڑوسی تو ہیں۔ تم خدا کی محبت میں خدا کے لیے ان پر نکتہ چینی نہ کرو، اپنے پر نظر رکھو۔ اپنے ہی اندر برائیاں کچھ کم ہیں کہ دوسروں کے عیوب کو تلاش کریں۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر
رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی بُرائیوں پہ جو نظر
تو جہاں میں کوئی بُرا نہ رہا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کا تقاضا

فرمایا: ایک شخص مدینہ طیبہ پہنچا، وہاں اس نے دہی خریدا مگر دہی کھٹا تھا۔ ناک بھوں چڑھایا اور کہنے لگا: میرے وطن کا دہی اچھا ہوتا ہے، مدینہ کا دہی تو بالکل کھٹا ہے۔ رات خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے دیکھا کہ آپ انتہائی برہمی کے ساتھ حکم دے رہے ہیں، کم بخت! تم مدینہ سے نکل جاؤ، تم نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ اس دہی کو مجھ سے نسبت تھی۔ یعنی مدینہ کا دہی ہے۔ بھائیو! غور سے سنو، دہی کو شہر سے اور شہر کو نبی سے نسبت تھی۔ اس نے دہی کی بُرائی بیان کرکے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بُرائی بیان کی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم محبوب کے ساتھ ان سے وابستہ لوگوں، چیزوں اور باتوں کو بھی چاہیں اور اس پر عمل کرنے کو سعادت سمجھیں۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی تین پسندیدہ چیزیں

فرمایا: حضرت سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے دنیا میں صرف تین چیزیں محبوب ہیں۔ ان سے بڑھ کر میری نگاہ میں کوئی چیز نہیں ہے:

۱) **اَلنَّظْرُ اِلَیْكَ** آپ کی طرف دیکھنا۔ بھائیو! غور کرو، عرض پرداز یارِ غار حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ تنہائی کا موقع ہے، سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کو بیان کررہے ہیں، کس ادب سے اور جاں نثاری کے ساتھ کہ آپ کی طرف دیکھنا مجھے پسند ہے، آپ کے مقابلے میں دنیا کے سارے مناظر ہیچ ہیں۔

۲) اَلْجُلُوْسُ بَيْنَ يَدَيْكَ دوسری چیز جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے وہ ہے آپ کے سامنے بیٹھنا۔ سبحان اللہ! حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس محبت پر قربان ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ مرشد وراہ بر کے سامنے بیٹھنا ہی پسند ہے۔

۳) وَالْاِنْفَاقُ عَلَيْكَ اور تیسری چیز جو مجھے پسند ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کرنا۔[۱۰]

فرمایا: حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی درخواست اظہارِ محبت وجاں نثاری کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ جب تک ایسی محبت نہ ہوگی صحیح طور پر مرشد سے فیض حاصل نہیں کرسکو گے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام

فرمایا: اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام یہ فرمایا:

وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰـكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[۱۱]

رسول تمہیں جو دین دے رہے ہیں اُسے مضبوطی سے پکڑلو اور جن کاموں سے روکیں فوراً رک جاؤ۔

غور سے سنیے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام اور مرتبہ بتایا جارہا ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے ہیں برکت کے لیے اور درود شریف پڑھ کر بخشوانے کے لیے۔ اللہ نے اپنے نبی کا مقام بتایا کہ وہ جو دین دیں اس پر مضبوطی سے عمل کرو اور جس کام سے روکیں اس سے فوراً باز آجاؤ۔ اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام ومنصب بتایا ہے۔ اورآج ہمارے دلوں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے؟ غور کرسکتے ہیں۔ بخاری شریف میں اللہ کے رسول کی حدیث موجود ہے کہ تصویریں اپنے گھروں میں مت رکھو۔ مگر دیکھیے گھروں میں کیسی کیسی تصویریں لٹکتی ہیں۔ اخبار وغیرہ ہے اس میں تصویریں ہوں تو پڑھ کر لپیٹ کرر کھ دو۔ بلی، کتے، بچوں کے

[۱۰] کشف الخفاء للعجلونی ۲۴۱/۱، ذکرہ بلفظ والجھاد بین یدیك ولم یذکر الجلوس بین یدیك
[۱۱] الحشر: ۷

کھیلنے کے لیے اس قسم کی مختلف چیزیں ہیں، آج کل مرغے بھی آگئے ہیں اس میں ایسی ایسی پلاسٹک فٹ ہے کہ دبایئے تو آواز بھی آتی ہے، کوئی منع کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ "بچے ہیں ان کا دل ٹوٹ جائے گا" بچوں کے دل ٹوٹنے کا تو آپ کو اتنا خیال ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل ٹوٹنے کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ فیصلہ کرلو اپنے ایمان کا۔

ہر مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہے

فرمایا: ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ "میرا ایمان خطرے میں پڑ گیا ہے۔ اس لیے کہ میں اپنے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے زیادہ اپنے لڑکے کی محبت کو پاتا ہوں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو والدین اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔" اس لیے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میرا ایمان تو متأثر نہیں ہوگیا ہے؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "یہ آپ کا وہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان کی طرح آپ کے دل میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اولاد سے زیادہ ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر وہی لڑکا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں گستاخی کر بیٹھے، خدانخواستہ بُرے الفاظ منہ سے نکال دے تو آپ آگ بگولہ ہوجائیں اور جی چاہے گا کہ تلوار اٹھا کر دو ٹکڑے کردوں۔ دیکھیے جس لڑکے کی محبت کا دعویٰ ہے اور اس محبت کا خطرہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ امتحان کے وقت کھل جائے گا۔

بھائیو! آپ نے سنا کہ ہر دلِ مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں ہے۔ پس امتحان کے وقت اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے امتحان سے گھبرانا بھی نہیں چاہیے۔

یہ ہے عشق کی کرامت

فرمایا: اگر عشق سچا ہو اور تڑپ صادق ہو تو منزل بھی مل جاتی ہے۔ محبت

وتڑپ کی تپش بے کار نہیں جاتی ہے۔ حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت تھی ان کے دل میں۔ دل مضطر لیے ہوئے ایک دفعہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، روضۂ نبوی کے پاس باادب حاضری دی اور عرض کیا السلام علیك یا رسول اللہ۔ جواب آیا وعلیکم السلام یا ابنی پریشان و مضطر ہو کر پھر عرض کیا: یا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دلِ بے قرار لے کر آج حاضر ہوا، مدتوں کی تمنا بَر آئی ہے، صرف جوابِ سلام سے مجھے تسلی اور قرار نہیں آئے گا، مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے دست مبارک دراز فرمائیں تاکہ میں مصافحہ کرسکوں اور اپنے دل کو شاد کرسکوں، گویا اس شعر کا مکمل مصداق تھے ؎

سینے میں ہوں اک درد کا نشتر لیے ہوئے
صحرا و چمن دونوں کو مضطر کیے ہوئے

علّامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے جلالین شریف لکھی ہے، جس کتاب کو پڑھے بغیر کوئی عالم نہیں ہوتا، ہر عالم اپنے مرتبۂ درس میں اس کو پڑھتا ہے، ان کی روایت ہے کہ "اس بے قرارانہ درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک ظاہر ہوا۔ وہ ہاتھ کیا تھا، لگتا تھا، سورج زمین پر اتر آیا ہے، اتنا روشن اور اتنا صاف وشفاف، سورج کی چمک ماند پڑرہی تھی۔ علامہ رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے مصافحہ کیا اور نو ہزار مسلمانوں نے دیکھا۔ مدینہ طیبہ میں اس وقت ایک اور بزرگ تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا، حضرت! کیا آپ کو حضرت رفاعی رحمۃ اللہ علیہ پر رشک نہیں آرہا ہے؟ بزرگ نے جواب دیا: ارے ظالمو! تم میرے رشک کے متعلق پوچھتے ہو، اس کی قسمت پر ملائکہ حاملینِ عرشِ الٰہی رشک کررہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے مصافحہ کرنے کی سعادت نصیب ہو، اس کی قسمت پر کس کو رشک نہیں آئے گا؟

عشق کی وادی یوں طے کی جاتی ہے

فرمایا: حضرت رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے یہ بہت بڑی سعادت اور اعزاز

کی بات تھی مگر فوراً خیال آیا کہ کہیں نفس میں غرور نہ آجائے اور دیکھنے والوں کا احترام مغرور نہ کردے۔ بھائیو! اللہ والے اپنے نفس کا بھرپور اور بروقت جائزہ لیتے ہیں اور سختی سے سخت علاج کرتے ہیں۔ حضرت رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً اپنے نفس کو مخاطب کرکے فرمایا: شاید تو اپنے کو بہت بڑا سمجھنے لگا ہے۔ اس کا یہ علاج ہے کہ تم مسجد کے دروازے پر لیٹ جاؤ اور لوگ تمہیں روندتے ہوئے گزر جائیں گے تاکہ تمہارے اندر جو بُرائی کا شائبہ بھی ہوسکتا ہے وہ لوگوں کے قدموں سے پامال ہوجائے۔ چناں چہ حضرت رفاعی رحمۃ اللہ علیہ دروازے پر لیٹ گئے اور لوگوں سے فرمایا: مجھے روندتے ہوئے گزرو۔ لوگ بھیڑ کی وجہ سے ان کا خیال کیے بغیر روندتے اور گزرتے رہے، مگر ایک بزرگ تھے، وہ بچ کر اور کترا کر نکل گئے، لوگوں نے پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا، کترا کر کیوں نکلے؟ انہوں نے جواب دیا: میرے بھائی! اگر میں ان کو روندتا تو خدا کے عذاب میں مبتلا ہوجاتا، میں ان کے مرتبہ سے واقف ہوں۔ انہوں نے تو صرف اپنے نفس کی اصلاح وعلاج کے لیے اپنے کو گزرگاہ پر لٹادیا ہے ورنہ ان کا مرتبہ تو بہت بلند ہے۔

بھائیو! دیکھیے، اللہ والے اپنے نفس پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں ذرا شائبہ بھی علو کا ہوتا ہے وہیں گوشمالی کرتے ہیں اور فوراً پامال کردیتے ہیں۔ اور یہی ان کی کامیابی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ وہ عشق ومحبت کے راستے کو یوں طے کرتے ہیں۔ بقولِ جگر مرادآبادی ؎

یہ عشق نہیں ہے آساں بس اتنا سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

سنت پر استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے

فرمایا: آج کل لوگ بزرگ ان ہی کو سمجھتے ہیں جن سے کرامتوں کا ظہور ہو اور چونکا دینے والی بات ہو۔ اور جن سے ایسی کوئی بات صادر نہیں ہوتی ان کو دنیادار سمجھا جاتا ہے۔ ان کو بزرگ نہیں سمجھا جاتا ہے۔ بھائیو! یہ بات سوچنے اور فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے۔ بزرگی کا معیار سنتِ نبوی کی پیروی ہے۔ جو سنتِ نبوی پر عمل پیرا ہے وہی بزرگ ہے

اور اگر کوئی سنت کو چھوڑ کر عجیب وغریب چیز کیوں نہ دکھاوے وہ بزرگ نہیں ہو سکتا۔

گر ہوا پہ اڑتا ہو وہ رات دن
ترکِ سنت جو کرے شیطان گن

فرمایا: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرید دور سے آئے، مرید بغور جائزہ لیتا رہا اور توقع قائم کیے ہوئے تھا کہ کوئی کرامت ظاہر ہوگی، مگر کئی دنوں تک رہنے کے بعد بھی جب کسی کرامت کا ظہور نہیں ہوا تو مایوس ہو کر واپس جانے لگا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے جانے کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں کسی کرامت کی امید پر آیا تھا مگر یہاں تو کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ حضرت بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت فرمایا، اچھا یہ بتاؤ اتنے عرصہ میں کوئی خلافِ سنت اور خلافِ شریعت عمل کرتے ہوئے بھی تم نے دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں آپ کا ہر عمل سنت کے مطابق ہے۔ پھر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ اَلْفِ کَرَامَۃٍ**[۱۲] یعنی سنت پر استقامت اور پابندی یہ ہزار کرامت سے بڑھ کر ہے۔

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں

فرمایا: ایک شخص حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ حضرت کو بہت کچھ مال دے کر ایک سلسلہ میں بے اُصولی کرالے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھانپ گئے۔ برجستہ اس کو ایسا جواب دیا کہ اس کے ہوش ٹھکانے لگ گئے۔ حضرت نے فرمایا: مجھے مت آزماؤ! میں سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہوں جنہوں نے سلطنت چھوڑ دی اور خدا کی محبت کے پھولوں میں تخت وتاج ان کے لیے کانٹے بن گئے۔ کیا میں ایسے سلطان کی اولاد ہوتے ہوئے مال پر رال ٹپکا سکتا ہوں۔ میرے نزدیک مال ودولت کی حقیقت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ تم نے مجھ سے ایسی توقع کیوں اور کس طرح باندھی، تمہیں شرم نہیں آئی۔

---

۱۲ مرقاۃ المفاتیح: ۸۴/۱، کتاب الایمان، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

یہ ہیں اللہ والے کہ مال و دولت اور عہدہ و منصب کے کسی دباؤ کو برداشت نہیں کیا اور ان چیزوں کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا، اور ہر حال میں وہی کیا جو اُصول چاہتا تھا اور شریعت چاہتی تھی۔ کسی شاعر نے اپنے اس شعر میں کیسی حقیقت بیان کی ہے۔

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکل میں ہیں استغنا کی تلواریں

محبت کے لیے معرفت ضروری ہے

فرمایا: فرض کیجیے، کسی کا باپ اس کے بچپن ہی میں باہر چلا گیا ہو، اب تیس سال بعد اس کو لوٹنے کی اطلاع ملی ہے، دن، تاریخ اور وقت مقرر ہے، بیٹا عرصۂ دراز کے بعد باپ کی آمد سے خوشی و مسرت سے سرشار ہے۔ لیکن وہ اپنے باپ کو پہچانتا نہیں۔ اسے خیال آتا ہے کہ ایسی صورت میں طیران گاہ پر استقبال کے لیے جانے سے بھی کیا فائدہ؟ دوسرے ہی لمحہ اس کے ذہن میں ایک بوڑھے اور کمزور آدمی کا نام آتا ہے جو اس کے باپ کا صورت آشنا ہے، بڑی منت و سماجت کے بعد طیران گاہ چلنے کے لیے اسے آمادہ کرلیتا ہے، طیارہ آیا اور لوگ اتر کر باہر آنے لگے، بیٹا جس بوڑھے کو اپنے ہمراہ لایا تھا وہ ایک گوشہ میں بیٹھا ہے اتنے میں طیارہ سے اتر کر ایک بوڑھا آدمی اس کے پاس آتا ہے جو اپنے باپ کو لینے آیا ہوا تھا۔ بوڑھا مسافر اس سے خواہش کرتا ہے میں نہایت کمزور ہوں، کئی روز کے سفر سے چکنا چور ہوں، لِلّٰہ آپ تھوڑی دیر کے لیے میرے اس سامان کو سنبھالے اور کسی طرح ٹیکسی تک پہنچا دیجیے۔

وہ آدمی اس پر جھنجھلاتا اور غصہ میں آتا ہے اور کہتا ہے میں خود اپنے والدِ محترم کو لینے کے لیے آیا ہوں، ان کے ساتھ بھی سامان ہوگا، جب نہایت تلخی و ترش روئی سے وہ اسے جواب دے رہا تھا، اتنے میں گوشہ میں بیٹھے ہوئے بوڑھے کی نظر اس مسافر پر پڑتی ہے اور وہ لڑکے سے کہتا ہے ”یہی تو آپ کے والد ہیں۔“

اب ایک ہی لمحہ میں اس لڑکے کا انداز بدل جائے گا۔ تعارف ہو جانے کے بعد اسے اپنے تلخ جواب پر ندامت اور شرمندگی ہوگی اور لجاجت کے ساتھ کہے گا: اباجان! معاف کیجیے پہچانا نہیں، سامان کا اٹھانا تو کجا، آپ مجھ پر سوار ہو کر چلیے، میں آپ پر اپنی سو جان نثار کرتا ہوں۔

غور کیجیے، جب تک معرفت نہیں تھی تو محبت نہیں تھی، جب معرفت ہو گئی تو محبت پیدا ہو گئی۔ اب اپنے محبوب پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے۔ یہی حال اللہ کا ہے، جب تک اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوگی محبت پیدا نہ ہوگی اور جب تک محبت پیدا نہ ہوگی اس وقت تک اللہ کے لیے کسی کام کو کرنا اور نہ کرنا آسان نہ ہوگا اور اللہ کی معرفت اہلِ معرفت کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے اور ان سے تعلق پیدا کرنے سے آئے گی۔ چناں چہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا ہے اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا [۱۳] (وہ بڑی رحمت والا، سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو) یعنی رحمٰن کی عظمت کو ہر شخص کیا جانے اس کا علم تو باخبر لوگوں کو ہی ہے، ایسے ہی باخبر کے ذریعے اس کی معرفت و محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر یہ راہ بڑی پُر پیچ، مشکل اور کٹھن ہے، ہر قدم پر بھٹکنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے اس لیے کسی "باخبر" سے تعلق پیدا کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی باخبر بنے۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

تیرے محبوب (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں

فرمایا: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ [۱۴]

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز پڑھو جیسا کہ تم دیکھتے ہو مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے۔ اس فرمانِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کما میں کاف لگا ہوا ہے یہ نقالی

---

[۱۳] الفرقان:۵۹

[۱۴] صحیح البخاری:۸۸/۱ (۶۳۵)، باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ، المکتبۃ المظہریۃ

کے واسطے ہے، یعنی میری نماز جیسی نقل کرو، ورنہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز کہاں ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی نقل کرنے والوں کو بھی محبوب رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جو جادوگر آئے ہوئے تھے وہ وضع قطع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل کیے ہوئے تھے، چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ یہ لوگ ہمارے محبوب جیسی شکل اور وضع قطع بنائے ہوئے ہیں اور میں ان کو عذاب دوں۔ چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کو ایمان کی دولت سے نواز دیا۔

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

جو دل پہ ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں

فرمایا: حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مراد آبادی درسِ بخاری شریف میں مصروف تھے۔ ایک مولوی صاحب نواب رامپور کے مقرب تھے، وہ بھی مجلس میں حاضر تھے۔ درمیان میں عرض کرنے لگے کہ حضرت! نواب رامپور نے مجھ سے کہا ہے کہ شاہ صاحب کو میرے یہاں لاؤ میں ایک لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کروں گا۔

حضرت کی روحِ مبارک اس وقت حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے استحضار کے ساتھ ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح سے پُر کیف تھی، بڑی مملکت کے سفیر کی بھی عظمت ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکم الحاکمین کے سفیر ورسول ہیں اور سید الرسل ہیں، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ان کے عاشقین ہی جانتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کو جواب دیا کہ ایک لاکھ روپے پر ڈالو خاک اور میری بات کو غور سے سنو کہ میں اس وقت کیا کہہ رہا ہوں۔ پھر مست ہو کر یہ شعر پڑھا۔

جو دل پہ ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

میرا ایک شعر اسی مضمون کا ہے ؎

دل کی گہرائی سے ان کا نام جب لیتا ہوں میں
چومتی ہے میرے قدموں کو بہارِ کائنات

(اختؔر)

جب تک محبت کا پیٹرول نہ ہو

فرمایا: آج کتابوں اور کتب خانوں کی کمی نہیں ہے۔ جدھر دیکھو کتابیں اور کتب خانے موجود ہیں، معلومات بھی لوگوں کو بہت ہیں لیکن عمل کا اہتمام اور فکر نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اندر وہ طاقت نہیں ہے جس سے انسان میں عمل کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ موٹر کیسے چل سکتی ہے اگر اندر پیٹرول نہ ہو؟ عمل کی گاڑی بھی اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک کہ اندر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا پیٹرول نہ ہو، اجرِ آخرت کا یقین نہ ہو۔ اگر اندر محبت ہو اور اجرِ آخرت کا یقین ہو تو ہر عمل آسان ہو جاتا ہے۔ دنیا والوں کو دیکھو کہ ان کے لیے دولت کی اُمید میں مشکل سے مشکل کام کس طرح آسان ہو جاتا ہے اور ناممکن سے ناممکن عمل کیوں کر ممکن بن جاتا ہے۔ ایسے موقع پر تو سارے اعذار اور موانع ختم ہو جاتے ہیں اور جسم کے اندر قوت وطاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

❁❁❁❁

نقشِ قدم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے مِلاتے ہیں سُنّت کے راستے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت

محبت ہو خدا کی یا نبی کی
کوئی سیکھے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لہو سے

(مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ)

۱۹۷۷ء میں بمبئی میں آل انڈیا کانفرنس تحفظ ناموس صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم منعقد ہوئی تھی۔ محترم حکیم صاحب حیدر آباد سے پاکستان واپس ہوتے ہوئے بمبئی کی اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے اور ایک اجلاس کی صدارت بھی فرمائی تھی۔اس موقع پر حکیم صاحب مدظلہٗ نے جو مقالہ پیش فرمایا تھا اسے ہم ذیل میں اس لیے نقل کررہے ہیں کہ حکیم صاحب نے حیدرآباد کے مذاکرات اور وعظ میں ''عظمتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم'' پر بھی اظہارِ خیال فرمایا تھا اور اس مقالہ میں تقریباًوہ تمام باتیں آگئی ہیں۔(مرتّب)

محترم حاضرین!

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت وعظمت اور تحفظِ ناموس کے اس مبارک اجتماع میں آج احقر اپنی شرکت کو انتہائی سعادت سمجھتا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جن قربانیوں کی بدولت ہم تک ایمان اور اسلام پہنچا ہے قیامت تک اہلِ ایمان کا اسلام کے لیے ان کا شکریہ ادا کرنا اور ان کے ارفع درجات کے لیے دعا گو رہنا عین احسان شناسی اور عین سعادت ہوگی۔ آپ حضرات کے سامنے قبل اس کے کہ میں عظمتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مشتمل اپنا مقالہ پیش کروں بطورِ نذرانۂ عقیدت خدائے تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں اور دیوانوں کی شان میں تین اشعار پیش کرتا ہوں۔

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تابہ منزل صرف دیوانے گئے

مستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہوکے تیرے دیوانے گئے

آہ کو نسبت ہے کچھ عشاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے

احقر کے مزید چند اشعار سماعت فرمائیے۔

گرہ رازِ شریعت کھولتی ہے
زبانِ عشق جب کچھ بولتی ہے
خرد ہے محو حیرت اُس زباں سے
بیاں کرتی ہے جو آہ و فغاں سے
لغت تعبیر کرتی ہے معانی
محبت دل کی کہتی ہے کہانی
کہاں پاؤ گے صدریٰ بازغہ میں
نہاں جو غم ہے دل کے حاشیہ میں

آہ سے راز چھپایا نہ گیا
منہ سے نکلی مرے مضطر ہو کر
چشمِ نم سے جو چھلک جاتے ہیں
ہیں فلک پر وہی اختر ہو کر

اب مقالہ پیش ہے:

سامعینِ کرام! احقر کا یہ مقالہ بعنوان ”عظمتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم“ تین عنوانات پر مشتمل ہے:

۱) عظمتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن کریم کی روشنی میں۔
۲) عظمتِ صحابۂ رضی اللہ تعالیٰ عنہم احادیثِ پاک کی روشنی میں۔
۳) عظمتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ائمۂ کرام ومشائخِ عظام کے ارشادات کی روشنی میں۔

عظمتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ [۱۵]

صراطِ مستقیم کی تفسیر صراط القراٰن یا صراط اللہ یا صراط الرسول سے نہیں فرمائی۔ اس لیے لوگ اس کی تعیین میں اختلاف کرتے ہیں لہٰذا حق تعالیٰ نے صراط مستقیم کی تفسیر صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ سے فرمائی، یعنی صراطِ مستقیم منعم علیہم کی جماعت کا راستہ ہے۔ یہی جماعت صراط مستقیم کی تعیین کرے گی۔ جس طرح کتاب اللہ کو بدون سنتِ رسول اللہ سمجھنا محال ہے اسی طرح سنتِ رسول اللہ کو بدون واسطۂ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمجھنا محال ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا [۱۶]

يُشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ پر يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ کا عطف تفسیری ہے یعنی رسول اللہ کی سبیل کی تعیین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اپنے قول و عمل سے کرے گی ان کے راستے سے انحراف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے انحراف ہوگا اور موجبِ جہنم ہوگا:

كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ [۱۷]

اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ فرما کر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع کو واجب اور ان کے طریق کو لوگوں کے لیے حجت قرار دے دیا۔

حاضرینِ کرام! اسلام عہدِ رسالت میں ان ہی دیوانوں سے پھیلا جنھوں نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اپنی جان، مال، عزت سب کچھ لٹا دیا اور سخت سے سخت آزمایش کے مقابلے میں آگے بڑھتے رہے۔

۱۵؎ الفاتحۃ:۵،۶

۱۶؎ النسآء:۱۱۵

۱۷؎ اٰل عمرٰن:۱۱۰

منڈلائے ہوئے جب ہر جانب طوفاں ہی طوفاں ہوتے ہیں
دیوانے کچھ آگے بڑھتے ہیں اور دست و گریباں ہوتے ہیں

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اور ان کا شرف خود ان کے لفظ صحابی سے نمایاں ہے کہ انہوں نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور جس ذات گرامی پر قرآنِ پاک نازل ہوا ان ہی کی زبانِ مبارک سے قرآن پاک سنا اور اسی ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی فیضان صحبت سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نفوس کو براہِ راست تزکیہ کا شرف حاصل ہوا۔ جن کے معلم اور مربی اور مزکی براہ راست خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو پھر استاد کی بلندیٔ شانِ تربیت کا اثر شاگردوں پر کیا ہوگا۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم احادیثِ نبوی کی روشنی میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے قریب میری امّت کے بہت فرقے ہو جائیں گے لیکن نجات پانے والا وہ فرقہ ہوگا جو میرے اور میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے پر ہوگا۔ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ[18] میں وَاَصْحَابِیْ کا اضافہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے راستے کی وضاحت فرمادی، کہ میری سنت وہی ہوگی جس کی تعیین خلفائے راشدین کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ[19]

اس حدیث میں سُنَّتِیْ کے بعد سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ میری سنت صرف وہ ہوگی جس کی تعیین خلفائے راشدین کریں گے۔

مستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہو کر تیرے دیوانے گئے

---

[18] جامع الترمذی: ۹۲/۲، ۹۳، باب افتراق هذه الامة، ایچ ایم سعید
[19] جامع الترمذی: ۹۶/۲، باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة، ایچ ایم سعید

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہے تو تم یہ کہو لعنت ہو تمہارے اس شر پر۔[۲۰] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والا مستحقِ لعنت ہوتا ہے۔ اور لعنت کے معنیٰ عربی میں خدا کی رحمت سے دوری کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اے لوگو! میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو، خبردار! میرے بعد ان کو نشانۂ ملامت نہ بنانا جس نے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض رکھا اور جس نے ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو وہ عن قریب عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مت بُرا کہو میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو، اگر تم لوگوں میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرے تو ہمارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک کے نہ تو ایک مد کے صدقہ کے برابر پہنچ سکتا ہے اور نہ نصف مد کو۔ علامہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مد برابر ہے ایک سیر کے اور سب کا مفہوم عام ہے لعن طعن، اور ہر بُرائی پر۔

عظمتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ائمہ ومشائخ عظام کے اقوال کی روشنی میں

حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میکشش اندر طعنۂ پاکاں زند

(مولانا رومیؒ)

---

[۲۰] جامع الترمذی: ۲/۲۲۵، باب فی من سبّ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایچ ایم سعید

ترجمہ: جب حق تعالیٰ کسی کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں تو رسوائی سے قبل اس کے اندر پاک اور مقبول بندوں پر اعتراض کا میلان پیدا ہوتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اک صحابی سے بھی ہے گر سوئے ظن
ہے وہ بے شک لائقِ گردن زدن

اب اس وقت آپ کے سامنے جو اقوالِ اکابر پیش کیے جارہے ہیں وہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مقامِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم" سے اقتباس ہیں۔ حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اپنے مکتوبات میں نقل فرمایا ہے کہ "جو شخص صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کو بھی خواہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں بُرا کہے تو اگر کفر و فحش کا الزام لگائے تو اس کو قتل کیا جائے اس کے علاوہ اگر گالیوں میں سے کوئی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی صحابی رضی اللہ عنہ پر عیب یا نقص کا الزام لگائے تو اس پر شرعی سزا واجب ہے۔

اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کے اسلام کو مشکوک سمجھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسے شخص کو دینِ اسلام پر تم ایک تہمت سمجھو۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابوزرعہ عراقی فرماتے ہیں کہ تم کسی کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کررہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شخص زندیق ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حق ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ حق ہے، اور ہم تک یہ سب حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے پہنچا، پس جس نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مجروح کیا اور عیب دار قرار دیا بے شک وہ شخص کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے پس اس

نالائق کو زندیق اور گمراہ قرار دینا زیادہ احق اور اقوم ہے۔

علامہ حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ[۲۱]

علامہ موصوف اپنی کتاب "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول" میں فرماتے ہیں کہ رضائے الٰہی اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ ہے۔ اسی سے اپنی رضا کا اعلان فرمائیں گے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ آخری عمر تک موجبات رضا کو پورا کرے گا، اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے پھر کبھی اس سے ناراض نہیں ہوتا، پس حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قلب وزبان کو صاف رکھنا واجب ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی صحابی کو بُرا کہتا ہے وہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی گرفت میں آجاتا ہے لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (تاکہ کفار کو غیظ وغضب میں مبتلا کردے)۔ پس صحابی سے غیظ وغضب کفار کی علامت قرار دی گئی ہے۔

اور پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پورا رکوع سورۂ محمد سے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ[۲۲] تک تلاوت کیا۔

علامہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ابن کثیر میں فرماتے ہیں کہ ہلاکت ہو اس شخص کو جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کسی ایک کے ساتھ بغض رکھے یا ان کو بُرا کہے، ایسے لوگوں کا کس طرح قرآن پر ایمان ہے کہ یہ لوگ ایسے محترم حضرات کو بُرا کہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوچکا اور قرآن میں اس رضا کا اعلان فرماچکا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔

احقر کا شعر ہے ؎

---

[۲۱] المآئدۃ:۱۱۹

[۲۲] الفتح:۲۹

خدا راضی ہوا جن سے کلام اللہ میں اخترؔ

ان ہی سے بعض ناداں بے سبب ناراض رہتے ہیں

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۰﴾ [۲۳]

ان آیاتِ قرآنیہ کے پیشِ نظر جملہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے استغفار کرنا سب مسلمانوں کے لیے حکم الٰہی ہے اور ان سے کینہ نہ پیدا ہونے کی دعا کا حکم صاف یہ بتارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے آنے والے فتنوں کا علاج اپنے بندوں کو چودہ سو سال پہلے بتادیا تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ان آیات کے پیش نظر اس شخص کا اسلام میں کوئی مقام نہیں جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت نہ رکھے یا ان کے لیے دعا نہ کرے اور ان سے کینہ پیدا ہونے سے پناہ نہ مانگتا رہے، احقر عرض کرتا ہے کہ ایسا لٹریچر جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بدگمانی پیدا کرتا ہو اس قابل ہے کہ اس کو جلادیا جائے۔

حضرت علامہ حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں کسی کو اپنے ہاتھ سے کوڑے نہیں مارے سوائے اس مجرم کے جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کچھ بُرائی کی تھی۔ اس نالائق کو خود اپنے ہاتھ سے کوڑے مارے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ہمیشہ خیر ہی سے کرنا چاہیے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے والا شیعہ ہے۔

۲۳؎ الحشر: ۱۰

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر دی گئی کہ فلاں شخص مقداد ابنِ اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُرا کہتا ہے تو آپ نے غیظ و غضب کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں اس نالائق کی زبان کاٹوں گا تاکہ آیندہ وہ نالائق کسی صحابی کو بُرا کہنے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔

حضرت علامہ ابنِ عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام سے بڑھ کر اور کون سا دل ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور محبت کے لیے چن لیا ہو۔

اب ان قرآنی دلائل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح اور واضح احکام اور ارشادات کے باوجود اور امت کے اکابر ائمۂ دین کی ہدایات کے باوجود کسی کا دل یا زبان یا اس کا قلم حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر جرأت اختیار کرتا ہے تو ہم اس کی ہدایت کے لیے سوائے دعا کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گالیوں کا جواب ہمیشہ دعاؤں سے دیا ہے۔ ایک بزرگ مولانا محمد احمد صاحب الٰہ آبادی جو حضرت مولانا فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کی نہایت محترم ہستی ہیں فرماتے ہیں۔

مجھ کو جی بھر کے ستا لیں شوق سے
میں نہ کھولوں گا خلافِ حق زباں

ابھی ابھی ایک قطعہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں اسی اسٹیج پر موزوں ہوا جس کو پڑھ کر یہ مقالہ ختم کرتا ہوں۔

خدا خود جن کو دے اپنی رضامندی کا پروانہ
گھڑا کرتے ہیں کچھ ناداں ان ہی پر اپنا افسانہ

خدا کی رائے سے بھی منحرف تو ہے معاذ اللہ
میں کہہ دوں کیوں نہ اے ظالم خدا سے تجھ کو بیگانہ

عبادت وریاضت

نماز پڑھنا قیام کرنا رکوع کرنا سجود کرنا

کبھی کھڑے ہوکے گاہ جھک کر زمیں پہ ماتھا ٹکا کر

اگر ہوں اعمال اپنے اچھے بری نہیں تب یہ زندگانی

فرشتے اعمال نیک والے نکال لیں گے بچا بچا کر

(علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ)

روزی، ملازمت اور نماز

فرمایا: ایک صاحب سے کہا گیا کہ بھائی! نماز پڑھو۔ تو وہ کہنے لگے، بھائی! عبادت تو ٹھیک ہے مگر روزی کمانا تو فرض ہے۔ اس نے روزی کو سب سے بڑا فرض قرار دیا۔ حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کَسْبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ[۲۴] حلال روزی کمانا فرض تو ہے مگر ہماری عبادت کے بعد اس کا نمبر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو فیصلہ یہ ہے اور آج یہ ہے کہ اگر مل مالک کہہ دے کہ بھائی! ظہر کی نماز نہ پڑھنا، ڈیوٹی میں ہیں آپ، تنخواہ مجھ سے لیتے ہیں، اللہ میاں تو تنخواہ نہیں دیتے، پڑھنا ہے تو گھر میں پڑھیے گا عصر کے وقت جب چھٹی ہو جائے گی، اس وقت ڈیوٹی پر ہیں آپ، ورنہ یہ کیسے ہو گا کہ تنخواہ آپ مجھ سے لیں اور کام اللہ میاں کا کریں، شرعاً یہ کیسے جائز ہو گا؟

تو اس کا جواب یہ دینا چاہیے کہ تمہاری ایسی نوکری نہیں چاہیے، جہاں مجھے نماز کا بھی ٹائم نہ ملے۔ پہلے اللہ کا حق ہے پھر تمہارا حق ہے۔ جو شخص ایسی شرط لگائے نماز نہ پڑھنے کی اس کے ایمان کا میں کیا فیصلہ کروں۔ مگر ایسے شخص کے پاس ایک مسلمان کی ملازمت بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ چار سنت اور فرض پڑھ لو بس نفلیں اور تلاوت نہ کرو کہ آپ تسبیح لے کر بیٹھ گئے اور ایک ایک گھنٹہ لگا دیں۔ فرض و سنتِ مؤکدہ پڑھ لیں اور بس۔ مگر جب سہولت اور فرصت ہو تو نوافل وغیرہ کا بھی اہتمام کریں۔

جماعت کو چھوڑنے والا حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی نگاہ میں

فرمایا: میرے بھائی! جس چیز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے اس سے رک جاؤ اور جس کام کا حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز پڑھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

[۲۴] شعب الایمان للبیہقی: ۱۱/۱۷۵(۸۳۶۷)، مکتبۃ الرشد

بتایئے رحمۃ للعالمین کا کام آگ لگانا ہے! معلوم ہوا کہ معاملہ بہت اہم ہے۔ ترکِ جماعت بہت بڑا جرم ہے۔ہاں کبھی کبھار اگر غلطی سے جماعت چھوٹ گئی تو خدا سے معافی مانگ لیجیے۔ اگر کبھی آپ کے محلہ کی مسجد میں جماعت ہو جائے اور آپ کو نہ ملے تو گھر جا کر اپنی بیوی سے کہیے۔ وضو کر کے نماز کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ان کو پیچھے کھڑا کیجیے، آزو بازو نہیں ورنہ نماز ہی نہیں ہو گی۔ یہ نہ سوچئے کہ وہ تو میری بیوی ہے چاہے اکیلے ہی کیوں نہ ہوں۔ اس طرح نماز اور جماعت کی پابندی کیجیے۔

کم و کیف کا فرق

فرمایا: بھائیو! کسی کو بہت زیادہ عبادت کرتے دیکھ کر اور کسی کی کم عبادت دیکھ کر کوئی فیصلہ نہ کرو۔ یقیناً کمیت میں وزن ہے، مگر کیفیت میں جب اضافہ ہو جائے اسی کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ جب کوئی چلتی ریل کو دیکھ کر ٹھہرے ہوئے ہوائی جہاز کے بارے میں کہے کہ یہ تو رکا ہے، یہ کیا اور کب منزل پر پہنچے گا؟ ایسا نہیں ہے۔ ریل چلتی بھی رہے اور جہاز رکا بھی رہے، مگر جیسے ہی جہاز پرواز کرے گا آناً فاناً کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا۔ ابھی یہاں ہے، ابھی جدہ میں ہے، ریل وہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتی ہے۔

خوش حال کون ہے؟

فرمایا: عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خوش حال وہ ہے جس کے پاس عالی شان بلڈنگ ہو، کار ہو، گھر میں آرائش وزیبائش کی حسین سے حسین تر اور نازک سے نازک تر اشیاء موجود ہوں۔

لیکن بھائیو! سچ پوچھو تو یہ مادّی چیزیں اور ان کی کثرت اور فراوانی میں خوشحالی کا راز پوشیدہ نہیں ہے۔ خوش حال تو اصل میں وہ ہے جس کے اعمال اچھے ہوں خواہ وہ جھونپڑی میں رہتا ہو، روکھی پھیکی کھاتا ہو، پھٹے پرانے پہنتا ہو۔ معلوم ہوا کہ خوشحالی کا معیار "مال" نہیں "اعمال" ہے۔ جس کے اعمال جتنے اچھے ہوں اتنا ہی وہ خوش حال ہے جتنے برے ہوں اتنا ہی وہ مفلوک الحال ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ کی رضا کے سائے میں جی رہا ہے وہ بادشاہوں سے افضل ہے اور اس کی یہ گھڑیاں نہایت مبارک و مسعود ہیں، اور جو شخص گناہ میں اور خدا کے قہر وغضب میں جی رہا ہے وہ نہایت مفلوک الحال اور پریشان ہے اور اس کے یہ اوقات حد درجہ منحوس ہیں۔

تری رحمت کا ہے سب کو سہارا

فرمایا: بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے دو سو سال تک عبادت کی۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نے اس سے پوچھا کہ کس چیز سے بخشے جاؤ گے۔ اپنی عبادت سے، یا اللہ کی رحمت سے؟ اس نے کہا عبادت سے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو فرشتے اسے دوزخ کے قریب سے لے جا رہے تھے، اسے دوزخ کی آگ کی لپیٹ سے سخت پیاس لگی، ایک پیالہ پانی طلب کیا۔ فرشتے نے کہا: جانتے ہو یہاں ایک پیالہ پانی کی قیمت کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں معلوم۔ فرشتے نے کہا دو سو سال کی عبادت۔ وہ آدمی گھبرایا اور فکر لاحق ہوئی کہ جب دو سو سال کی عبادت صرف ایک پیالہ پانی کی خرید ہی میں ختم ہو جائے گی تو جنّت میں جانے کے لیے میرے پاس کیا باقی رہے گا؟ وہ شخص اضطراب اور تشویش کے اسی عالم میں تھا کہ فرشتے نے کہا "تم نے تو کہا تھا کہ میری مغفرت دو سو سالہ عبادت کی وجہ سے ہو گی۔ اب بتاؤ کیا حال ہو گا! جبکہ تم نے دنیا میں کتنے پیالے پانی پیے بلکہ تالاب اپنے پیٹ میں انڈیل لیا، اس کے علاوہ اللہ کی بے شمار نعمتوں سے تم نے استفادہ کیا۔ اگر اپنی عبادت سے اللہ کی جنت یا مغفرت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو بتاؤ تمہاری یہ دو سو سالہ عبادت کافی ہو گی؟ ہر گز نہیں۔ فرشتے کی اس تنبیہ سے اسے توجہ ہو گئی اور اسے یقین آ گیا کہ بے شک کوئی شخص اپنی عبادت سے بخشا نہیں جائے گا بلکہ اللہ کی رحمت ہی مغفرت کا پروانہ دے سکتی ہے۔ اور یہی رحمت سب سے بڑا سہارا ہے اور میری بخشش بھی اللہ کی رحمت ہی سے ہو سکتی ہے۔

میرے بھائیو! آپ ضرور عبادت کریں، اوراد و وظائف کا اہتمام کریں مگر یہ چیزیں آپ کے اندر غرّہ پیدا نہ کریں، بلکہ ڈرتے رہیں، متواضع بنیں اور ہمیشہ اللہ کی

رحمت کے طلب گار بنیں اور اپنے اندر وہ استحقاق پیدا کریں جس سے اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ اللہ کے الطاف تو سب پر عام ہیں مگر اس کے لیے اپنے اندر بھی کچھ قابلیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ بقول شاعر ؎

اس کے الطاف تو عام ہیں سب پر شہیدیؔ لیکن
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

بادشاہی میں فقیری

فرمایا: لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دینداری صرف علماء کے لیے ہے، دنیاداروں کے لیے نہیں ہے۔ درانحالیکہ بات ایسی نہیں ہے۔ دین پر عمل کرنا جیسے ایک عالم کے لیے ضروری ہے ویسے ہی عام انسانوں پر بھی لازم ہے۔ جس طرح غریب پر لازم ہے، اسی طرح مال دار اور بادشاہوں پر فرض ہے۔ آج ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ تھوڑی سی دولت آئی تو "دینداری" نکل گئی اور اپنے کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو پتا چلے گا کہ تخت و تاج کے مالک ہونے کے باوجود خدا کے محبوب بندوں نے خدا سے رشتہ توڑا نہیں بلکہ جوڑا ہے۔ اصل میں خدا سے لو اور تعلق ہو اور اس کی محبت دل میں رچی بسی ہو تو شاہی ہو یا فقیری ہر حال میں ایک انسان خدا سے جڑا رہتا ہے۔

فرمایا: حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا جب آخری وقت آیا تو آپ نے وصیت فرمائی میری نمازِ جنازہ وہ پڑھائے جس کی تہجد کی نماز بھی قضا نہ ہوئی ہو۔

جب جنازہ تیار ہو گیا تو ہر شخص ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگا، کوئی بھی اس شرط پر پورا نہیں اتر رہا تھا، آخر مجبور ہو کر سلطان شمس الدین التمش آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ کہنے لگے: آج شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مخلوق کے درمیان لا کر رسوا کر دیا۔ میں نے حضرت سے درخواست کی تھی کہ میرا حال لوگوں سے چھپائیں گے۔

بھائیو! آپ نے دیکھا، ہندوستان کے تخت و تاج کے مالک ہیں اور دینداری کا یہ عالم ہے۔ فرائض ہی نہیں، تہجد تک کبھی قضا نہیں کی۔ اسی کو بادشاہی میں فقیری کہتے ہیں۔

خونِ جگر کے بغیر

فرمایا: دنیا کی کسی قیمتی چیز کو حاصل کرنے کے لیے کتنی محنت مشقت اٹھانی پڑتی ہے، کتنی قربانیاں دینی پڑتی ہیں، ٹھیک اسی طرح خدا کو پانے کے لیے بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ محنت و مشقت اٹھانی پڑتی ہیں۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
عشق ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

مجاہدہ اور قربانی

فرمایا: حضرت ابراہیم ابنِ ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیے، خدا کے لیے انہوں نے بادشاہت چھوڑ دی، اور پھر فقیری اختیار کی تو کس شان کی؟ آج ہم آپ خدا کو پانا تو چاہتے ہیں مگر کچھ قربان نہیں کرنا چاہتے۔ یاد رکھیے خدا کو پانے کے لیے مال، عیش و آرام اور ہر طرح کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ بقول شاعر

توڑ ڈالے مہ و خورشید ہزاروں ہم نے
تب کہیں جا کے دکھایا رخِ زیبا تو نے

صرف ایک بات

فرمایا: بھائیو! صرف آپ ایک بات یاد رکھیے کہ قبر میں میرا کیا حال ہوگا؟ یہی بات آپ کو راہِ راست پر لانے کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ خیال ہر وقت رہے تو شادی کی رات بھی فجر کی نماز نہیں چھوٹ سکتی ہے ہمیشہ یاد رکھیے اور اس تعلق سے متفکر رہیے کہ قبر میں ہمارا کیا حال ہوگا؟

مسلّح ہو کر نکلو

فرمایا: حضرت ہردوئی دامت برکاتہم (مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ) فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ وضو مومن کا ہتھیار ہے، اس سے مسلّح ہو

کر نکلو، اس سے بد نگاہی اور دوسری چیزوں سے حفاظت ہوگی، شیطان جب تم کو مسلّح دیکھے گا تو اسے تمہارے نزدیک آنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ وہ تو دور ہی سے بھاگ کھڑا ہوگا۔ فرمایا: اس لیے ہم لوگوں کو مسلّح نکلنا چاہیے، اس کے فائدے ان شاء اللہ! آپ خود محسوس کریں گے۔

نماز کس طرح پڑھیں

فرمایا: آج کل ہم لوگ جب نماز پڑھتے ہیں تو صرف اعضاء وہاں حاضر رہتے ہیں۔ دل تو دوکانوں اور بازاروں میں گھوما کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم لوگوں کو نماز کی حلاوت نصیب نہیں ہوتی ہے۔ جس وقت اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھتے ہیں، بس اب دل ہی دل میں گھر کے سارے انتظامات سوچے جارہے ہیں کہ اتنا آٹا لانا ہے، اتنا تیل لانا ہے۔ غرضیکہ ساری نماز اسی حالت میں گزر جاتی ہے کہ دل بازاروں اور دوکانوں پر تفریح کیا کرتا ہے۔

بھائیو! جس وقت نماز کے لیے نیت باندھی جائے اس وقت ہمہ تن اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب متوجہ ہوجانا چاہیے۔ ہر قسم کی فکر اور خیالات سے دل کو الگ کرکے کھڑا ہونا چاہیے۔ پھر دل میں خیال کیا جائے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، نہایت ہی تواضع اور انکساری کے ساتھ نیت باندھ کر ثنا پڑھنے کے بعد قراءت کرنے کے ساتھ ساتھ معانی پر بھی دھیان رکھا جائے۔ اس کے بعد دل میں خیال کرتے ہوئے کہ میں اپنے پاک پروردگار کے سامنے جھک رہا ہوں وہ میری ظاہری اور باطنی حالت سے خوب واقف ہیں۔ اس کے بعد بہت ہی دل کو متوجہ کرکے سبحان ربی العظیم پڑھا جائے۔ اس کے بعد دل میں یہ خیال کرنا کہ اب میں اپنے پاک پروردگار کے سامنے سر کو زمین پر رکھنے جارہا ہوں۔ نہایت عظمت کے ساتھ سر کو خاک پر رکھ دے، پھر پڑھے سبحان ربی الاعلیٰ کہ پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے رب کی جو کہ بلند ہے۔ اس لذتِ سجدہ کو کون بیان کرسکتا ہے جو اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ کیا ہی خوش نصیب گھڑی ہوتی ہے کہ سر اللہ تعالیٰ کے قدموں پر ہوتا ہے۔

سبحان ربی الاعلیٰ میں رب کے ساتھ جو ''ی'' لگی ہوئی ہے اس سے مزہ کیوں نہیں حاصل کرتے ہو۔ یعنی پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے رب کی جو کہ بلند مرتبہ والا ہے یہ جو رب کے ساتھ ''ی'' لگی ہوئی ہے ایک صاحب دل کے لیے اس کے اندر خوشی ومسرت کا ایک خزانہ چھپا ہوا ہے۔ جس طرح بچہ اپنے باپ سے پیسے مانگتا ہے کہ ابا جان! پیسے دے دیجیے۔ اس کا ابا غور نہیں کرتا ہے۔ پھر وہ بچہ اسی طرح مانگتا ہے، پھر اس کا باپ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ لیکن جب وہی لڑکا کہتا ہے کہ اے میرے ابا، تو فوراً رحم آگیا۔ تو کیا اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو اے میرے ربا کہہ کر پکارا جائے تو کیا وہ متوجہ نہیں ہوگا؟ جبکہ اس دنیا کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بٹا سو محبت بھیجی ہے۔ اس کا تو یہ عالم ہے کہ جب بچہ میرے ابا کہہ کر پکارتا ہے تو فوراً باپ کا دل نرم ہو جاتا ہے تو جس کے پاس ننانوے حصہ محبت زیادہ ہے اس کا کیا عالم ہوگا؟

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کرتے تھے کہ میاں اشرف علی! جب میں سجدہ کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیار کرلیا۔

نماز میں قلب کی حاضری.....ایک مثال

فرمایا: جس طرح آج کل ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں ایک مثال سے فیصلہ کرلیں کہ ہم کو کتنے نمبر ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر سمجھ لیجیے کہ ایک تھانہ ہے جس کے اندر تمام پولیس اور داروغہ ملازم ہیں اور کسی دن تھانہ میں اطلاع کروادی جائے کہ فلاں دن آپ کے تھانہ کا معاینہ ہوگا۔ سب انتظام کرلو، پھر جب وہ دن آئے تو بڑا افسر معاینہ کرنے کے لیے تھانہ جائے، وہاں ہر قسم کا انتظام ہو اور تمام چپڑاسی اور پولیس حاضر ہوں، مگر جو بڑا داروغہ ہو وہ کہیں شکار کرنے کے لیے چلا جائے تو بتایئے کہ یہ افسر ان تھانہ والوں کو کچھ نمبر دے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان سب کو معطل کردیا جائے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اصل تھا یعنی بڑا داروغہ وہی غیر حاضر ہے۔ اسی طرح جب ہم اور آپ نماز پڑھتے ہیں تو سب چپڑاسی اور پولیس یعنی ہاتھ اور پیر تو حاضر رہتے ہیں مگر جو

اصل ہے بڑا داروغہ یعنی دل وہ دوکانوں اور بازاروں کی سیر و تفریح کرنے چلا جاتا ہے تو بتایئے ایسی نماز کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کتنے نمبر دیں گے۔ ہاں اگر داروغہ صاحب (یعنی دل) بہت بھاگتے ہیں تو ان کو پکڑ پکڑ کر لایا جائے کیوں کہ دار و مدار ان ہی پر ہے۔ اگر یہ غائب ہو جائیں گے تو تمام چپڑاسی اور پولیس یعنی ہاتھ، پیر، ناک، کان کی محنت بے کار ہو جائے گی۔ اس لیے عرض ہے کہ اگر نماز کے اندر بڑا داروغہ یعنی دل بھاگ جائے تو اس کو فوراً پکڑ کر لانا چاہیے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ عبدیت

فرمایا: حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے اپنی چھڑی کا نچلا حصہ قبلہ رور کھا ہو۔ اور مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے نوکر کو کبھی پیسہ زمین پر پھینک کر دیا ہو۔ اور مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی داہنے ہاتھ میں جوتا لیا ہو۔ اور مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی روپیہ بائیں ہاتھ میں لیا ہو۔

اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں جب کسی کو اس کی اصلاح کے لیے ڈانٹتا ہوں تو اس وقت میں اپنے کو بھنگی سمجھتا ہوں اور مخاطب کو شہزادہ سمجھتا ہوں۔ جس طرح کہ بادشاہ شاہزادوں کی تعلیم اور تادیب کے لیے جلّاد کو حکم دیتا ہے کہ اس کو درّے لگاؤ۔ لیکن جلّاد سے پوچھو کہ اس پر کیا گزرتی ہے، اس حکم سے کانپ جاتا ہے اور لرزہ بر اندام اس حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اور شاہزادوں کی تحقیر کا تو کیا وسوسہ آتا خود اپنی خیر مناتا رہتا ہے کہ بادشاہ کی نظر کہیں بدلی تو نہ جانے میرا کیا حال ہو گا۔

حضرت فرماتے تھے کہ کسی کو نصیحت کرنا اس وقت میں حرام ہے جس وقت کہ مخاطب کو حقیر سمجھ کر نصیحت کی جائے۔ عین اصلاح اور نصیحت کے وقت اپنے کو کمتر اور مخاطب کو اپنے سے افضل سمجھنا یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ اصلاح کا منصب بڑا نازک منصب ہے۔

معاشرت و معاملات

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیانہ کسی شاخِ گل پہ بار نہ ہو
(سحرؔ لکھنوی)

ناچیز ہیں ہم پھر بھی بڑی چیز ہیں ہم

فرمایا: بھائیو! لوگ آج کل یہ سمجھنے لگے، میلا کچیلا رہنا بزرگی کی علامت ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ یقیناً اسلام فخر و غرور کے لباس سے منع کرتا ہے، مگر یہ بھی نہیں کہتا کہ گندہ اور پراگندہ رہو۔ اسلام نے سادگی کی تعلیم دی ہے۔ گندگی کی نہیں۔

حدیث میں ہے: ''مومن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ نفس کو ذلیل کرے۔'' اس لیے ایسا کام نہ کرو جس سے لوگ ہنسیں یا نفرت کریں۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے سرکاری عہدے پر تھے، ایک دفعہ جب ان کا تبادلہ ہو گیا، تو جب وہ وہاں گئے تو کافی دیر تک سڑکوں پر بار بار گشت کرتے رہے، موٹر میں سب داڑھی ٹوپی والے ہی تھے۔ ایک شخص نے ان میں سے پوچھا، آج یہ بلاوجہ کیوں چکر لگا رہے ہیں، حضرت خواجہ نے جواب دیا، تاکہ یہ دنیادار لوگ جان لیں، دنیا صرف ان ہی کے پاس نہیں ہے۔ بلکہ مولویوں کے پاس بھی کار ہے آج کل ان کو لوگ حقیر سمجھتے ہیں۔ اپنے کو حقیر سمجھنا تو حکم شرعی ہے مگر حقیر کرنا یا دکھانا اور ذلیل کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں دعا ہے کہ اے خدا! مجھے میری نگاہ میں چھوٹا دکھا اور لوگوں کی نظر میں بڑا دکھا۔ خواجہ صاحب نے خوب فرمایا ہے۔

ناچیز ہیں ہم پھر بھی بڑی چیز ہیں ہم
دیتے ہیں کسی ہستیٔ مطلق کی خبر ہم

بزرگوں کے مختلف انداز

فرمایا: حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دار العلوم دیوبند کا مزاج سادہ تھا اور وہ سادگی پسند تھے۔ لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ رعب و وقار کے ساتھ رہتے تھے اور ہمیشہ قیمتی اور لباسِ فاخرہ استعمال فرماتے تھے۔ تو یہ بزرگی کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی (مگر گندگی نہیں) کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ آپ راستہ پر جا رہے تھے کہ ایک کپڑا بننے

والے نے ان کو بھی جولاہا سمجھ کر پوچھا۔ بھائی! آج سوت کیا حساب ہے؟ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ وہ کس قدر سادہ رہتے تھے! حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں کہا کہ بھائی! میں جولاہا نہیں ہوں۔ تاکہ کہیں اس طبقہ کی برائی یا حقارت کا پہلو نہ نکل آئے۔ فرمایا ”بھائی! آج میں بازار نہیں گیا ہوں۔“ بھائیو! دیکھیے، بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ کسی کی دل شکنی نہیں کرتے۔

بزرگی کا خود تراشیدہ معیار

فرمایا: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ معاملات کے بڑے پختہ اور کامل بزرگ تھے۔ آپ بھی حسبِ حیثیت صاف ستھرا اور باوقار رہتے تھے۔ ایک صاحب ایک دفعہ ان کے پاس گئے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر عمامہ نہیں تھا۔ اس نے اعتراض کیا۔ آپ نے برجستہ جواب دیا ”جنابِ والا نے بھی تو لنگی نہیں باندھ رکھی ہے۔“

فرمایا: بھائیو! اصل میں ایسا ہے کہ لوگ دوسروں ہی میں ساری خرابیوں کو تلاش کرتے ہیں اور اپنے کو نہیں دیکھتے۔ دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں اور خود پر نگاہ نہیں جاتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے پاس ایک صاحب آئے تھے اور پتا نہیں کیا کیا بزرگی کا معیار اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس نے جب حضرت کو نہایت عمدہ لباس میں دیکھا تو اعتراض کر بیٹھے کہ یہ تو سنت کے خلاف ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً جواب دیا۔ جی ہاں، مگر آں جناب بھی تو ”بوری“ نہیں پہنے ہوئے ہیں۔

تواضع

فرمایا: حدیث پاک میں ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ [۲۵]

یعنی جس نے تواضع اختیار کی اللہ کے لیے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرمائے گا۔ اور جس

۲۵ کنز العمال: ۳/۵۰ (۵۴۳۷)، مؤسسة الرسالة

نے بلندی اختیار کی اس کو اللہ تعالیٰ پستی میں ڈالے گا۔ آج کل ہم لوگوں کے اندر تواضع تو ہوتی ہے مگر وہ مخلوق کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ جہاں دیکھا کہ ہم سے بڑے لوگ ہیں خواہ وہ کسی بھی ذات سے تعلق رکھتے ہوں، مسلم ہوں یا غیر مسلم ان کے سامنے جھک جاتے ہیں، اور جہاں دیکھا کہ ذرا کچھ کمزور آدمی ہے خواہ وہ بے چارہ مسلم ہی کیوں نہ ہو اس کے سر پر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ حدیثِ پاک میں تو مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ فرمایا گیا ہے من تواضع للانسان تو فرمایا نہیں گیا۔ یہ جو اللہ پر لام داخل ہے یہ تخصیص کے واسطے ہے۔ یعنی جس نے تواضع اختیار کی اللہ ہی کے لیے اس کو اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ نہ کہ اس شخص کو جو بڑے لوگوں کے سامنے تواضع اختیار کرے اور کمزوروں کے اوپر ظلم کرے۔

اتحاد واتفاق کی بنیاد کیا ہے؟

مرتب عرض کرتا ہے: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی مسلمانوں کے اندر اوروں سے زیادہ سلطنت کرنے کی صفات موجود ہیں۔ مثلاً عدل وانصاف، ترحم وغیرہ۔ مگر بس کمی یہ ہے کہ ان میں نظم نہیں اور نظم نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں اتفاق اور اتحاد نہیں اور اتحاد واتفاق کی جڑ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب فرمائی، جس کی تمام عقلائے زمانہ کو بھی خبر نہیں، فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ اور بنیاد تواضع ہے۔ اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر نااتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیوں کہ نااتفاقی اسی سے تو پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہے اور اس سے بڑھنا چاہتا ہے، سبحان اللہ! کیا حقیقت ظاہر فرمائی ہے۔ اس پر ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا کہ تواضع کیوں کر پیدا ہو؟ فرمایا کہ تواضع اختیاری چیز ہے۔ دوسروں کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کرے خواہ نفس کو ناگوار ہو، بس اسی سے تواضع کی صفت پیدا ہو جائے گی۔ اگر یہ صفت بھی نہ پیدا ہو صرف عمل ہی تواضع کے خلاف نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ اب تو یہ ہے کہ کسی کو اپنا بڑا تسلیم کرنے میں عار آتی ہے، اور جب تک کسی کو

بڑا تسلیم نہ کرلیا جائے مرکزیت جو نظم کے لیے ضروری ہے قائم نہیں ہوسکتی۔ اور نہ مرکزی شخصیت ابھر سکتی ہے جو اولوالامر بن سکے۔

(معروضات مرتب ختم شد)

بدگمانی اور خوش گمانی

فرمایا: آج کل بدگمانی کی بیماری عام ہے اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ہمارے دینی مدارس بھی اس سے خالی نہیں رہے، عام حیثیت سے بھی اور ان مدارس میں بھی ایک دوسرے سے اعتماد اٹھتا جارہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی بدگمانی اور غلط فہمی ہے، اس لیے ہمیشہ ایک دوسرے سے ذہن صاف رکھنا چاہیے۔ خوش گمانی قائم رکھنی چاہیے اور بدگمانی کو راہ دینے والی کوئی بات سامنے آئے تو خلوص اور محبت کی فضا میں تحقیق کرلینی چاہیے۔ یاد رکھیے قیامت میں بدگمانی پر دلائل طلب کیے جائیں گے۔ خوش گمانی پر نہیں۔ اس لیے ایسا کام کیوں کیا جائے جس میں گرفت اور مواخذہ ہو اور وہ کام کیوں نہ کیا جائے جس میں چھوٹ اور آزادی ہو۔

آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

فرمایا: ایک دفعہ مرشدی حضرت مولانا محمد ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم وضو کرنے کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ ابھی وضو شروع ہی کیا تھا کہ آپ کی نظر چیونٹیوں کے سوراخ پر پڑی۔ کچھ چیونٹیاں وہاں پر رینگ بھی رہی تھیں۔ آپ وہاں سے اٹھ گئے کہ یہاں پانی گرنے کی وجہ سے چیونٹیوں کو تکلیف ہوگی۔ ان کے گھر میں پانی بھر جائے گا اور دوسری جگہ جاکر وضو فرمایا۔

ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خانہ کعبہ میں آرام کررہے تھے، ایک بلّی آئی اور ان کے دامن پر سوگئی۔ اسی اثنا میں اذان ہوئی۔ بزرگ نماز کے لیے اٹھے مگر اس طرح کہ اپنے دامن کے اس حصے کو کاٹ دیا جس پر بلی سورہی تھی تاکہ بلی کی نیند میں خلل نہ آئے۔

بھائیو! اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ معمولی اور حقیر جانور کا بھی دل نہیں دُکھاتے ہیں، پھر کسی انسان کا دل وہ کیسے دُکھا سکتے ہیں۔ ایسے لوگ انسان کے سچے ہمدرد اور صحیح معنیٰ میں غمخوار ہوتے ہیں۔ اپنے کو مشقت میں ڈال کر دوسروں کے لیے راحت کا سامان کرتے ہیں۔ آج یہ ہمدردی اور غم خواری رخصت ہوتی جارہی ہے۔ خود غرضی کی وبا عام ہوگئی ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

تو کز محنت دیگراں بے غمی

نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی اگر تو دوسروں کی پریشانی اور مصیبت سے بے فکر ہے اور اس کا کوئی اثر تم پر نہیں ہے تو ایسی صورت میں تمہارا نام آدمی نہیں رکھنا چاہیے۔ غالب نے ٹھیک ہی کہا تھا ؎

از بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پسندیدہ شعر ہے جسے وہ اکثر پڑھا کرتے تھے۔ اس شعر سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ والے کس احتیاط، اعتدال اور رعایت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ شعر یہ ہے ؎

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری

کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

(اضافہ از مرتب)

مومن کون؟

فرمایا: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ**[۲۶] یعنی کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں۔

---

[۲۶] صحیح البخاری: ۱/۶(۱۰)، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، المکتبۃ المظہریۃ

یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ مومن بن جانا محض اس کا نام نہیں ہے کہ ایک شخص چند مخصوص عقائد پر یقین کرلے اور کچھ متعین اعمال وارکان ادا کرے۔ بلکہ اسلامی شریعت اپنے ماننے والوں سے ایک ایسی زندگی کا تقاضا کرتی ہے جس کا حامل اگر ایک طرف عقائد واعمال کے لحاظ سے خدا کا حقیقی بندہ کہلانے کا مستحق ہو تو دوسری طرف وہ انسانیت کے ناطے سر تاپا امن وآشتی کا نمونہ اور حسنِ سلوک ومروّت کا مظہر ہو۔اور امانت ودیانت، امن وسلامتی اور محبت وہمدردی کی اس میں وہ اسپرٹ پیدا ہو جائے کہ دنیا کا ہر انسان اس کی طرف سے خوف وہراس میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے قلب میں سکون واطمینان کے دریا موجزن پائے، نیز خدا کی مخلوق جانے،اور ہر معاملے میں اس پر پورا اعتماد اور بھروسہ کرنے لگے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی مثال کھجور کے درخت سے دی ہے۔ یعنی جس طرح کھجور کا درخت تنا، پتا، پھل ہر اعتبار سے انسان کے لیے نفع بخش ہے۔ اسی طرح مومن اپنے پورے وجود کے اعتبار سے دوسروں کے لیے نفع بخش رہتا ہے۔ اس کی ذات سے کسی کو ضرر اور نقصان نہیں پہنچتا۔ ہر مومن کو چاہیے کہ وہ دیکھتا رہے، اس معیار پر پورا اتر رہا ہے یا نہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث ہے خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ کہ انسانوں میں بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔

مفلس کون؟

فرمایا: جب انسان کے اندر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ ہوگا تو وہ حق تلفی اور ظلم سے بچے گا۔ کیوں کہ آخرت میں اس کا بہت بُرا انجام ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو نہ کوئی سرمایہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امّت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے، زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی علتیں ہوں گی کہ فلاں کو گالی دی ہے، فلاں پر تہمت

لگائی ہے، فلاں کا مال کھایا ہے، فلاں کا خون بہایا ہے اور فلاں کو مارا ہے۔ پس اس کی بعض نیکیاں فلاں اور بعض نیکیاں فلاں کو دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس کی سب نیکیاں ختم ہو گئیں اور ادائیگی باقی رہی تو پھر ان سب کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

لہٰذا خدا کے حقوق ادا کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ بندوں کے حق کو نہ ماریں ورنہ یہ نماز، روزہ اور دوسرے نیک اعمال سب خطرے میں پڑ جائیں گے۔

ظلم سے بچو

فرمایا: کسی پر ظلم نہ کرو۔ مظلوم بن جانا اچھا ہے لیکن ظالم بننا بڑی خرابی کی بات ہے۔ اس سے دنیا بگڑتی ہے، آخرت برباد ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جس نے کسی مسلمان کا حق مار لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ واجب کی اور جنّت حرام کی۔ ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ! اگر معمولی چیز ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ ایک پیلو کی لکڑی ہو۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے بالشت بھر زمین غصب کی تو قیامت میں اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت میں حق والوں کو حق دلائے جائیں گے حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری کو سینگ والی بکری سے حق دلایا جائے گا۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مظلوم کی بد دعا سے بچا کرو کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

اخلاقی ہدایات

فرمایا: بھائیو! کسی کی غیبت نہ کرو۔ اگر کوئی تمہارے پاس کسی کی غیبت کرتا ہے تو یہ سمجھو کہ دوسرے کے سامنے وہ تمہاری بھی بُرائی بیان کر سکتا ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں سے ہوشیار رہو اور ان کی حوصلہ افزائی نہ کرو۔ اور جب وہ غیبت شروع

کرے تو روک دو یا بات کا رخ دوسری طرف موڑ دو۔ کسی کی ٹوہ میں بھی مت پڑا کرو۔ خود اپنے ہی عیوب کچھ کم ہیں کہ دوسروں کی فکر میں پڑو۔ یہاں کی بات وہاں اور وہاں کی بات یہاں جس کو لگائی بجھائی اور چغلی کہتے ہیں، اس سے بھی سخت احتراز کرو۔ آخر یہ کتنی بُری بات ہے کہ غیبت کی سوئی کوئی چبھنک رہا ہے اور چبھا تم رہے ہو۔

اسی طرح دورخاپن سے اجتناب کرو۔ یعنی جس کے سامنے گئے اس کی خوشامد اور چاپلوسی میں ویسی ہی بات کہہ دی تا کہ کچھ نفع اور تقرب حاصل ہو۔ ایسے دو چہرے والوں کے بارے میں حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ زبان پر وہ بات لاؤ جس کی تصدیق دل بھی کرے ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

(پیش کردہ مرتب)

ماں باپ، بھائی بہن، بیوی، استاد، شاگرد، اعزا واحباب، پڑوسی جس کسی کے بھی حقوق تم پر عائد ہوتے ہوں ان کی ادائیگی میں چاق و چوبند اور مستعد رہو، کسی کو شکایت کا موقع نہ دو۔ حقوق کی ادائیگی کے باوجود شکایت پیدا ہو رہی ہے تو معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔ کسی سے کچھ غلطی ہو جائے اور وہ معذرت کرے تو اس کی معذرت کو قبول کر لو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کوئی معافی مانگتا ہے تو میں فوراً معاف کر دیتا ہوں یہ سوچ کر کہ مجھے بھی تو اللہ تعالیٰ سے معاف کرانا ہے۔

ہمیشہ نرم رویہ اختیار کرو، لینت اور نرمی سے سخت آدمی کا دل بھی موم ہو جاتا ہے۔ جس آدمی سے ملو خندہ پیشانی کے ساتھ ملو، اس میں صدقہ کا ثواب ہے، شاعر نے بھی کہا ہے ؎

جھک کے ملنا بڑی کرامت ہے

مال وجاہ، عہدہ، علم، ہنر کسی بھی راہ سے عجب اور گھمنڈ نہ آئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جو چیزیں ہلاک اور برباد کرنے والی

ہیں ان میں سب سے زیادہ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ [۲۷] ہے۔ یعنی انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے، وہ خود بینی کا شکار ہو جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا کتنی حکیمانہ ہے جس میں آپ فرمایا کرتے تھے۔ ''یا اللہ! مجھے غیروں کی نظر میں تو بڑا بنا دے مگر اپنی نظر میں حقیر بنائے رکھ''۔ یہ دعا امّت کی تعلیم ہی کے لیے ہے۔ بہر حال تکبر کی راہ سے بچ کر تواضع کی صفت اختیار کرنی چاہیے۔

ملا جنہیں انہیں اُفتادگی سے اوج ملا
ان ہی نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

زندگی کے سفر کو نہایت احتیاط کے ساتھ طے کرنے کی ضرورت ہے۔

زندگی کی راہ میں چل لیکن ذرا بچ بچ کے چل
یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بارِ دوش ہے

(پیش کردہ مرتب)

بیوی اور گھر والوں سے حسنِ سلوک

فرمایا: بعض لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں، گھر میں آتے ہی گرجنا برسنا شروع کر دیتے ہیں۔ بیوی پر ان کے جو حقوق ہیں انہیں تو زور زبردستی کے ساتھ وصول کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن بیوی کے جو حقوق ان پر عائد کیے گئے ہیں ان سے بالکل بے نیاز ہوتے ہیں۔ خود باہر خوب اچھا اچھا کھاتے ہیں لیکن بیوی اور بچوں کو روکھی سوکھی پر ٹرخاتے رہتے ہیں۔ گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ سے پیش نہیں آتے۔ باہر دوستوں کی مجلس میں بڑے شریف اور پیکرِ اخلاق بنے رہتے ہیں، گھر میں داخل ہوتے ہی اپنے اخلاق کا جامہ باہر نکال کر آتے ہیں۔ یہ عمل ٹھیک نہیں ہے، اصلاح کی ضرورت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں انسان کے بہتر ہونے کا یہ معیار بیان فرمایا ہے کہ وہ بیوی، بچوں اور گھر والوں کے ساتھ اچھے

[۲۷] شعب الایمان للبیھقی: ۹/۳۹۶ (۶۸۶۵)، مکتبۃ الرشد

سلوک اور برتاؤ سے پیش آتا ہو۔ آپ اپنے کو دیکھتے رہیں کہ اس معیار پر کہاں تک پورے اترتے ہیں۔

کامل مسلمان

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ[۲۸]

یعنی کامل اور پکا مسلمان، اللہ کا بہت پیارا مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان سے اور اس کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہاں پر علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک علمی اشکال قائم کیا ہے کہ کیا پاؤں سے مارنے کی اجازت ہے کیوں کہ حدیث میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ زبان سے تکلیف نہ دو، اور ہاتھ سے تکلیف نہ دو، اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جو اعضا تکلیف پہنچانے میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں وہ صرف دو ہیں، زبان اور ہاتھ۔ لات کی نوبت تو بہت کم آتی ہے۔ تو جب کثیر الاستعمال (زیادہ استعمال ہونے والے) اعضا کو تکلیف پہنچانے سے حفاظت کی مشق ہو جائے گی تو پاؤں سے مارنے کی نوبت تو بہت کم آتی ہے، اس کا قابو میں کرنا تو بہت آسان ہو جائے گا۔

ایک ہندو نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب سے پوچھا تھا کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی ایذا رسانی سے صرف مسلمان بچے رہیں تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ غیر مسلموں یعنی ہندوؤں اور کافروں کو خوب ایذا پہنچائی جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں! چوں کہ مسلمان کا واسطہ کثرت سے مسلمانوں ہی سے پڑتا ہے، تو جب اکثر آپس میں ساتھ رہنے والے اپنے رہن سہن میں ایک دوسرے کو اذیت سے بچالیں گے تو ہندوؤں سے ملاقات اور لین دین تو کبھی کبھی ہوتی ہے۔ ان کو بدرجۂ اولیٰ مسلمانوں سے سلامتی رہے گی۔ جیسے دو برتن جو ساتھ رہتے ہیں جب ان میں کھٹ پٹ نہیں ہوتی تو جو برتن دور رہتے ہیں ان سے کیسے لڑائی ہو گی؟ البتہ حالتِ جہاد مستثنیٰ ہے۔ لیکن جب عام

[۲۸] صحیح البخاری: ۱/۶(۱۰)، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، المکتبۃ المظہریۃ

حالات میں غیر مسلم ان سے صلح کرلیں یا مسلمانوں کو نہ ستائیں تو بدرجۂ اولیٰ مسلمانوں کے زبان وہاتھ سے امن میں رہیں گے۔ کیوں کہ ان سے زیادہ معاملہ نہیں پڑتا۔ یہ جواب شیخ نے دیا جو مجھ سے نقل فرمایا۔

”آپ میری مرغیوں کو آٹھ بجے کھول دیجیے“

فرمایا: ایک دن حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت حکیم الامت کے بہت خاص خلیفہ تھے بتایا کہ ایک دفعہ پیرانی صاحبہ نے حضرت حکیم الامت سے فرمایا کہ میں کل ایک رشتہ داری میں جارہی ہوں آپ میری مرغیوں کو آٹھ بجے کھول دیجیے اور تھوڑا سا دانہ دے دیجیے اور پانی پلا دیجیے۔ اب حکیم الامت ڈیڑھ ہزار کتابوں کے مصنف وہ کیا جانیں مرغیوں کو کھولنا، دانہ پانی دینا۔ حضرت بھول گئے۔ خانقاہ میں آگئے۔ اندازاً ساٹھ خطوط روزانہ آتے تھے، ان میں بڑے بڑے علماء کے خطوط ہوتے تھے۔ اب جواب لکھنا چاہتے ہیں تو کوئی جواب نہیں آتا، تفسیر بیان القرآن لکھنا چاہتے ہیں تو کوئی مضمون نہیں آتا۔ قلم رک گیا، دل میں اندھیرا آرہا ہے۔ پھر اللہ سے روئے کہ اے اللہ! اشرف علی سے کیا غلطی ہوئی۔ آپ مجھے اس پر تنبیہ فرمادیں تاکہ میں اس سے توبہ کرلوں۔ دل میں آواز آئی کہ اے اشرف علی! حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق قوی ہوجاتا ہے تو دل میں آوازیں آنے لگتی ہیں کہ یہ کرلو، یہ نہ کرو۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

تو حضرت کو آواز آئی کہ تم نے میری ایک مخلوق کو بند کر رکھا ہے۔ مرغیاں گھبرا رہی ہیں، آٹھ کے بجائے نو بج چکے ہیں ایک گھنٹہ سے وہ بے چین ہیں، میری ایک مخلوق تمہاری وجہ سے تکلیف میں ہے پھر تم کو علوم کیسے دیے جائیں۔ ایسی حالت میں تم سے سرکاری کام کیسے لیا جائے گا۔ جاؤ جلدی سے مرغیوں کو کھولو۔ حضرت دوڑے، خانقاہ

سے جا کر مرغیوں کو کھولا اور جلدی سے دانہ دیا اور پانی پلایا، اور جب لوٹ کر آئے تو سارے علوم پھر جاری ہو گئے۔

دوستو! مرغیوں کو تکلیف پہنچ جانے کا یہ واقعہ سن رہے ہیں لیکن آج ہم نے بیویوں کو ستاستا کر ان کے ناک میں دم کر رکھا ہے تو بتایئے کس قدر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی وغضب ہم لوگ مول لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں سفارش نازل فرمائی ہے۔ قرآن پاک میں فرماتے ہیں وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[۲۹] اپنی بیویوں کے ساتھ تم بھلائی سے پیش آؤ۔

بیوی کو "جیب خرچ" دینے کا مسئلہ

فرمایا: حکیم الامّت نے کمالاتِ اشرفیہ میں ایک حق بیویوں کا یہ بھی لکھا ہے کہ ہر ماہ ان کو "جیب خرچ" دے دو اور پھر اس کا حساب نہ لو کہ تم نے کہاں خرچ کیا۔ اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے اسی اعتبار سے کچھ ماہانہ مقرر کر دیں۔ اگر دس ہزار روپے کی آمدنی ہے تو ایک روپیہ مت دیجیے پچاس روپے دے دیجیے، سو روپے دے دیجیے بلکہ زیادہ دیجیے اور دے کر بھول جایئے اور اس سے کہہ دیجیے کہ تم کو اختیار ہے جہاں چاہو خرچ کرو، اس کا حق ہے، اس کا میں کوئی حساب نہیں لوں گا، یہ ماہانہ "جیب خرچ" اس کا حق ہے، کیوں کہ وہ مجبور ہے کما نہیں سکتی، اس کا جی چاہتا ہے کہ میرا بھائی آیا ہے، غریب ہے اس کو ہدیہ دے دوں، اگر اس کے پاس کچھ نہ ہوگا تو کہاں سے دے گی۔ اس لیے اس کے جذبات وخواہشات کی رعایت ہے۔ ساری زندگی آپ کے ساتھ پابند ہے، رفیقۂ حیات ہے، آپ کے دروازے سے باہر نہیں جاسکتی، ساری زندگی تمہارا ساتھ دے رہی ہے اس لیے ہر طرح سے اس کی راحت وآرام کی رعایت ضروری ہے۔

---

[۲۹] النسآء:۱۹

علم اور علماء

علم سے ہوتا ہے انساں محترم
علم سے ہوتا ہے انساں با وقار
علم سے ہے آدمیّت کا فروغ
علم باغِ زندگی کی ہے بہار
(مولانا اسعد اللہ اسعد رحمۃ اللہ علیہ)

علمِ نبوت تو ہے مگر نورِ نبوت نہیں

فرمایا: علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار علم و فضل کے اعتبار سے اونچے لوگوں میں ہوتا ہے۔ جب یہ زندہ تھے ہر طرف ان کے علم کا شہرہ اور غلغلہ تھا، مرنے کے بعد بھی ان کا علمی احترام کم نہ ہوا۔ شروع میں ان کے دل میں ''اہل اللہ'' کی خاص وقعت و عظمت نہیں تھی، یہ سمجھتے تھے کہ انہیں دنیا میں کوئی کام نہیں رہ گیا ہے۔ اس لیے ''چہار دیواری'' میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں، مگر جب ایک نادیدہ قوت انہیں کشاں کشاں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئی اور ان سے ''اصلاحی تعلق'' قائم ہوگیا تو ان کے فکر و نظر کا پیمانہ بدل گیا، اس کے بعد تو انہیں اس وقت تک کی اپنی تصانیف اور علمی تحقیقات ''جسد بے روح'' کی طرح نظر آنے لگیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے ''علم کا مزہ تو اب ہم نے پایا ہے۔'' جب ان کی یہ ''نظر'' کھلی تو صاحبِ دل اہلِ نظر کی باتیں کرنے لگے۔

چناں چہ ایک دفعہ فرمایا کہ ''آج کل ہمارے علماء کے اندر مدرسوں میں رہنے کی وجہ سے ''علمِ نبوت'' تو آجاتا ہے لیکن ''نورِ نبوت'' نہیں آتا۔ جس طرح یہ علمِ نبوت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح انہیں نورِ نبوت کی تحصیل میں بھی سعی کرنی چاہیے جس کے لیے ''اہلِ دل'' کی صحبت و خدمت ضروری ہے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گہری حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ علماء کو نبوت کا علم اور نور دونوں اپنے اندر جمع کرنا چاہیے، اسی وقت ان کا کام اخلاص و للّٰہیت کی وجہ سے شکلِ دوام اختیار کرے گا اور اللہ کے بندوں کو ان سے بھرپور فائدہ پہنچے گا۔ حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس اور تاثیرِ صحبت پر چند اشعار فرمائے ہیں۔

ایسے کچھ انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شبۂ باطل ہوا

آج ہی پایا مزہ قرآں میں
جیسے قرآں آج ہی نازل ہوا

منبر پر وہ کیا برسائیں گے

فرمایا: ایک عالم اور ایک واعظ کو عمل کا پابند ہونا چاہیے۔ بغیر عمل کے صرف "قول" مفید اور مؤثر نہیں ہوتا۔ صاحب قصیدہ بردہ نے تو "قول بلا عمل" سے مغفرت طلب کی ہے۔ الفاظ ان کے یہ ہیں اَسْتَغْفِرُ اللهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ یعنی میں اللہ تعالیٰ سے اس قول سے پناہ چاہتا ہوں جو بغیر عمل کے ہو۔

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب ان کے پاس اپنے لڑکے کو لے کر آئے، کہنے لگے، حضرت! یہ گڑ بہت کھاتا ہے۔ ہزار سمجھایا مگر ایک بات بھی اس نے مان کر نہ دی، میں پریشان ہوں کہ اسے اس عمل سے کس طرح روکوں، مجھے اندیشہ ہے کہ اس کثرت سے اگر یہ گڑ کھاتا رہے گا تو جگر خراب ہو جائے گا، آپ دعا فرمائیے اور کچھ زبانِ مبارک سے نصیحت بھی فرما دیجیے۔

بزرگ نے جواب میں فرمایا: آپ کل تشریف لائیے۔ وہ آئے تو انہوں نے لڑکے کو نصیحت فرمائی اور دعا بھی کی۔ جب لڑکے کے والد جانے لگے تو پوچھا: حضرت! یہ نصیحت اور دعا کل بھی آپ فرما سکتے تھے آج آپ نے کیوں بلایا؟

بزرگ نے فرمایا: بھئی! کل تک میں بھی بہت گڑ کھایا کرتا تھا، اس حالت میں اسے گڑ ترک کرنے کی نصیحت کیوں کرتا۔ آج میں نے خود گڑ کھانا کم کر دیا ہے تو پھر اسے نصیحت کی تاکہ یہ نصیحت مؤثر ہو اور میں پوری قوت کے ساتھ اپنی بات کہہ سکوں، فرمایا: اس سلسلہ میں، میں نے ایک شعر کہا ہے جو نہایت قابلِ غور ہے، وہ یہ ہے ؎

جب نور ہی نہیں خود ہی دل میں
منبر پر وہ کیا برسائیں گے

عالم کا سونا عبادت کیوں؟

فرمایا: وہ عالمِ دین جس کا اوڑھنا بچھونا دین ہے اور ہمہ وقت دینی خدمت میں مصروف رہتا ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کا بڑا اونچا مقام ہے۔ ایسے عالم کا دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس کا سونا بھی عبادت۔ عالم کے سونے پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا جسے میں نے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا، واقعہ یہ ہے:

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا: حضرت! حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم کا سونا بھی عبادت ہے، مگر اس کا عبادت ہونا سمجھ میں نہیں آتا؟

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک بڑھئی ایک شخص کا دروازہ بناتا ہے، اسے اپنے کام کے دوران میں بعض اوزاروں کو پتھر پر گھسنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے تاکہ اوزار کے تیز ہوجانے کے بعد اس سے صحت اور تیزی کے ساتھ کام لے۔ اب یہ بتائیے کہ بڑھئی جب اوزار کو تیز کررہا ہوتا ہے اس وقت دروازہ تو وہ نہیں بناتا ہے لیکن اس کو اس وقت کی مزدوری ملے گی یا نہیں؟ پوچھنے والے نے جواب دیا: ہاں ضرور ملے گی۔ پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، جب ایک بڑھئی کو اوزار تیز کرنے کے وقت کی مزدوری ملے گی اور یہ وقت مزدوری ہی میں شمار ہوگا، منہانہ کیا جائے گا۔ اس بنیاد پر کہ اوزار کو تیز اس لیے کیا جارہا ہے کہ آئندہ اسی سے کام لے گا۔ تو سوچیے کہ ایک عالم بھی تو اسی لیے سوتا ہے کہ سونے کے بعد اس کی تھکن اور اضمحلال دور ہو اور نشاط، مستعدی اور چاق وچوبندی کے ساتھ دین کی خدمت کرسکے۔ اس صورت میں اس کا سونا کیوں نہ عبادت قرار پائے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مزدوری کیوں کاٹی جائے جبکہ اللہ کے بندے کے یہاں ایک بڑھئی کی مذکورہ بالا صورت میں مزدوری نہیں کٹتی ہے۔ یہ تقریر بھی احقر نے اپنے مرشد پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی۔

علماء سے مشورہ اور کتابوں کا مطالعہ

فرمایا: زندگی کے مختلف مسائل میں ہم اپنے بچوں، بیویوں اور دیگر لوگوں کو

آڑے لے آتے ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمارے پیش نظر نہیں رہتی۔ بھائیو! آپ علماء سے مشورہ کیجیے، احادیث کا مطالعہ کیجیے اور معلوم کیجیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی میں کیا طریقہ اور طرزِ عمل تھا۔

بھائیو! دنیا کی جب کوئی چیز آپ خریدتے ہیں تو ہر طرح چھان بین کرتے ہیں۔ وکیلوں سے ملتے، مشورہ لیتے ہیں، کہتے ہیں صاحب! مکان یا زمین لے رہا ہوں، ایک ''مضمون'' لکھ دیجیے اور اس میں کوئی لفظ ایسا نہ رہے کہ بیچنے والے کی اولاد بعد میں دعویٰ نہ کر بیٹھے، ایک ایک لفظ کو بار بار پڑھواتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ دنیا کی جائیداد کے لیے اس قدر چھان بین اور محنت کرتے ہیں مگر آخرت کی جائیداد جنت کے لیے کوئی فکر نہیں کرتے ہیں۔ یہ علماء جو دین کے قانون دان ہیں اور وکیل ہیں، ان سے ملیے اور پوچھیے، مشورہ لیجیے، ہر بات معلوم ہوگی۔ احادیث وفقہ وسیرت کا مطالعہ کیجیے، بہت سی کتابیں اردو میں بھی شایع ہو چکی ہیں۔ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابھی کراچی سے شایع ہوئی ہے، اس میں سیرت سے متعلق تمام تفصیلات آپ کو مل جائیں گی۔

علماء اور باطنی اصلاح

فرمایا: آج کل علماء کی عزت کیوں نہیں ہو رہی ہے، جو اہلِ علم ہیں ان کی قدر و منزلت کیوں گھٹ رہی ہے؟ اس کی اصل وجہ کو ایک مثال کے ذریعے پیش کر رہا ہوں کہ اس کی بنا پر آج کل علماء کی عزت و عظمت اور قدر و منزلت لوگوں کے دلوں سے اٹھتی جا رہی ہے۔

حضرات! جس طرح ہم اور آپ کباب بناتے ہیں اگر ان کو بغیر تلے ہوئے کھالیں تو یقیناً ہم فوراً تھوک دیں گے۔ اور یہ بات ہم پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ یہ کباب جس کے پاس بھی جائے گا وہ کھاتے ہی فوراً تھوک دے گا۔ لیکن اگر کباب کو آگ جلا کر تیل یا گھی کے اندر تل لیا جائے تو جو بھی کھائے گا وہ دل سے خوش ہوگا۔ اِدھر آنکھوں سے اس کی مرچ کی وجہ سے آنسو نکل رہے ہوں گے مگر اُدھر وہ کباب کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوگا۔ اگر اس وقت کوئی آدمی اس سے یوں کہنے لگے کہ آپ کو تو

تکلیف ہورہی ہے، آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہے اس لیے یہ کباب ہم کو دے دو، تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ جناب! آپ کو کیا خبر، ان ظاہری آنسوؤں اور تکلیف میں لطف اور مزے کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ آپ ظاہر میں میرے آنسو اور تکلیف کو دیکھ رہے ہیں، میرے باطن کی آپ کو کیا خبر کہ مجھ کو کیا لطف حاصل ہورہا ہے۔ اسی طرح اس معاملے میں بھی سمجھنا چاہیے کہ جو علماء اپنے کو تلواتے نہیں ہیں (یعنی اپنی اصلاح نہیں کراتے ہیں) ان کو بغیر تلے ہوئے کباب کی طرح ہر شخص ناپسند کرتا ہے۔ مگر وہ علماء جو اپنے کو کسی ماہر کے حوالے کرکے تلوالیتے ہیں (یعنی اپنی اصلاح کرالیتے ہیں) ان کی ہر جگہ مثل تلے ہوئے کباب کے عزت ہوتی ہے۔

جن حضرات نے اپنے کو کسی کامل اور ماہر کے حوالے کیا ان کی حالت ہی بدل گئی۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نوّر اللہ مرقدہٗ جب خانقاہ تھانہ بھون میں تھے کچھ بے اصولی کی بنا پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صاحب کو خانقاہ سے نکال دیا۔ ان کے اندر سچی تڑپ اور محبت تھی، یہ پھاٹک سے نکل کر فٹ پاتھ پر لیٹ گئے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب نکال دیا ہے تو اب آپ اپنے گھر چلے جائیے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ان کی جگہ نہیں ہے، یہ جگہ تو سرکاری ہے۔ میں یہاں سے کیوں چلا جاؤں، اور ایک شعر پڑھا کرتے کہ ؎

اُدھر وہ در نہ کھولیں گے
اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے
کہیں ان کی کہیں میری

غرض کہ حضرت خواجہ صاحب پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پھر ترس آیا کہ بے چارے کے اندر سچی طلب ہے۔ پھر چند ہی دنوں کے بعد جب تاجِ خلافت لیے ہوئے خانقاہ سے نکل رہے تھے تو یوں فرماتے ہوئے گئے کہ ؎

نقش بتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق
آنکھوں کو آنکھ دل کو میرے دل بنا دیا

آہن کو سوزِ دل سے کیا نرم آپ نے
نا آشنائے درد کو بسمل بنادیا

مجذوبؔ در سے جارہا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنادیا

بھائی! اپنے کو کسی ماہر اور کامل کے سپرد کرکے تو دیکھو، کیا مقام حاصل ہوتا ہے۔ آج کل ہم لوگ بس سندِ فراغت حاصل کرلیتے ہیں، بس سمجھتے ہیں کہ سب کچھ حاصل کرلیا۔ پھر شکوہ ہوتا ہے کہ علماء کی عزت نہیں۔ یاد رکھیے، جب تک ہم اپنے آپ کو کسی کے سپرد کرکے تلوائیں گے نہیں، اس وقت تک مثل کچے کباب کے ہر جگہ تھوکے جائیں گے۔ بات اگرچہ تلخی لیے ہوئے ہے مگر حقیقت یہی ہے، جس کے اظہار پر میں مجبور ہوں۔

در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند

فرمایا: آج کل بہت سے عالم احساسِ کمتری کے شکار ہیں، وہ بھی دنیا کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے ہیں، حالاں کہ ان کے پاس جس علم کی انمول دولت ہے اس سے دنیا کا خزانہ خالی ہے۔ عالموں کو احساسِ بلندی پیدا کرنا چاہیے اور اپنی قدر وقیمت پہچاننی چاہیے جب ہی دوسرے لوگ ان کی قدر وقیمت پہچانیں گے۔ ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

بر خود نظر کشا، ز تہی دامنی مرنج
در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند

شاعر ہلال یعنی پہلی کے چاند کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ تم اپنے اوپر نگاہ کرو اور ابھی جو تمہارا دامن خالی ہے اس پر رنج مت کرو، اس حقیقت پر تو نظر کرو کہ تمہارے سینے

میں بدر کامل چھپا ہوا ہے۔ اسی طرح علماء کے سینے میں علوم نبوت کا بدر کامل ہے، اس پر نگاہ رکھیں اور اپنی ظاہری حیثیت کو دیکھ کر رنج مت کریں۔ ان کے پاس اتنی بڑی دولت ہے کہ دنیادار اس سے محروم ہیں۔

علم کا لطف کب حاصل ہوتا ہے؟

فرمایا: علم کا لطف عمل کی برکت سے ملتا ہے اور عمل کا لطف محبت اور عشق کے فیض سے ملتا ہے اور عشق و محبت کی دولت عاشقانِ خدا کی جوتیاں اٹھانے سے ملتی ہے۔ ایک مدتِ عمر ان کی صحبت و خدمت میں رہ لے جس کی مقدار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چھ ماہ فرمائی تھی اور طلباء سے فرمایا کہ دس سال درسِ نظامی میں لگاتے ہو، چھ ماہ کسی اللہ والے کے پاس رہ لو پھر دیکھو کہ سینے میں علومِ انبیاء کا فیضان موجزن ہو گا، اور اگر چھ ماہ مشکل ہو تو صرف چالیس ہی دن رہ لو ؎

مٹا دو اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہو
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

برجستہ جواب

جو لوگ علماء اور دینداروں کو ان کی وضع قطع پر طعنہ دیتے ہیں، اس سلسلے میں ایک لطیفہ بیان فرمایا کہ پاکستان میں ناظم آباد روڈ پر ایک موٹے آدمی "دوڑھائی من کے دوڑ رہے تھے اور ان کی داڑھی بھی خوب تھی، ماشاء اللہ! ایک مشت شرعی داڑھی، ایک مسٹر جارہے تھے، انہوں نے دیکھ کر کہا: مولانا! اتنی بڑی داڑھی رکھ کر دوڑ رہے ہیں، کہنے لگے، بھائی! ہمارا جسم ڈھائی من کا ہے، ڈھائی من کا جسم لے کر جب میں دوڑ سکتا ہوں تو اگر ایک چھٹانک کی داڑھی میرے ساتھ دوڑ رہی ہے تو آپ کو کیوں تعجب ہے؟ عجیب بات ہے۔ یعنی داڑھی والا اپنی صحت نہ بنائے۔ صبح نہ دوڑے، ورزش نہ کرے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دو میل روزانہ ٹہلتے تھے، اسی دوران پانچ پارے قرآن پڑھتے تھے۔

احکام و مسائل

قدم بڑھاؤ ترقی کرو ضرور ولے
رہے رسول ﷺ کے قدموں پہ سر خدا کے لیے

(اکبر الہ آبادی)

داڑھی کی حد

فرمایا: جہاں قبر میں ہماری لاش اتری، پھر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت پر حساب وفیصلہ ہوگا۔ نبی والی صورت لے کر آئے ہو یا اہل مغرب اور یورپ والوں کی شکل۔ اگر نبی والی شکل نہ ہوگی تو پوچھا جائے گا، تم نے نبی والی کیوں نہ بنائی؟ کیا تمہیں کافروں، یہودیوں اور عیسائیوں والی شکل اچھی معلوم ہوتی تھی؟ کیا تم کو اتنی بھی خبر نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی رکھتے تھے اور سارے نبی رکھتے تھے۔ اس کو تم ”جنگل“ کہتے تھے کہ یہ جنگل کون لگائے چہرے پر۔ بھائی! یہ شاہی باغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باغ ہے، تم اس کو جنگل کہتے تھے۔ اس پر استرا پھیرنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ کو تراشنا اور مٹانا ہے۔ اور ایک مشت یہ سرکاری حد ہے، اس سے ذرا کم کرنا جرم ہے کہ یہ پلاٹ ہے جیسے مکان کا پلاٹ متعین ہوتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پلاٹ کی حدبندی کردی ہے۔ جمعرات کے دن، ہفتہ میں ایک دن جو حصہ بڑھ جاتا تھا اس کو کاٹتے تھے اور اس طرح پکڑ لیتے تھے کہ آگے نہ کٹ جائے۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حدبندی کردی ہے۔ حدبندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ہوئی ہے۔ اب اگر آگے کاٹتے ہو تو سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک کاٹ رہے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کر رہے ہو۔ میرے بھائی! مرنے سے پہلے پہلے اپنی حالت کو درست کرلو۔

داڑھی والوں کا احترام

فرمایا: ایک صاحب ہیں میرے کرایہ دار ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ہیں۔ ستر برس عمر ہے، ان کی شرعی داڑھی بھی ہے۔ کہنے لگے کہ صاحب! جب میں بس میں کھڑا ہوتا ہوں تو غریب سے غریب پٹھان، جو بھی ہو کہتا ہے: آؤ چچا بیٹھو۔ خود سیٹ سے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ حالاں کہ مجھ سے عمر دراز لوگ کھڑے رہتے ہیں۔ اسّی پچاسی

برس کی عمر ہوتی ہے ان کی وہ پینٹ ہیٹ، کوٹ میں ملبوس رہتے ہیں، داڑھی مونڈ کر خود سے بھتیجا بنے رہتے ہیں۔

بھائیو! یہ صرف داڑھی کی برکت ہے کہ وہ داڑھی والا محترم بن جاتا ہے۔ دین وشریعت کے جو احکام ہیں ان پر ذرا آپ استقامت اور خلوص کے ساتھ عمل کرکے دیکھیے دنیا ہی میں اس کے کیسے کیسے برکات ظاہر ہوتے ہیں۔

داڑھی کا سفید بال

فرمایا: اگر داڑھی کا ایک آدھ بال سفید ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک آدھ ہے اسے نکال دو، مگر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: داڑھی کے سفید بال نہ نکالو، اس لیے کہ یہ مومن کا وقار ہے۔ تم اپنا وقار اپنے ہاتھوں سے گرا رہے ہو۔

❖❖❖❖

عظمت تعلق مع اللہ

دامن فقر میں مرے پنہاں ہے تاج قیصری
ذرّۂ درد و غم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

اُن کی نظر کے حوصلے رشکِ شہانِ کائنات
وسعتِ قلبِ عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اسرار و حکم

اندازۂ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خطِ پیمانہ

(جگر مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ)

اِک بار جس پر نظرِ کرم ہو جائے

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کا کیا پوچھتے ہو۔ جس پر اس کی نظرِ کرم پڑتی ہے اور اسے اپنا بنا کر ایک بار مقبول کر لیتے ہیں تو پھر اسے کبھی ”مردود“ نہیں فرماتے ہیں۔

حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدری صحابی تھے۔ غزوۂ بدر میں ان کی شرکت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی، انہیں مقبول فرمالیا، اپنا محبوب بنالیا۔ پھر تو واقعۂ افک میں جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے سخت ناراض ہو گئے تھے۔ اس مقبولیت اور محبوبیت کا یہ اثر کہ خود اللہ تعالیٰ ان کے حق میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سفارشی بن گئے۔ مستقل آیات نازل فرمائیں جن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی گئی کہ ان کے قصور کو معاف کر دیں۔ یہ ہی نہیں بلکہ اپنی مغفرت کا لالچ بھی دلایا کہ اگر تم اس کے قصور کو معاف کر دوگے تو تم میری مغفرت ورحمت کے مستحق ٹھہروگے۔ اور کون ہے جسے میری مغفرت ورحمت کی طلب نہ ہو اور اس سے بے نیازی برتے؟ چناں چہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے قصور کو معاف کر دیا، ان سے اپنے غصہ کو ختم کر لیا۔ پہلے سے ایک عزیز و قریب ہونے کے ناطے ان کی جو مالی امداد کر رہے تھے پھر سے جاری کر دی۔ تو دیکھا آپ نے، حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ نے غزوۂ بدر میں جب مقبول بنالیا تو پھر مقامِ مقبولیت سے انہیں نہیں گرایا، مردود نہیں فرمایا۔ آپ بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول بننے کی کوشش کیجیے۔ کسی عمل کو چھوٹا نہ سمجھیے۔ کیا پتا ایک چھوٹا عمل ہی اس کی نظر میں آپ کو مقبول بنادے، اور پھر زندگی بھر آپ مردود نہ ہوں۔ اس کے نوازنے کے بہر حال انداز نرالے ہیں۔

رضائے دائمی

فرمایا: ایک دفعہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ حضرت! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضائے دائمی حاصل ہو۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ”دائمی“ کی قید کیوں؟ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو جاتا ہے پھر اس سے ناراض نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مستقبل کا علم ہے۔ وہ

اسی سے راضی ہوتا ہے جس کے بارے میں علم ہے کہ یہ مجھے ناراض نہیں کرے گا، اور اگر ناراض بھی کرے گا تو اس کو توبہ کی توفیق ملے گی، اور میں اس کو معاف کر دوں گا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو نقل کرنے کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جتنے لوگوں کے بارے میں آپ سنتے ہیں کہ وہ خدا کا مقبول بندہ تھا پھر مردود ہو گیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلے ہی سے وہ مقبول نہیں تھا بلکہ مردود تھا اس لیے مردود ہی رہا۔ شیطان بھی فی الحقیقت پہلے سے مردود تھا، مقبول نہیں ہوا تھا، ورنہ یہ مردود (خدا کی رحمت سے دور) نہ ہوتا۔

یاد رکھیے وفاداروں کی سرٹیفکیٹ اور سند اللہ تعالیٰ اسی کو دیتے ہیں جس کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ مجھ سے غداری نہیں کرے گا۔ خلوصِ دل سے کوشش کیجیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول بنیں، پھر مردود نہیں ہوں گے۔

جنگل کی فضاؤں کا نور

فرمایا: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بعد فجر مسجد سے نکلتے اور جنگل کی طرف چلے جاتے، مسجد کی پشت سے متصلاً جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت تھانوی نے فرمایا: جنگل کی فضاؤں میں جو نور عطا ہوتا ہے، جو علوم ملتے ہیں وہ وہیں کا حصہ ہیں۔ کیوں کہ جنگل میں آبادی نہیں ہوتی اس لیے وہاں کی فضا گناہ کی آلودگی سے پاک ہوتی ہے اور نور ہی نور ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا جب میں جنگل میں خدا کو یاد کرتا ہوں تو میرا قلب نور سے بھر جاتا ہے۔ گناہ تو آبادی میں ہوتا ہے، اس لیے آبادی کی فضا سے جنگل کی فضا بہتر ہوتی ہے۔ مگر شہروں میں جنگل کہاں نصیب؟ اگر بعض شہروں میں کار پر بھی دو گھنٹہ سفر کریں پھر بھی وہ شہر ختم نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کا فضل ہے کہ شہروں میں بہت سے اللہ والے ہوتے ہیں جن کی مجلس جنگل کی فضا سے زیادہ نورانی اور ان کی صحبت زیادہ فیض بخش ہوتی ہے۔ یہ دراصل اپنی جستجو اور ذوق و شوق پر موقوف ہے کہ ایسی بافیض صحبتوں کو ہم پالیں۔

چھینک کے وقت الحمدللہ کہنے کی حکمت

فرمایا: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اگر کسی کو چھینک

آئے تو وہ الحمد للہ (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) کہے۔ لوگوں نے اس موقع پر الحمد للہ کی تعلیم دیے جانے کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں، لیکن ایک حکمت ان سب میں نرالی ہے، شاید آپ نے یہ حکمت نہ کسی کتاب میں پڑھی ہو نہ کسی سے سنی ہو، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں بنایا ہے مگر جب اس کو چھینک آتی ہے تو اس وقت اس کی شکل بگڑ جاتی ہے، چوں کہ چھینک کے بعد شکل اپنی حالت پر عود کر آتی ہے اور اس کا بگاڑ ختم ہو جاتا ہے اس لیے حکم دیا گیا کہ الحمد للہ کہو تا کہ اللہ کی عظیم نعمت جو تم سے خواہ ایک آن کے لیے ہی سہی مگر چھین لی گئی تھی اور اب واپس کر دی گئی ہے، اس پر تمہاری طرف سے ''شکر'' ادا ہو سکے۔ سوچیے، چھینک کے بعد الحمد للہ کہنا بظاہر کتنی معمولی بات ہے لیکن اس میں کتنی بڑی حقیقت پوشیدہ ہے، شریعت کی ہر تعلیم میں اس طرح کی حکمتیں چھپی ہوئی ہیں خواہ ہمیں ان کا ادراک ہو سکے یا نہیں، تاہم ہم ہر تعلیم پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ یہی پابندی ایک بندہ کو خدا کا بندہ بنا دیتی ہے۔ یہ حکمت الحمد للہ کہنے کی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی ہے جس کو احقر نے اپنے شیخ مرشد حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔

گناہوں کے تقاضوں کا علاج

فرمایا: خدائے پاک سے تعلق کے علاوہ پوری کائنات میں تلاش کر ڈالو کہیں چین نہ پاؤ گے۔ گناہ کی لذت عارضی ہے اور دائمی بے سکونی کا سبب ہے، جیسے خارش میں جب جلد ناتندرست ہو جاتی ہے تو کھجلانے میں لطف ملتا ہے، لیکن کھجلانے کے بعد جلن اور تکلیف کتنی بڑھ جاتی ہے۔ پس تقاضائے خارش کا علاج جس طرح کھجلانا نہیں بلکہ خون صاف کرنے کی دوا استعمال کر کے جلد کو تندرست بنانا ہے اور جب جلد تندرست ہو گی تو خارش نہ اٹھے گی، اسی طرح گناہوں کے تقاضوں کا علاج گناہ کرنا نہیں بلکہ دل کے فساد کا علاج کرنا ہے۔ جب دل سلیم ہو جائے گا ان فاسد خیالات سے نجات مل جائے گی۔

دل کے رابطے کی مثال

فرمایا: حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت

شیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ حضرت ! اللہ والے دنیا کے مشغلوں میں کس طرح سے حق تعالیٰ کا اپنے قلوب میں دھیان قائم رکھتے ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ شہر جونپور ہے، عورتیں کنویں سے پانی بھر کر دو گھڑوں کو اس طرح لے جارہی ہیں کہ ہر عورت کے سر پر ایک ایک گھڑا ہے اور ایک ایک بغل میں ہے اور گفتگو کرتی ہوئی جارہی ہیں، سر کے گھڑوں کو انہوں نے ہاتھ سے پکڑا ہوا نہیں ہے صرف قلب کا دھیان اور خفیہ رابطہ قائم ہے۔ اگر گفتگو کے دوران ان کا دل سر کے اوپر والے گھڑوں سے غافل ہو جائے تو گھڑا زمین پر آرہے۔ بس اسی مثال سے سمجھ لو کہ اللہ والے تعلق مع اللہ کی دائمی دولت سے کس طرح سرفراز رہتے ہیں۔ البتہ اس رسوخ میں انہوں نے بڑے بڑے مجاہدات جھیلے ہیں، ذکر کا التزام، فکر کا دوام، صحبتِ اہل اللہ کا اہتمام ایک طویل مدت کیا ہے جب یہ دولت عطا ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی
نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی
فکر کے اہتمام سے ہوگی

فرض نماز کے بعد استغفار کی حکمت

فرمایا: مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، عارف اپنی ہر عبادت میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے پیشِ نظر نقصان اور قصور دیکھتا ہے۔ یہی راز ہے کہ نماز فرض کے بعد سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار فرمایا کرتے تھے۔ نماز کے بعد فوراً استغفار کرنے میں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ استغفار نام ہے کسی معصیت سے مغفرت طلب کرنے کا اور نماز ایک محبوب ترین عبادت ہے۔ تو اس اشکال کا یہی حل ہے کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایانِ شان نماز کا حق بندوں سے ادا نہیں ہو سکتا اس لیے نماز کے بعد بندہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! آپ کی کبریائی کے مقابلے میں

میری غلامی میں جو نقصان اور قصور ہوا ہے میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ اور دنیا میں اس کا نمونہ بھی موجود ہے کہ جب کسی معزز مہمان کو رخصت کرتے ہیں تو باوجود صد احترام اور آداب مہمان نوازی بجالانے کے نہایت شرمندگی سے نیاز مندانہ چہرہ بنا کر کہا کرتے ہیں کہ کیا بتاؤں آپ کی خاطر کا حق ادا نہ ہو سکا، کوئی تکلیف ہوئی ہو تو معاف فرمایئے گا۔ جب ایک بندہ بندوں کے حق میں کامل طور پر مطمئن نہیں ہوتا ہے کہ نہ معلوم کون سی بات مہمان کو ناگوارِ خاطر ہوئی ہو۔ تو کہاں بندہ اور کہاں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک!

چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

پس عارفین ہر عبادت کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو کچھ مجھ سے اس عبادت میں کوتاہی ہوئی ہے معاف فرما دیجیے۔ وہ جاہل عابد ہوتا ہے جو عبادت کرکے اپنے کو کچھ سمجھنے لگتا ہے۔

مدارات اور مداہنت کا فرق

فرمایا: حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارات اور مداہنت کا یہ فرق ارشاد فرمایا ہے کہ مدارات کا حاصل اہلِ جہل کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ وہ دین کی طرف آجائیں اور اہلِ شر کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے۔ اور یہ دونوں امر مطلوب ہیں۔ اوّل تو خود دین میں مقصود ہے، ثانی مقصود میں معین ہے کیوں کہ شریر کی ایذا میں مبتلا ہو جانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے۔ اور مداہنت بددینوں کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ ان سے مال اور جاہ کا نفع حاصل کرے۔ مدارات کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **بُعِثْتُ بِمُدَارَاةِ النَّاسِ**[۳۰] میں صفتِ مدارات کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں (اور بعثت کے مقاصد میں یہ صفت معین ہے) عارف سالک اور غیر عارف سالک میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

---

۳۰ شعب الایمان للبیہقی: ۳۵/۱۱ (۸۱۱۷) مکتبۃ الرشد

ماحول اور صحبت

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اکبرؔ الٰہ آبادی)

اولیاء اللہ ہر زمانے میں موجود ہیں

فرمایا: لوگ کہا کرتے ہیں کہ آج کل شیخ اور مرشد اچھے نہیں ملتے۔ اس لیے ہم کہاں اور کس کے پاس جائیں؟ مگر ان کی یہ بات صحیح نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر ایک طرح کا الزام ہے، کیوں کہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [۳۱]

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایسے "صادقین" کو پیدا فرماتے رہیں گے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا بندے سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ جس کا وجود اس کے کارخانۂ قدرت میں نہ ہو، "تکلیف مالایُطاق" ہے جس سے اس کی ذات بَری ہے۔ جس کی شہادت یہ آیتِ کریمہ دے رہی ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [۳۲]

اللہ تعالیٰ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔

معلوم ہوا کہ ہر دور اور ہر عہد میں باصدق وباصفا مشائخ کا ہونا ضروری ہے، تاکہ لوگوں کو ان کی صحبت ومعیت کا شرف حاصل ہوتا رہے جس سے اللہ کی یاد آئے، دنیا کی محبت کم ہو اور آخرت کی فکر بڑھے۔ کوئی ان مشائخ اور بزرگوں کو نہ جانے اور پہچانے تو اس کی یہ کم نگاہی ہے اور طبیعت کی سہل انگاری کا کرشمہ ہے، اس میں قانونِ قدرت کا کوئی قصور نہیں۔

فرمایا: دیکھیے، آج کوئی مریض ہوتا ہے تو وہ کسی ڈاکٹر اور حکیم کے پاس علاج کے لیے ضرور جاتا ہے۔ ایسے مریض کے لیے کبھی یہ کہتے ہوئے نہیں سنا گیا کہ آج کل کے ڈاکٹر اور حکیم اچھے نہیں ہیں، اس لیے مجھے اپنی حالت میں رہنے دو، میں علاج نہیں کراتا۔ ہاں حکیم اجمل خان اپنی قبر سے باہر آئیں گے تو ان سے میں علاج

۳۱؎ التوبۃ:۱۱۹

۳۲؎ البقرۃ:۲۸۶

کراؤں گا۔ تو جب لوگ اپنے امراضِ جسمانی میں اسی زمانے کے حکمائے جسمانی کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور شفا پاتے ہیں تو کیا اپنے امراضِ روحانی میں اس دور کے حکمائے روحانی سے ربط و تعلق پیدا کر کے ان امراض سے نجات نہیں پائیں گے؟ یقیناً پائیں گے۔ اگر لوگوں کے اندر اس کی فکر ہو، اور مرض کا احساس ہو اور یہ خیال ہو کہ روح کی بیماری جسم کی بیماری سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

فرمایا: آپ کے ہندوستان میں شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا شاہ ابرار الحق صاحب، مولانا مسیح اللہ خان صاحب، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب، مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی یہ سب حکمائے روحانی ہیں، ان میں سے جس کسی کے پاس آپ نیاز مندانہ حاضر ہوں گے آپ کی بیمار روح ان شاء اللہ! شفا پائے گی اور وہ سکون ملے گا جسے آپ دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر کے حاصل نہیں کر سکتے۔

ایک افسوسناک واقعہ

فرمایا: بھائیو! میں جو یہ کہتا ہوں کہ اللہ والوں کی مجلس میں آؤ، تو اس سے مراد حقیقی اللہ والے ہیں، فریبی اور دنیا دار نہیں۔ ورنہ دنیا کی خاطر دین فروشوں کی کمی نہیں ہے۔ فرمایا: ایک سینما کا مالک ایک عالم کو اپنے پاس لے گیا اور کہا کہ یہ سینما کی آمدنی کا کھاتہ ہے نیا سال شروع ہو رہا ہے اس لیے آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے اس پر "بسم اللہ" لکھ دیجیے۔ مولوی صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ ایک تو حرام کی آمدنی اور اس پر بسم اللہ سے شروع۔ اس نے سختی سے انکار کر دیا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا ہے۔ سینما کے مالک نے پہلے تو خوشامد کی، پھر لالچ دیا مگر جب یہ صاحب انکار پر مصر رہے تو انہوں نے کہا۔ واہ مولانا صاحب! اس سے پہلے تو دوسرے فلاں مولانا صاحب ہر سال اس پر بسم اللہ لکھتے تھے اور میں معقول نذرانہ بھی پیش کیا کرتا تھا۔ انہوں نے کہا، ہاں وہ کرتے ہوں گے، وہ الگ مکتبِ فکر کے ہیں، ہم تو وہ ہیں جن کو آپ لوگ "وہابڑے" کہا کرتے ہیں۔

بھائیو! سنا آپ نے، حرام کمائی کرنے والا اللہ کے نام کو بے عزت کر رہا ہے،

اس کے ساتھ مذاق کررہا ہے اور یہ دھوکے باز، ریاکار بزرگ لوگ اپنا معقول معاوضہ لے کر اس حرام کاری کا حوصلہ بھی بڑھا رہے ہیں۔

اس لیے میرے بھائیو! سچے اللہ والوں کے ساتھ رشتہ جوڑو، ان کی صحبت اختیار کرو، فکر و نظر کی اصلاح ہوگی، عمل درست ہوگا اور دین و دنیا کا فائدہ ہوگا۔

ماحول کا اثر

فرمایا: آج ہمارا حال مختلف ہے۔ اللہ والوں کی مجلس سے ہم بھاگتے ہیں۔ ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہ گناہ و عصیان کا ماحول ہے، گرد و پیش سے عام انسان تو عام انسان ہے "ولی" بھی متأثر ہوجاتا ہے۔ سینما اور گانوں کی آواز، دنیا کی فحاشی یہ سب کچھ انسان کو متأثر کرتے ہیں۔ عاد و ثمود کی بستی سے جب گزر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ چھپالیا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جلدی سے گزر جانے کے لیے فرمایا۔ دیکھیے ماحول کا اثر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اثر کا خوف نہ ہوتا تو جلدی سے کیوں گزرتے؟ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بُرے ماحول سے کٹ کر اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھو، نورانیت پیدا ہوگی اور اچھے اثرات پڑیں گے۔

ساز اور آواز کا تباہ کن اثر

فرمایا: بھائیو! اپنی خبر لیجیے، آپ کے ارد گرد جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سے بچیے۔ یہ گندے رسائل و اخبارات، یہ سینما، یہ ٹیلی ویژن، یہ ریڈیو اور اس میں بجنے والے گانے کیا ہیں؟ یہ سب انسانوں کو برباد کرنے والے ہیں، ان گندگیوں کا اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے اور انسان میں یہ گندگی گھر کر جاتی ہے۔ اس لیے ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ سب شیطانی حربے ہیں، ان کے ذریعے وہ انسانوں کو اپنے قبضہ میں کرلیتا ہے۔

آپ جانتے ہیں سانپ کتنا تیز اور ہوشیار ہوا کرتا ہے، مگر جب وہ بین کی آواز سنتا ہے تو مدہوش ہوجاتا ہے، جھومنے لگ جاتا ہے اس کو کچھ خبر نہیں رہتی ہے اور سپیرا آسانی کے ساتھ اس کو گرفتار کرلیتا ہے۔ سانپ کی ساری چالاکی، پھرتی اور دفاعی قوت

مفلوج ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان جب گانے سنتا ہے تو وہ حقیقت کی دنیا سے غافل ہونے لگتا ہے۔ اس میں ایک مدہوشی کی سی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اور پھر شیطان آسانی کے ساتھ قبضہ کرلیتا ہے اور پھر جو چاہتا ہے وہ کراتا ہے۔ اس لیے میرے بھائیو! ان چیزوں سے پرہیز کیجیے۔

صحیح علاج کی ضرورت

فرمایا: مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال کے ذریعے بتایا ہے کہ اپنے مرض اور رنج و غم کا علاج خود نہیں بلکہ اللہ والوں کے مشورہ پر عمل اور احکام کی پیروی اور صحبت میں بیٹھ کر علاج کرو۔ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک گدھا ہے، اس کو زخم ہے اور جب کبھی مکھی بیٹھتی ہے تو وہ اس کو اڑانے کے لیے دولتی جھاڑتا ہے، وہ تو مکھی اڑانا چاہتا ہے مگر چوٹ سے زخم بڑھتا جاتا ہے۔ فرض کرو، اگر وہ گدھا خود سے نہیں بلکہ کسی سمجھ دار سے اپنا علاج کرائے گا تو پہلے وہ اس کے دونوں پاؤں باندھ دے گا کہ وہ خطرناک ہے پھر وہ دوائی لگائے گا، ورنہ پاؤں باندھنے سے پہلے دوائی لگائی جائے تو وہ گدھا مکھی کے ساتھ دوا کو بھی اڑا دے گا۔ لہٰذا پہلے پاؤں باندھ دے گا، پھر مرہم لگائے گا، پہلے ایک دو مکھی بیٹھے گی مگر اندر ہی اندر دوا اپنا کام کر جائے گی، زخم چھوٹ جائے گا۔ پھر نہ مکھی بیٹھے گی اور نہ وہ گدھا پاؤں مارے گا۔ یہی حال انسانوں کا سمجھ لو۔ اگر انسان خود اپنا علاج شروع کردے، دشمنوں کی عداوتوں سے خود نپٹنا شروع کردے تو عداوت اور بھڑکے گی، مرض اور بڑھے گا۔ مگر جب وہ کسی اللہ والے کے پاس جائے گا تو پہلے وہ کچھ باتوں اور کاموں سے روک دے گا کہ وہ اس کے زخم اور مرض کے لیے زہر ہو گا۔ پھر وہ اوراد و وظائف بتائے گا۔ اللہ کی یاد دل میں گھر کر جائے تو اندر اندر مرض ختم ہوتا جائے گا، لوگوں کی عداوتیں ختم ہو جائیں گی۔ جب زخم ہی نہ رہے تو پھر مکھی کہاں بیٹھے گی۔

بہر حال میرے بھائیو! صبر ہی میں خیر ہے، اللہ والے کی مجلس میں یہ چیز پیدا ہو سکتی ہے۔ صبر کی دوا اس زخم کو مندمل کر دیتی ہے جس پر عداوتوں اور طنز کی مکھی بیٹھا کرتی ہے۔

اللہ والوں کی صحبت

فرمایا: دنیا سے بے نیازی کی صفت اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ والے قیامت تک رہیں گے۔ شرط صرف تلاش، پیاس اور تڑپ کی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لیلیٰ کا جب انتقال ہوا تو مجنوں کو خبر نہیں ہوئی تھی۔ بعد میں قبرستان پہنچا تو ہر قبر کی مٹی سونگھتا پھر رہا تھا، لیلیٰ کی قبر کی مٹی سونگھتے ہی وہ دیوانہ وار کہنے لگا، یہی ہے یہی ہے۔ فرمایا کہ اگر تمہاری روحوں میں اللہ کا عشق ہو تو اللہ والوں کے جسموں کی خوشبو سونگھ کر تم پہچان سکتے ہو کہ اس کے قلب میں ''اللہ'' ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ پہلے تمہارے اندر مجنوں کی تڑپ اور بے قراری اور حقیقت کی طلب وپیاس ہو۔ اللہ ہم سبھوں کو اس درد و تڑپ سے آشنا فرمائے۔

اہل اللہ کی صحبت کے فیوض وبرکات

فرمایا: اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجیے۔ ان کی صحبت بابرکت سے چار وجہوں سے فیض حاصل ہوتا ہے:

۱۔ پہلی وجہ نقل ہے۔ یعنی انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نقال واقع ہوا ہے۔ جب آپ اہل اللہ کی صحبت میں رہیں گے اور شب وروز ان کے طریقۂ مناجات، ان کے طریقۂ فریاد، ان کے آداب واخلاق اور خدا کے حضور ان کے رونے اور گڑگڑانے اور نالۂ نیم شبی کو دیکھیں گے تو ممکن نہیں کہ آپ ان صفاتِ عالیہ کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش نہ کریں۔ آپ کی نقال طبیعت یقیناً ان اعمال میں نقل کی سعی کرے گی۔

۲۔ دوسری وجہ صحبت کی عام برکت ہے۔ اگر کوئی اہل اللہ کی صحبت میں بغیر کسی خاص ذہن وفکر کے آئے اور کوئی غرض بھی ہو جب بھی وہ اس کی برکت کو محسوس کرے گا۔ اور آہستہ آہستہ ان کی مقناطیسی شخصیت اپنی طرف کھینچتی رہے گی۔

۳۔ تیسری وجہ معرفت ہے۔ یعنی ان کی صحبت سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

نفس اور شیطان سے مقابلہ کرتے ہوئے اسے کس طرح مغلوب کیا جائے؟ ان کی صحبت سے اس کا فن آتا ہے۔ نفسانی اور شیطانی مکر و فریب سے ایک انسان خوب واقف ہو جاتا اور ان سے بچنے کی تدبیروں سے اچھی طرح آگاہ ہو جاتا ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ دعا ہے۔ یعنی یہ جہاں ساری امّت کے لیے دعا کرتے ہیں وہاں خصوصیت کے ساتھ اپنے متعلقین اور مریدوں کے لیے دعا کرتے ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کی مخلصانہ دعا بہرحال قبولیت کی تاثیر رکھتی ہے۔

ان چار وجوہ کے علاوہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور وجہ بیان کرتے ہیں، وہ یہ کہ دلوں میں سے دلوں میں خفیہ راستے ہوتے ہیں۔ غیر مرئی طور پر اللہ والوں کے دلوں کی ایمانی طاقت ان کے ہم نشینوں پر اثر کرتی ہے۔ اور ان کے طاقتور یقین کا نور ان کے جلیسوں کے ضعیف اور کمزور یقین کو توانائی بخشتا اور نورانی بناتا رہتا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو، دو چراغ ہوتے ہیں، ان کا وجود اور جسم ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے مگر فضا میں دونوں کے نور ایک ہوتے ہیں، ان میں کوئی علیحدگی نہیں ہوتی اسی طرح اللہ والے کا جسم اور تمہارا جسم تو الگ الگ ہے مگر ان کے دل کا کامل نور تمہارے ضعیف نور کو کامل کر دے گا اور درمیان میں جسم حائل نہیں ہو سکے گا۔

اگر بات یاد نہ رہے

فرمایا: بزرگوں کی صحبت اور اس کی تعلیمات سے اپنے کو آراستہ کیجیے۔ بزرگانِ دین جو نصیحت کریں اس کو غور سے سنیں اور اس پر پابندی سے عمل کریں۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ بات تو یاد نہیں رہتی ہے، پھر سن کر کیا فائدہ؟

میرے بھائیو! بات یاد نہ رہے تو اس کی فکر نہ کیجیے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، جس طرح غذا کھا کر انسان بھول جاتا ہے مگر اس کے اثرات جسم میں باقی رہتے ہیں، اسی طرح اگر بات آپ بھول جائیں تو کوئی مضایقہ نہیں۔ اس کے نورانی اور روحانی اثرات باقی رہتے ہیں۔ ماحول اور صحبت کا اثر ہر حال میں ہوتا ہے۔

ایک شیطانی دھوکا

فرمایا: یہ کہنا کہ اب اس زمانے میں اللہ والے کہاں، ''مسلمانی در کتاب ومسلمانان در گور'' تو یہ محض شیطانی دھوکا ہے۔ جس دن اللہ والے نہ ہوں گے تو یہ زمین وآسمان بھی نہ ہوں گے۔ قیامت تک اہل اللہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ ہاں ان کی پہچان سب کو نہیں ہوتی، اپنے ماحول کے نیک بندوں سے معلوم کرنے سے ان کا پتا چل جائے گا۔ جن کی صحبت سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت، آخرت کی فکر پیدا ہو، دنیا کی محبت کم ہونے لگے اور اخلاق واعمال کی درستی ہونے لگے تو سمجھ لو کہ وہ اللہ والا ہے۔ حضرت حکیم الامّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی صحبت میں دس آدمی بیٹھتے ہوں تو ان میں اگر ۵ یا ٦ آدمی بھی نیک بن گئے تو سمجھ لو کہ یہ صاحبِ برکت ہے، اللہ والا ہے۔

میں بھی کسی کا بگاڑا ہوا ہوں

فرمایا: ایک شخص حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، اس کا لڑکا اس کے ساتھ تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حضرت! اسے آپ ''بنادیجیے''۔ وہ لڑکا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اور صحبت میں رہنے لگا جس کے اثرات اس کی زندگی پر مرتب ہوتے رہے۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ اللہ والا ہو گیا۔ جب گھر آیا تو کھیتی باڑی میں جی کم لگنے لگا۔ نماز، قرآن کی تلاوت اور اذکار میں اس کا شغف اور انہماک بڑھا ہوا تھا۔ وہ شخص حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کرنے لگا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرے لڑکے کو بنادیجیے، مگر آپ نے تو اسے ''بگاڑ دیا'' حاجی صاحب نے فرمایا: ظالم! میرے پاس کیوں لایا تھا، میں بھی تو کسی کا بگاڑا ہوا ہوں۔ ظاہر ہے میری صحبت میں رہے گا تو وہ بگڑے گا ہی۔ گویا حاجی صاحب نے ''اصلاح'' کو ''بگاڑ'' سے تعبیر کیا۔ اسے بلاغت کی اصطلاح میں تاکید المدح بما یشبہ الذم کہتے ہیں۔ یعنی عنوان تو بظاہر ذم اور بُرائی کا ہو مگر مقصود اس سے مدح اور تعریف میں مبالغہ ہو۔

اہل اللہ کی صحبت کا فائدہ

فرمایا: حافظ عبد الولی صاحب بہرائچی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت! میرا حال بہت خراب ہے نہ جانے قیامت کے دن میرا کیا حال ہو گا۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ ان شاء اللہ! بہت اچھا حال ہو گا، اگر کاملین میں نہ اٹھائے گئے تو ان شاء اللہ! تائبین میں ضرور اٹھائے جائیں گے۔ اور یہ بڑی نعمت ہے۔ اور فرمایا کہ یہ ہمارے سلسلہ کی برکت ہے جو لوگ اللہ والوں سے جڑے رہتے ہیں محروم نہیں رہتے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کانٹے پھولوں کے دامن میں اپنا منہ چھپائے ہوئے ہیں ان کو باغبان گلستاں سے نہیں نکالتا، لیکن جو خالص کانٹے ہیں اور پھولوں سے اعراض کیے ہوئے ان سے مستغنی اور دور ہیں، ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

آں خارمی گریست کہ اے عیب پوش خلق
شد مستجاب دعوت او گلعذار شد

ایک کانٹا زبانِ حال سے رو رہا تھا کہ اے مخلوق کے عیب چھپانے والے خدا! میرا عیب کیسے چھپے گا کہ میں تو کانٹا ہوں۔ اس کی یہ فریاد و گریہ زاری قبول ہوئی اور حق تعالیٰ کے کرم نے اس کی عیب پوشی اس طرح فرمائی کہ اس پر پھول اُگا دیا جس کی پنکھڑیوں کے دامن میں اس خار نے اپنا منہ چھپا لیا۔ پس اگر ہم کانٹے ہیں نالائق ہیں تو ہمیں چاہیے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا کریں۔ اس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ! اوّل تو ہم خلعتِ گل سے نواز دیے جائیں گے یعنی اللہ والے ہو جائیں گے ورنہ اگر کاملین میں نہ ہوئے تو تائبین میں ان شاء اللہ تعالیٰ! ضرور اٹھائے جائیں گے، مثلِ خار کے محروم نہ رہیں گے۔ اس مضمون کو احقر نے اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے، شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے ؎

ہمیں معلوم ہے تیرے چمن میں خار ہے اخترؔ
مگر خاروں کا پردہ دامنِ گل سے نہیں بہتر

چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گلِ تر کے
تعجب کیا چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

اہل اللہ کی صحبت کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ ان سے تعلق رکھنے والا گناہ پر قائم نہیں رہتا، توفیق توبہ ہو جاتی ہے اور شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ بخاری کی روایت ہے **هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ**[۳۳] یعنی یہ ایسے مقبولانِ حق ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم اور شقی نہیں رہ سکتا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری فتح الباری جلد ۱۱ میں حدیث شریف کے اس جملہ کی یہ تشریح کی ہے۔ **اِنَّ جَلِيْسَهُمْ يَنْدَرِجُ مَعَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ مَا يَتَفَضَّلُ اللهُ بِهٖ عَلَيْهِمْ اِكْرَامًا لَّهُمْ**[۳۴] اہل اللہ صالحین کی صحبت میں بیٹھنے والا ان ہی کے ساتھ درج ہو جاتا ہے، ان تمام نعمتوں میں جو اللہ تعالیٰ اللہ والوں کو عطا فرماتا ہے اور یہ اہل اللہ کا اکرام ہوتا ہے۔ جیسے معزز مہمان کے ساتھ ان کے ادنیٰ خدام کو بھی وہی اعلیٰ نعمتیں دی جاتی ہیں جو معزز مہمان کے لیے خاص ہوتی ہیں۔ پس اہل اللہ کے جلیس و ہمنشین کو بھی ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرماتے۔

حضرت علامہ الحاج فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کے اندر دین کی پیاس ہی نہ ہو تو ایسے لوگوں کو بھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اللہ والوں کی صحبت میں جس طرح طالبین صادقین فیض یاب ہوتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ جن کے قلوب دین کی طلب اور پیاس سے خالی ہیں، ان کو اللہ والوں کی صحبت سے دین کی پیاس اور طلب بھی عطا ہوتی ہے، یہ نہ سوچنا چاہیے کہ جب ہمارے اندر دین کی طلب صادق نہیں ہے تو ہم کو اللہ والوں کے یہاں کیا ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کی صحبت میں پارس پتھر کا اثر رکھا ہے اور پارس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ لوہا جب اس سے چھو جاتا ہے تو فوراً سونا بن جاتا ہے۔

۳۳؎ صحیح البخاری: ۹۴۸/۲ (۶۴۴۳)، باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ، المکتبۃ المظہریۃ

۳۴؎ فتح الباری: ۲۱۳/۱۱، باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ، دار المعرفۃ، بیروت

سلوک و تصوف

سخن میں یوں تو بہت موقع تکلّف ہے
خودی خدا سے جھکے بس یہی تصوف ہے

(اکبر الٰہ آبادی)

سلوک کیا ہے؟

فرمایا: بھائیو! انسان کے اندر ظاہری وباطنی جو مرض ہوتا ہے، عجب وکبر وغیرہ ان تمام چیزوں سے سلوک انسان کو بچاتا ہے۔ انسان سے عجبِ باطنی اور کبرِ ظاہری کو نکال کر عجز وخلوص پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے لیے ایک قسم کی باقاعدہ محنت اور مجاہدہ درکار ہوتا ہے، اس محنت ومجاہدہ کو سلوک کے وظائف کہتے ہیں۔

بھائیو! غیر اللہ سے جتنی محبت ہوتی ہے ان میں سب سے خطرناک چیز جو ہے وہ ”حبِ جاہ“ ہے۔ یہ بڑی مشکل سے سب سے آخر میں نکلتی ہے۔ اس کے لیے بڑی ریاضت درکار ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ ہر طرح کی مدد کرتے تھے انسانی حد تک سہارا تھے اور مضبوط سہارا، جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ طیبہ پڑھنے کی نہ صرف درخواست کی بلکہ اصرار کیا مگر اس نے جواب دیا اِخْتَرْتُ النَّارَ عَلَی الْعَارِ۔ یعنی اس کلمہ کے بعد لوگ کہیں گے کہ ابو طالب نے آخری وقت ڈر کر آبائی دین کو چھوڑ دیا۔ اس طرح میری سرداری کی عظمت کو داغ لگ جائے گا اور منصب بدنام ہو جائے گا، اس لیے میں نے اس عار وشرمندگی کے مقابلے میں دوزخ کی آگ کو اختیار کر لیا۔

بھائیو! دیکھا آپ نے ”حبِ جاہ“ یہاں بھی نہ گئی۔ اسی لیے بزرگانِ دین ہمیشہ کوشش کرتے ہیں۔ یہ تمام ذلیل خصائل محنت ومجاہدۂ نفس کے ذریعے مٹا دیے جائیں، بس اسی کا نام ”سلوک“ ہے۔

مٹنا ہی آباد ہونا ہے

فرمایا: طریقت وتصوف کی دنیا میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ آدمی اپنے کو مٹا دے، خاک میں مل کر ہی ”گل وگلزار“ بن سکتا ہے۔ یہاں ”میں“ کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ جب تک اپنے کو خالی کر کے نہیں لائے گا تو اس میں وہ کیا بھر کر لے جائے گا۔ میرے بھائی! اسی لیے کہتا ہوں کہ مرشد کے حوالے کر دو اپنے آپ کو، ان کے سامنے

اپنی بڑائی کا احساس لے کر مت جاؤ۔ جب تک مکمل انقیاد و اطاعت بلکہ سپردگی نہیں پائی جائے گی اس وقت تک اس راہ کی صحیح منفعت سے ہمکنار ہونا مشکل ہے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب درخواست کی تھی، آہ ؎

نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پہ میں لایا ہوں
مٹا دیجیے مٹا دیجیے میں مٹنے ہی کو آیا ہوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے پوچھا تھا، خدایا! آپ کا ''قرب'' کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟ جواب مرحمت ہوا۔ دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ اِلَیَّ اپنے نفس کو چھوڑ دو اور میری طرف چلے آؤ۔

بھائیو! یہ نفس اور اس کے تقاضے بہت خطرناک اور خدا تک پہنچنے میں سدّ راہ ہوا کرتے ہیں، جب تک اس سے مکمل چھٹکارانہ مل جائے خدا تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ بھائیو! لوگ مرشدوں اور مربیوں کے پاس جاتے ہیں مگر ساتھ ساتھ ''انا'' بھی لیتے جاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہاں میری خوب آؤ بھگت ہو، خاطر و مدارات ہو، یہ بات درست نہیں ہے۔ اپنے مربیوں کے پاس ایسا احساس لے کر ہرگز نہ جاؤ، اسی میں طالب کا فائدہ ہے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ
یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے

حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ باوجود یہ کہ بڑے عالم و فاضل تھے مگر دہلی کی گلیوں اور سڑکوں پر اپنے مرشد حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں سر پر لیے مرشد کی سواری کے پیچھے دوڑتے تھے۔ اس لیے کہتا ہوں کہ بھائیو! مرشد سے عقیدت و محبت ہونی چاہیے۔ ان کے سامنے اپنی ہستی کو طالب و محتاج کی طرح پیش کرنا چاہیے، یہی عشق و سرمستی، سربلندی و کامرانی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

شہادت نہیں میری ممنونِ خنجر

فرمایا: میدانِ جہاد میں دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا جانا یقیناً

مقامِ شہادت کو حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور صلحاء کے ساتھ خصوصی انعام واحسان کا وعدہ کرتے ہوئے ''شہداء'' کا بھی ذکر فرمایا ہے یعنی انہیں بھی اپنے خصوصی انعام سے نوازیں گے۔ مگر فضیلتِ شہادت صرف میدانِ جہاد ہی میں حاصل نہیں کی جاسکتی اسے ہم اپنی عام زندگی میں بھی حاصل کرسکتے ہیں، اس وقت جبکہ ہم نفس کی ناجائز خواہشات کا خون کریں اور اللہ کی مرضیات کو اپنے قول و عمل پر ترجیح دیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف نام ہے نفس پر ہر وقت خدا کے حکم کا آرا چلانے کا۔ اسی حقیقت کو میں نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

تیرے حکم کے تیغ سے میں ہوں بسمل
شہادت نہیں میری ممنونِ خنجر

سالک کے لیے ہدایات

فرمایا: جس سالک کو دو چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں وہ کامیاب ہو جاتا ہے جو یہ ہیں: ۱) مجاہدۂ تام ۲) شیخ کامل کی صحبتِ تام۔

وہ سالک ناکام رہتا ہے جو شیخ کامل کی صحبتِ تام تو حاصل کیے ہوئے ہے مگر شیخ کے حکموں کی تعمیل نہیں کرتا ہے۔ اپنی جانب سے طالب شیخ کی ہر ہر بات پر فدا ہو جائے۔ شیخ جو بات بھی تجویز کردے اس کے متعلق سمجھے کہ یہ بات ہم کو الہام کے ذریعے بتائی گئی ہے۔ شیخ کی گرفت اور احتساب سے تکلیف تو ضرور ہوتی ہے مگر اس کی برکت سے دل میں نورِ تقویٰ بڑھتا ہے۔ برسوں کے مجاہدہ اور نوافل سے بعض دفعہ وہ نور نہیں پیدا ہوتا جو شیخ کی ایک ڈانٹ اور احتساب و گرفت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ سالک بھی کامیاب نہیں ہوسکتا جو شیخ کے حقوق ادا نہیں کرتا ہے۔ شیخ کے چار حق ہیں ؎

چار شرطیں لازمی ہیں استفادہ کے لیے
اطلاع و اتباع و اعتماد و انقیاد

شیخ جو بات بھی تجویز کردے اسی میں اپنے لیے فلاح وکامیابی سمجھنا چاہیے، اپنی رائے کو ذرّہ برابر بھی دخل نہ دے۔ شیخ کا ہر کام مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

جب تک فنائے رائے کی ہمت نہ پائے
کیوں کر آپ عشق کی محفل میں آئے

تصوّف کی تعریف

فرمایا: تصوف کے بارے میں مشائخِ تصوّف فرماتے ہیں:

وَهُوَ عِلْمٌ تُعْرَفُ بِهٖ اَحْوَالُ تَزْكِيَةِ النَّفْسِ وَتَصْفِيَةُ الْقَلْبِ وَتَعْمِيْرُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ لِنَيْلِ السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ

ترجمہ: تصوف اس علم کا نام ہے جس سے تزکیۂ نفس اور صفائی قلب اور تعمیر ظاہر و باطن کے تدابیر معلوم ہوتے ہیں تاکہ اس پر عمل کر کے سعادتِ ابدی حاصل ہو اور **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا**[۳۵] کے وعدے کے مطابق فلاح حاصل ہو۔

تصوف اور صوفی کی وجہ تسمیہ

فرمایا: علامہ ابو القاسم قشیری رسالہ قشیریہ ص۸ میں فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو صحابی کا اور حضرات تابعین کو تابعی کا اور بعد میں تبع تابعین کا لقب کافی تھا اس کے بعد جو لوگ بہت عابد زاہد اور متبعِ سنت ہوتے تھے انہوں نے اپنے مسلک اور طریق کا نام تصوف تجویز کیا اور اسی جماعت کا لقب صوفی کہا جاتا تھا۔ اور یہ جماعت دو ہجری سے قبل ہی وجود میں آچکی تھی۔ لیکن اسمِ تصوف کا وجود اگرچہ دو سو ہجری کے بعد ظہور میں آیا مگر اس کا مسمّٰی یعنی احسان اور اخلاص حدیث میں موجود تھا اور اس حدیث سے ایمان اور اسلام کی صحت کا احسان اور اخلاص پر موقوف ہونا اہلِ علم پر بالکل واضح ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکاتیبِ رشیدیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ فی الواقع شریعت فرض اور مقصد اصل ہے اور طریقت بھی شریعتِ باطنی ہے اور

۳۵؎ الشمس:۹

حقیقت و معرفت متمّمِ شریعت ہیں، اتباعِ شریعت بکمال بدون معرفت نہیں ہو سکتا۔

ضرورتِ مرشد پر علّامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

فرمایا: امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب رسالہ قشیریہ میں ضرورتِ مرشد پر کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثُمَّ یَجِبُ عَلَی الْمُرِیْدِ اَنْ یَّتَاَدَّبَ بِشَیْخٍ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ اُسْتَاذٌ لَا یُفْلِحُ اَبَدًا وَھٰذَا اَبُوْیَزِیْد رحمۃ اللہ علیہ یَقُوْلُ مَنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ اُسْتَاذٌ فَاِمَامُہُ الشَّیْطٰنُ وَسَمِعْتُ الْاُسْتَاذَ اَبَا عَلِیِّ الدَّقَّاقِ یَقُوْلُ: اَلشَّجَرَۃُ اِذَا نَبَتَتْ بِنَفْسِھَا مِنْ غَیْرِ غَارِسٍ فَاِنَّھَا تُوَرِّقُ وَلٰکِنْ لَّا تُثْمِرُ، کَذَالِکَ الْمُرِیْدُ اِذَا لَمْ یَکُنْ لَّہٗ اُسْتَاذٌ یَاْخُذُ مِنْہُ طَرِیْقَتَہٗ نَفَسًا فَنَفَسًا فَھُوَ عَابِدٌ ھَوَاہُ لَا یَجِدُ نَفَاذًا[۳۶]

ترجمہ: پھر مرید پر واجب ہے کہ کسی شیخ سے ادب اور تعلیم و تربیت حاصل کرے، اگر اس کا کوئی شیخ نہیں تو کبھی فلاح نہ پائے گا، ابویزید فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی استاد نہیں اس کا راہ بر شیطان ہو گا، یعنی اس کے کہے پر چلے گا۔ میں نے اپنے استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو درخت کہ خود رَو ہوتا ہے وہ پتے تو لاتا ہے مگر پھل نہیں لاتا ہے۔ اسی طرح مرید کا بھی یہی حال ہے یعنی جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو گا جس سے وہ طریق شیئاً فشیئاً حاصل کرے تو پھر وہ اپنی خواہشِ نفسانی کا غلام بن جائے گا اور اس کو اس غلامی سے کبھی خلاصی نہیں ہو سکتی۔

بیعت کا مقصد

فرمایا: حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، اپنے رسالہ "بیعت" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اے سالکینِ طریق! سن لو، بیعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان غفلت اور

۳۶؎ الرسالۃ القشیریۃ:۳۸۰،باب الوصیۃ للمریدین،المکتبۃ العصریۃ،بیروت

معصیت سے نکل کر تقویٰ اور طاعت کی زندگی بسر کرنے لگے اور بیعت کے لیے ایسے عالم باعمل متقی کو منتخب کرے جو شیخِ کامل کا تربیت یافتہ ہو اور اپنے مشایخ کا اتباع کرتا ہو، خود رائی میں مبتلا نہ ہو ورنہ بدعت کا راستہ کھل جائے گا۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں مداہن اور متساہل نہ ہو۔ نیز طالب کے حال کے لیے جو چیزیں افضل اور اسہل ہوں اس سے واقف ہو۔ اور مرید کو چاہیے کہ شیخ کے ہاتھ میں اس طرح رہے جس طرح مردہ زندہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے، یعنی اس کی رائے میں اپنی رائے کا دخل نہ دے (اور یہ اتباعِ کامل اس کے معالجہ روحانی اور اصلاحِ رذائل کے باب میں بتائے ہوئے تدابیر کے اندر ہے جس طرح جسمانی علاج میں ڈاکٹر و حکیم کی رائے کا مریض کو اتباعِ کامل کا مشورہ دیا جاتا ہے مگر یہ اتباع صرف علاج تک محدود رہتا ہے پس بعض اہل ظاہر کو اتباع شیخ کے لفظ سے جو وحشت ہوتی ہے وہ اس تحقیقِ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے رفع ہوجانی چاہیے)۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت مولانا مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اپنی کتاب ''مالا بد منہ''میں فرماتے ہیں: بداں کہ اسعدک اللہ تعالیٰ ایں ہمہ کہ گفتہ شد صورتِ ایمان واسلام وشریعت است ومغز وحقیقت در خدمتِ درویشاں باید جست وخیال نباید کرد کہ حقیقت خلافِ شریعت است کہ ایں سخن جہل وکفرست۔

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو نیک بخت بنائے، یہ جو بیان گزرا تو ایمان اسلام اور شریعت کی ظاہری صورت تھی، باقی اس کا مغز اور حقیقت درویشوں کی خدمت میں تلاش کرنا چاہیے اور یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ حقیقت شریعت کے خلاف ہے، یعنی مقابل کوئی چیز ہے کیوں کہ ایسی بات زبان سے نکالنا جہالت بلکہ کفر ہے۔

پھر ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ نورِ باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست بداں نور سینہ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر وشر بفراستِ صحیحہ دریافت شود۔ (مالابد منہ)

ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ باطن کو بزرگوں کے سینے سے حاصل کرنا چاہیے اور اس نور سے اپنے سینے کو روشن اور منور کرنا چاہیے تاکہ ہر خیر و شر بفراستِ صحیحہ کے ذریعے معلوم ہوسکے۔

اصطلاحِ تصوف کے دو لفظ

فرمایا: اصطلاحِ تصوف میں قلب کو غیر حق سے خالی کرنے کا نام تخلیہ ہے اور پھر انوارِ حق سے منور کرنے کا نام تحلیہ ہے۔ تخلیہ کے دو طریقے بزرگوں نے لکھے ہیں:

۱) دل کی ایک ایک بیماری کا علاج شیخ سے کرایا جائے۔

۲) دل کے اندر عشقِ حق حاصل کیا جائے جو سب غیر کو سوختہ کر دیتا ہے مگر یہ کسی خدا کے عاشق بندہ کی صحبت ہی سے ملتا ہے۔

پہلا طریقہ دیر طلب ہے۔ دوسرا آسان اور کم وقت میں منزل تک پہنچاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دی ہے کہ کسی جنگل کو صاف کرنا ہے تو اس کی دو صورت ہے ایک تو یہ کہ ایک ایک درخت کو ختم کیا جاوے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دیں، تمام جنگل مختصر مدت میں صاف ہو جائے گا۔ بس یہی دوسرا طریقہ عشق ہے۔ جب دل میں خدائے پاک کی محبت پیدا ہو جاتی ہے تو ہر حکم کو ماننا اور عمل کرنا آسان ہی نہیں بلکہ لذیذ تر ہو جاتا ہے۔ چناں چہ دنیا میں ہر شخص رات دن اس کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، کہ جس سے محبت نہیں ہوتی اس کے لیے معمولی تکلیف و محبت بھی پہاڑ معلوم ہوتی ہے اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کے لیے بڑی سے بڑی مشقت آسان تر بلکہ لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ یہی راز ہے جو انبیاء علیہم السلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے حیرت انگیز جانی اور مالی اور بدنی قربانیوں اور محنتوں میں پوشیدہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اہلِ دنیا کے فانی محبوب نظر آتے ہیں اور وہ محبوبِ حقیقی صرف اپنے صفات کا ظہور فرماتے ہیں اور ذات پاک کو مخفی رکھتے ہیں تاکہ اپنے عاشقین کو عالمِ آخرت میں اپنے دیدار کی نعمت سے مسرور فرمائیں گے۔

اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی توجہات

فرمایا: احقر نے اپنے مرشد حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ فرماتے سنا کہ قاز ایک چڑیا ہے جو انڈے دے کر دور پہاڑوں پر چلی جاتی ہے اور ہزاروں میل سے توجہ اپنے انڈوں کو پہنچاتی ہے اور ان سے بچے نکل آتے ہیں تو اولیائے کرام کی روحانی توجہات اور دعائیں مریدین کے بُعدِ حسی کے باوجود اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ البتہ حضرت حکیم الامّت تھانوی قدّس سرّہ فرماتے ہیں کہ کچھ مدت ایک دفعہ شیخ کی خدمت و صحبت میں رہ لینا ضروری ہے جس کی مدت ٦ ماہ ہے ورنہ چالیس دن تو ضرور ہی رہ لینا چاہیے۔ پھر خط وکتابت سے کام چل جاتا ہے۔

حاصلِ تصوف

مرتب عرض کرتا ہے: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ذراسی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے۔ اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہوئی اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی اس کی محافظ ہے اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے۔ (معمولاتِ یومیہ و مختصر نصاب اصلاحِ نفس)

تصوف کیا ہے؟

فرمایا: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ ایک مرتبہ دس بجے صبح کو میں اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اوپر جاکر کہا کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ آئے ہیں، رائے پور جارہے ہیں صرف مصافحہ کرنا ہے۔ ایک گونہ مجھے ان سے بے تکلفی تھی۔ میں نے کہا: جلدی بلائیے۔ مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر کہا: رائے پور جارہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے

جار ہا ہوں اور پرسوں صبح واپسی ہے، اس کا جواب آپ سوچ رکھیں واپسی میں جواب لوں گا، "یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟" میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا "صرف تصحیح نیت" اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتدا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ[۳۷] (ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) سے ہوتی ہے اور انتہا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ[۳۸] (تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو) میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے دلّی سے یہ سوچتا آرہا ہوں، کہ تو یہ جواب دے گا، تو یہ اعتراض کروں گا، اور یہ اعتراض کرے گا تو یہ جواب دوں گا۔ اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ میں نے کہا: جاؤ، تانگے والے کو بھی تقاضا ہو گا، میرا بھی حرج ہو رہا ہے، پرسوں تک اس پر اعتراض سوچتے رہیو، اس کا خیال رہے کہ دن میں مجھے لمبی بات کا وقت نہیں ملنے کا، دو چار منٹ کو تو دن میں بھی کرلوں گا، لمبی بات چاہو گے تو مغرب کے بعد ہو سکے گی۔ مرحوم دوسرے ہی دن شام کو مغرب کے قریب آگئے اور کہا کہ کل رات تو ٹھہرنا تو مشکل تھا اس لیے کہ مجھے فلاں جلسے میں جانا ہے اور رات کو تمہارے پاس ٹھہرنا ضروری ہو گیا، اس لیے ایک دن پہلے میں چلا آیا، اور یہ بھی کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے نہ تم سے کبھی عقیدت ہوئی نہ محبت، میں نے کہا: علیٰ ہذا القیاس، مرحوم نے کہا "مگر تمہارے کل کے جواب نے مجھ پر بہت اثر کیا اور میں کل سے اب تک سوچتا رہا، تمہارے جواب پر کوئی اعتراض سمجھ میں نہیں آیا۔" میں نے کہا ان شاء اللہ! مولانا! اعتراض ملنے کا بھی نہیں۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ سارے تصوف کی ابتدا ہے اور اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ سارے تصوف کا منتہا ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ

متیٰ ما تلق من تھوٰی دع الدنیا و أ مھلھا

---

۳۷ صحیحُ البخاری: ۲/۱(۱)، باب کیف کان بدء الوحی، المکتبۃ المظھریۃ

۳۸ صحیح البخاری: ۱۲/۱(۵۰)، کتابُ الایمان، باب سؤال جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام، المکتبۃ المظھریۃ

میں نے کہا: مولوی صاحب! سارے پاپڑ اسی کے لیے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف وکرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بعد اکابر اور حکمائے امت نے قلبی امراض کی کثرت کی بنا پر مختلف علاج جیسا کہ اطبائے بدنی امراض کے لیے تجویز کرتے ہیں، روحانی اطباء روحانی امراض کے لیے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط ہیں، نسخے تجویز فرماتے ہیں۔ جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں، بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔ پھر میں نے مرحوم کو متعدد قصے سنائے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ''آپ بیتی نمبر ۲''

غوّاص کو مطلب ہے گہُر سے کہ صدف سے

بلند پایہ عالمِ دین اور اہلِ قلم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں ''جہاں تک تصوف کے مقصد وحقیقت کا تعلق ہے، وہ ایک متفق علیہ اور بدیہی حقیقت ہے لیکن اس کو دو چیزوں نے نقصان پہنچایا ہے ایک وسائل کے بارے میں غلو اور افراط سے کام لینا، دوسرے اصطلاح پر غیر ضروری حد تک زور دینا اور اس پر بے جا اصرار کرنا۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اخلاص واخلاق ضروری ہیں یا نہیں۔ یقین کا پیدا ہونا مطلوب ہے یا نہیں۔ فضائل سے آراستہ ہونا اور رذائل سے پاک ہونا، حسد، کبر، ریا، بغض اور کینہ، حب مال، حب جاہ اور دوسرے اخلاقِ ذمیمہ سے نجات پانا نفسِ امّارہ کی شدید گرفت سے خلاصی پانا کسی درجہ ضروری یا مستحسن ہے یا نہیں۔ نمازیں خشوع وخضوع، دعا میں تضرع وابتہال کی کیفیت، محاسبۂ نفس کی عادت اور سب سے بڑھ کر اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، حسی حلاوت ولذت کا حصول یا کم سے کم اس پر شوق واہتمام، صفائی معاملات، صدق وامانت اور حقوق العباد کی اہمیت اور فکر نفس پر قابو رکھنا غصہ میں آپے سے باہر نہ ہو جانا کسی درجہ میں مطلوب ہے یا نہیں؟ تو ہر سلیم الفطرت

انسان اور خاص طور پر وہ مسلمان جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہیں ہے، یہی جواب دے گا کہ یہ چیزیں نہ صرف مستحسن بلکہ شرعاً مطلوب ہیں اور سارا قرآن اور حدیث کے دفتر اس کی ترغیب و تاکید سے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر کہا جائے کہ ان ہی صفات کے حصول کا ذریعہ وہ طریق عمل ہے جس کو بعد کی صدیوں میں تصوف کے نام سے پکارا جانے لگا تو اس کے سنتے ہی بعض لوگوں کی پیشانی پر شکن پڑ جائے گی، اس لیے کہ اس اصطلاح سے ان کو وحشت اور اس کے بعض بر خود غلط علمبر داروں اور دعوے داروں کے متعلق ان کے تجربات نہایت تلخ ہیں، ان کے حافظے میں اس وقت وہ واقعات ابھر آتے ہیں جو ان کو معاملہ کرنے پر یا ان کو قریب سے دیکھنے پر ان کے ساتھ پیش آئے۔ لیکن یہ صرف تصوف ہی نہیں، ہر علم و فن، ہر اصلاحی دعوت اور ہر نیک مقصد کا حال ہے کہ اس کے حاملین و عاملین میں اور اس کے داعیوں اور دعوے داروں میں اصلی و مصنوعی، محقق و غیر محقق، پختہ و خام، یہاں تک کہ صادق و منافق پائے جاتے ہیں۔ اور ان دونوں نمونوں کی موجودگی سے کوئی حقیقت پسند انسان بھی اس ضرورت کا منکر اور سرے سے اس فن کا مخالف نہیں بن جاتا، دنیاوی شعبوں کا بھی یہی ہے کہ تجارت ہو یا زراعت، صنعت ہو یا ہنر، ہر ایک میں کامل و ناقص اور راہ بر اور راہ زن دونوں پائے جاتے ہیں، لیکن دین و دنیا کا نظام اسی طرح چل رہا ہے کہ آدمی اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور ناقصوں یا مدعیوں کی وجہ سے اس دولت سے محرومی اور اس مقصد سے دست برداری اختیار نہیں کرتا اور کسی اصطلاح سے عدم اتفاق کی وجہ سے وہ اصل حقیقت کو نہیں ٹھکراتا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

تصوف کے سلسلے میں دو گروہ پائے جاتے ہیں، ایک وہ جو تمام اجزا کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کرتا ہے، لیکن جب اس کے مجموعہ کو کوئی نام دے دیا جاتا ہے تو وہ اس سے انکار کر دیتا ہے۔ ہم نے اوپر جن مقاصد و صفات کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً سب لوگوں کو علیحدہ علیحدہ تسلیم ہیں، لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے (کسی وجہ سے) اس کے مجموعہ کا نام

تصوف رکھ دیا ہے تو فوراً تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تصوف کو نہیں مانتے اور تصوف نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اگر کوئی اسی حقیقت کا نام بدل کر پیش کرے اس کو قبول کرلیتا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ قرآنِ مجید کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ، حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان اور بعض علمائے متأخرین کی اصطلاح میں اس کا نام فقہ باطن ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اور یہ سب چیزیں منصوص ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک لکھی ہوئی ساری کتابوں میں نہ ترمیم ہو سکتی ہے اور نہ زبانِ خلق کو جو نقارۂ خدا کہی گئی ہے، روکا جاسکتا ہے۔ ورنہ اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم اس کو تزکیہ واحسان کے لفظ سے یاد کرتے اور تصوف کا لفظ ہی استعمال نہ کرتے، لیکن اب اس کا معروف نام یہی پڑ گیا ہے۔ اور یہ کسی فن کی خصوصیت نہیں، علوم وفنون کی ساری تاریخ اسی طرح کی مروّجہ اصطلاحات سے پُر ہے۔ محققینِ فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا ہے اور وسائل کو وسائل ہی کی حد تک رکھا۔ اسی طرح انہوں نے بڑی جرأت اور بلند آہنگی سے ان چیزوں کا انکار کیا جو اس کے روح اور مغز اور اصل مقاصد سے نہ صرف خارج بلکہ ان کے منافی اور اکثر اوقات ان کے لیے مضر ثابت ہوتی ہیں۔ تاریخِ اسلام میں کوئی ایسا دور نہیں گزرا کہ اس فن کے داعیوں، معلّموں اور اہلِ تحقیق نے مغز و پوست، حقائق واشکال اور مقاصد ورُسوم میں فرق نہ کیا ہو۔

پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سب نے قشر ولب لباب، مقصود وغیر مقصود میں پوری وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا اور ان رسوم وعادات کی اس شدت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے اختلاط یا صوفیائے خام کے اثر سے داخل ہوگئی تھیں، اور ان کو تصوف اور طریقت کا جزو سمجھ لیا گیا تھا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوح الغیب ہو یا غنیۃ الطالبین یا شیخ شہاب الدین سہروردی

رحمۃ اللہ علیہ کی عوارف المعارف ، حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مکتوبات امامِ ربانی ہوں، یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات ، یا حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی صراط مستقیم ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات یا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت السالک و قصد السبیل ، ہر جگہ یہ مضامین بکثرت ملیں گے کہ انہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا۔ اور جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے انہوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ

”نسبتِ صوفیا کبریت احمر است ور سومِ ایشاں ہیچ نیرزد۔“

(یعنی صوفیائے کرام کی نسبتِ باطنی تو نعمتِ عظمیٰ ہے اور کیمیا ہے لیکن ان کے رسوم (جن کا شریعت سے ثبوت نہیں) کوئی قیمت نہیں رکھتے۔

اسی طرح ان سب حضرات نے بلا استثنا اخلاق و معاملات، حقوق العباد کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور اس کو اصلاح و قرب کے لیے شرط قرار دیا ہے ۔ ان حضرات کی تصانیف بھی اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکیر و تبلیغ سے ہمیشہ معمور ہیں۔

ہم نے جن بزرگوں کا زمانہ پایا اور ان کی خدمت میں پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کو دیکھ کر تصوف کے قائل اور معتقد ہوئے ان میں ہم نے تصوف و طریقت ہی کا نہیں دین و شریعت کا لب لباب پایا۔ ان کے اخلاق، اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پر تو، ان کے معاملات و اعمال اور ان کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اس کی ترازو میں تلی ہوئی دیکھی، ان کو ہمیشہ مقاصد و وسائل کے درمیان فرق کرتے ہوئے اصطلاحات سے مستغنی ہو کر اور اکثر ان کو فراموش کر کے حقائق پر زور دیتے ہوئے دیکھا۔ رسوم سے بے پروا و بے گانہ اور بدعات کا سخت مخالف اور منکر پایا۔ ان کے اتباعِ سنت کا دائرہ صرف عبادات نہیں بلکہ عادات و معاملات تک وسیع اور محیط پایا وہ اس فن کے مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے جو اپنی خداداد بصیرت، طویل تجربہ سے اس فن میں کبھی اختصار سے کبھی انتخاب سے اور کبھی حذف و ترمیم سے کام لیتے اور ہر ایک کے

مزاج کے مطابق نسخہ تجویز کرتے اور معالجہ فرماتے اور علاج و پرہیز میں طبایع و مشاغل حالات کا پورا لحاظ رکھتے، ان کی شان اس کے بارے میں مجتہد فن، اطباء واضعینِ فن کی ہے جو اپنے فن کے محکوم نہیں حاکم ہوتے ہیں اور جن کے سامنے اصل مقصود فائدہ اور مریض کی صحت ہوتی ہے نہ کہ لکیر کے فقیر بننا اور رٹے ہوئے سبق کا دہرا دینا۔ ان حضرات کے نزدیک اخلاق کی، اصلاح معاملات کی صفائی، طبیعت میں اعتدال کا پیدا ہونا، ضبطِ نفس اور ایثار، انقیاد و اطاعت اور ہر چیز میں اخلاص و رضائے الٰہی کی طلب تصوف کا اصل مقصود اور اذکار و مجاہدات، صحبتِ شیخ حتیٰ کہ بیعت و ارادت کا اصلی فائدہ ہے۔ اگر یہ حاصل نہیں تو یہ ساری محنت کوہ کندن کاہ بر آوردن کے مترادف ہے اور اس شعر کے مصداق کہ؎

خواجہ پندارد کہ مردِ واصل است
حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

ہزار سال سے زیادہ کا تجربہ اور صلحائے امت کا اتفاق

مشہور عالم دین مولانا منظور نعمانی مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ قریباً ہزار سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت سے امّت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صالح ترین طبقہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ نور یقین اور رابطہ مع اللہ یعنی احسانی نسبت حاصل کرنے کے لیے صوفیائے کرام کا یہ طریقہ (جس کا نام سلوک و طریقت) اصولاً صحیح اور نتیجتاً کامیاب ہے۔ کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ مشاہیر اولیائے امت مثلاً خواجہ معروف کرخی، بشر حافی، سری سقطی، شفیق بلخی، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، ابو بکر شبلی، شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ احمد رفاعی، شیخ ابوالحسن شاذلی، خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بہاء الدین نقشبندی اور پھر ہمارے اس دوسرے ہزارہ کی گزشتہ تین صدیوں میں خواجہ باقی باللہ، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور ان کے خلفاء اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور سید احمد شہید (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور ان

جیسے ہزاروں، بلاشبہ ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اس نسبت کے حامل، بلکہ اس راہ کے امام اور داعی ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک ایک کی صحبت اور تربیت سے اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندوں کو یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ جو شخص ان سلسلوں سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان بزرگوں کو جو کچھ حاصل ہوا اسی راہ سے حاصل ہوا تھا۔ پس جس طریقے نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے کاملین اور اس قدر اصحاب احسان ویقین پیدا کیے ہوں، جن کو بجا طور سے اس امّت کا گلِ سرسبد کہا جاسکتا ہے اس کے صحیح اور کامیاب ومقبول ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

اغلاطِ تصوف اور ان کی اصلاح

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ہاں جس طرح دین کے دوسرے شعبوں میں، عقائد میں بھی اور اعمال میں بھی، امت کے بعض حلقوں سے چھوٹی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں، اسی طرح سلوک وتصوف کا شعبہ بھی غلطیوں سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس طرح علمائے ربانی ومجددین اُمّت کے ذریعے عقائد واعمال کی غلطیوں کی اصلاح ہوتی رہی ہے اسی طرح اس شعبۂ احسان وتصوف کے سلسلہ کی اغلاط وضلالات کی اصلاح بھی من جانب اللہ محققین صوفیا کے ذریعے برابر ہوتی رہی ہے۔ (خاص کر ان آخری تین چار صدیوں میں تصوف کی اصلاح وتجدید کا جو کام ہندوستان میں ہوا ہے، وہ تو دُودھ اور پانی کو الگ الگ کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند وجانشین خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے ضخیم ضخیم دفتر، پھر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور ان کے مکاتیب، پھر حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مرتب کیا ہوا حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و افادات کا مجموعہ (صراط مستقیم) پھر خاص ہماری اس صدی میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلے کے رسائل ومکاتیب اور سب سے آخر میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تصنیف کیا ہوا اس سلسلے کا ایک پورا

کتب خانہ۔ ان کوششوں نے تصوف کو اتنا صاف وروشن اور ایسا بے غِل وغش کر دیا ہے کہ اب اس راہ میں کسی کا گمراہ ہونا صرف اس کی بد قسمتی ہے۔)

پس کسی کے لیے جس طرح یہ درست نہیں ہے کہ وہ دین کے نظام عقائد یا نظام اعمال میں کچھ طبقوں کی غلط روی کی وجہ سے غیر مطمئن ہو کر عقائد واعمال کی فکر سے بے نیاز ہو جائے، اسی طرح کسی کے لیے یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ احسان وتصوف میں کچھ لوگوں کی غلط روی کی وجہ سے دین کے اس شعبہ ہی سے بے نیاز ہو جائے جس کے بغیر بندہ کا دین کامل نہیں ہوتا اور حلاوتِ ایمانی نصیب نہیں ہوتی۔

ولی کی تعریف

صاحب عقائد نسفی نے لکھا ہے:

اَلْوَلِیُّ هُوَ الْعَارِفُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی وَصِفَاتِهٖ حَسْبَ مَا یُمْكِنُ، اَلْمُوَاظِبُ عَلَى الطَّاعَاتِ، اَلْمُجْتَنِبُ عَنِ الْمَعَاصِیْ، اَلْمُعْرِضُ عَنِ الْاِنْهِمَاكِ فِی اللَّذَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ[39]

یعنی ولی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں حتی الامکان زیادہ معرفت رکھتا ہو، طاعتِ الٰہی میں مستغرق اور گناہوں سے مجتنب ہو اور لذات وشہوات سے بے زار ہو"۔ جس طرح تمام بندوں میں نبی خدا کا مقرب ہوتا ہے اسی طرح ہر نبی کی امت میں سے بعض لوگ روحانی وایمانی کمالات کے سبب بارگاہِ خداوندی میں باریاب اور مقبول ہو جاتے ہیں۔ ان کی علمی وعملی حالت امت کے تمام افراد سے ممتاز ونمایاں ہوتی ہے۔ ان کو تمام کمالات نبوت کے طفیل سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور نبی کی تابع داری سے وہ اس مرتبہ کو پہنچتا ہے۔ اس کو بڑی بڑی قوتیں اور نشانیاں دی جاتی ہیں یعنی ان کو کرامت کی قوت عطا فرمائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کے ہاتھ سے کرامات کا اظہار

---

۳۹ بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة وشریعة نبویة فی سیرة احمدیة: ۲۰۳/۱، باب الثانی فی الامور المهمة فی الشریعة المحمدیة، الفصل الاول فی تصحیح الاعتقاد، مطبعة الحلبی

فرماتا ہے تاکہ اس کے نبی کی نبوت سے انکار کرنے والے کرامت کو دیکھ کر نبی کی صداقت کے قائل ہو جائیں۔ پس اولیاء اللہ کا وجود اور ان کی کرامت حق ہے۔

ولی کے ذاتی خصائل

شیخ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ صوفی یا ولی کون ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا **هُوَ الَّذِیْ یَکُوْنُ فِیْ وَجْهِهٖ حَیَاءٌ وَفِیْ عَیْنِهٖ بُکَاءٌ وَفِیْ قَلْبِهٖ صَفَاءٌ وَفِیْ لِسَانِهٖ ثَنَاءٌ وَفِیْ یَدِهٖ عَطَاءٌ وَفِیْ وَعْدِهٖ وَفَاءٌ وَفِیْ لُطْفِهٖ شِفَاءٌ** کہ ولی وہ ہے جس کے چہرے پر حیا، آنکھوں میں گریہ، دل میں پاکی، زبان پر تعریف، ہاتھ میں بخشش، وعدہ میں وفا اور بات میں شفا ہو۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کے اوصاف وخصائص اپنی کتاب ”فتوح الغیب“ میں یہ لکھتے ہیں:

”خدا کی محبت ورضا کو بلا طلبِ اغراض واعواض منظورِ خاطر رکھے، اپنے اوپر تذلّل اور اخلاص کو لازم رکھے، اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا رہے اور روح کو ذکرِ الٰہی سے زندہ رکھے۔ ان کی صحبت میں جب بیٹھے تو اپنے عزت وشرف کا غلبہ رکھے اور فقیروں کی مجلس میں عاجزی کرے، بے شرمی، شوخی اور بد خلقی نہ کرے۔ مسلمانوں سے حسنِ ظن رکھے، ان کے مفاد کا خیال رکھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ساعی رہے۔ کسی کی برائی اور بغض وکینہ اپنے سینے میں نہ رکھے حتیٰ کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کے حق میں دعا کرے، سوائے خدا کے کسی کا خوف وخطر اپنے دل میں نہ رکھے اور خلقِ خدا سے بے نیاز رہے۔ دنیا میں سچائی اور حقیقت کا گواہ رہے، ہمیشہ سچائی اور حق وصداقت کا اعلان کرتا رہے، ادائے فرض کی راہ میں کسی مصیبت اور آزمائش سے نہ ڈرے، نذرو نیاز پر گزر اوقات نہ رکھے بلکہ اپنی روزی اپنے قوتِ بازو سے فراہم کرے اور اکلِ حلال پر نظر رکھے۔“ (فتوح الغیب مقالہ:76)

اولیاء اللہ کی پہچان کا قرینہ

اسلام کے گلیم پوش، محرم اسرار، مخزنِ انوار خدا رسیدہ لوگ جس قدر گزرے ہیں، ان کی شناخت اور اولیاء اللہ کی پہچان کا معیار یہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مِنْ عَلَامَاتِ مَحَبَّةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مُتَابَعَةُ حَبِيْبِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَخْلَاقِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَوَامِرِهٖ وَسُنَّتِهٖ

محبتِ الٰہی کی علامات حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اخلاق وافعال اور اوامر اور سنت میں کرنا ہے۔

یعنی اخلاق وافعال میں سنتِ رسول کی متابعت کرنا ہی سچی درویشی اور علاماتِ اہل اللہ ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَوْ لَا نَظَرْتُمْ اِلٰى رَجُلٍ اُعْطِيَ مِنَ الْكَرَامَاتِ حَتّٰى يَرْتَقِيَ فِي الْهَوَاءِ فَلَا تَغْتَرُّوْا بِهٖ حَتّٰى تَنْظُرُوْا كَيْفَ تَجِدُوْنَهٗ عِنْدَ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَحِفْظِ الْحُدُوْدِ وَاَدَاءِ الشَّرِيْعَةِ

اگر تم کسی درویش کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھو تو اس کی کرامت سے دھوکا نہ کھاؤ جب تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی، حفظِ حدود اور ادائے شریعت میں کیسا ہے۔ یعنی اگر تم متابعتِ شریعت میں من کل الوجوہ مطابق پاؤ تو سمجھ لو کہ بے شک وہ ولی کامل ہے۔

اور اگر اس کے بر خلاف پاؤ تو سمجھ لو کہ یقیناً وہ بر عکس نام نہند زنگی کافور ہے۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ لَّمْ يَزِنْ اَفْعَالَهٗ وَاَقْوَالَهٗ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَلَا تَعُدَّهٗ فِيْ دِيْوَانِ الرِّجَالِ [۴۰]

---

[۴۰] حلیۃ الاولیاء: ۲۳۰/۱۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

جس کے افعال واقوال ہمہ وقت کتاب وسنت کے مطابق نہ ہوں اس کو مردانِ خدا میں سے نہ سمجھو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تصوف علومِ دین کا خلاصہ ہے جو باطنی اجتہاد سے حاصل ہوتا ہے اس کا تعلق علمِ ظاہر کے ساتھ جان وتن کا سا ہے۔ یعنی علمِ ظاہر تن ہے اور علم باطن جان، اَلْعِلْمُ دُوْنَ الْعَمَلِ وَبَالٌ وَالْعَمَلُ بِدُوْنِ الْعِلْمِ ضَلَالٌ یعنی علم بے عمل عذاب ہے اور عمل بے علم گمراہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تصوف کے لیے شریعت اور شریعت کے لیے تصوف کی سخت ضرورت ہے، دونوں لازم وملزوم ہیں۔

(معروضاتِ مرتب ختم)

❖❖❖❖

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں
تجھ پہ رحمت کرے خالقِ دوجہاں

بجلیوں سے بچاتا ہے ربِّ جہاں
ایک تدبیر کمزور ہے آشیاں

چشمِ ترخوں فشاں آہ سوئے سماں
ہیں مرے دردِ دل کے یہ سب ترجماں

کیا یہ شمس وقمر یہ زمیں آسماں
اپنے خالق کا دیتے نہیں ہیں نشاں

کیا جہاں میں نمودار خود ہوگئے؟
ہر وجود اپنے موجد کا خود ہے نشاں

ہستی انساں کی خالق پہ شاہد ہے خود
تیرے اندر ہے وہ خالقِ دوجہاں

ہو کے مخلوق خالق کا منکر بنے
اس حماقت پہ ہے لعنتِ دوجہاں

یہ صدا سن لو اختر کی اے دوستو
خالقِ جاں پہ کردو فدا اپنی جاں

اصلاح وتزکیہ

نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پر میں لایا ہوں
مٹا دیجیے مٹا دیجیے میں مٹنے ہی کو آیا ہوں

(خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

تزکیہ کی ضرورت

فرمایا: تزکیۂ نفس ضروری ہے، ہر شخص کو اس کی فکر کرنی چاہیے۔ قرآنِ مجید میں ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى[۱] (تحقیق کہ کامیاب ہوا وہ شخص جس نے نفس کو سنوار لیا) مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "تزکیہ" چوں کہ فعل متعدی ہے اس لیے مفعول کے ساتھ فاعل کی ضرورت ہے، یعنی "مزکی" کی جو اس کا تزکیہ کرے۔ جس طرح "مربّہ" جو حکیموں کے یہاں ہوتا ہے اس کے لیے "مربی" کی ضرورت ہے۔

شیخ سے مناسبت ضروری ہے

فرمایا: جب آپ نے تزکیہ اور شیخ کی ضرورت واہمیت کو سمجھ لیا تو اس حقیقت پر بھی آپ کی نظر رہنی چاہیے کہ شیخ کے انتخاب میں جلدی نہ کی جائے بلکہ پہلے اس سے رابطہ و تعلق قائم کرکے مناسبت دیکھ لی جائے اور یہ معلوم کرلیا جائے کہ مزاج وطبیعت کی ہم آہنگی ہوسکے گی یا نہیں؟ جب اس حیثیت سے اطمینان ہوجائے تو بیعت کرے۔ اس سے ان شاء اللہ! بڑا فائدہ اور نفع ہوگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی اصول تھا، جب تک آپ کی طبیعت سے کسی کو مناسبت نہ ہوجاتی اس وقت تک سلسلۂ بیعت میں داخل نہیں فرماتے تھے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ڈاکٹر کسی مریض اور کمزور کو خون چڑھاتا ہے تو ہر دو خون میں مناسبت دیکھ لیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے۔ اگر دونوں خون میں مناسبت نہیں ہوگی تو جسے خون چڑھایا جارہا ہے اس کے لیے ضرر و نقصان کا باعث ہوگا، بلکہ زندگی بھی خطرے میں پڑسکتی ہے۔ سوچیے جب جسمانی زندگی کے لیے مناسبت ضروری ہے تو کیا روحانی زندگی کے لیے مناسبت کی ضرورت نہیں ہوگی؟ بلکہ سچی بات یہ ہے اس زندگی کے لیے پہلی زندگی سے کہیں زیادہ مناسبت کی ضرورت ہے۔ اس

---

[۱] الاعلی: ۱۴

لیے ایک طالبِ حق کو لازمی طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ جب کوئی ایسا مناسب شیخ مل جائے گا تو دل صاف اور بے غبار ہو گا۔

تزکیۂ نفس میں شیخ کا بنیادی طریقہ

فرمایا: ہمارے سلسلہ کے اکابر اور مشائخ نے تخلیہ پر زیادہ محنت کی ہے۔ یعنی غیر اللہ سے صفائی کا اہتمام کراتے ہیں، پھر تحلیہ (بنانا، سنوارنا) بہت آسان ہو جاتا ہے۔ یعنی اخلاق رذیلہ کی اصلاح کو اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل سے مقدم فرماتے ہیں۔ چناں چہ پہلے ذکر بتا دیتے ہیں اور عشق کی آگ سے غیر اللہ کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی محبت کی برکت سے ہر حکم پر عمل کرنا اور ہر گناہ کا چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ سہل اور جلد کامیابی کا راستہ ہے۔

گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

فرمایا: شیخ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ معمر اور سن رسیدہ ہو۔ ایک جواں سال بھی شیخ اور پیر ہو سکتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے ”بزرگی بہ عقل است نہ بسال“ یعنی بزرگی کا حقیقی معیار عقل ہے نہ کہ سال۔ اس لحاظ سے اس شخص کی عمر کم ہو گی جو عقل و ہنر علم و معرفت اور تقویٰ وطہارت میں کمتر درجہ رکھتا ہے، اور اس شخص کی عمر زیادہ ہو گی جو ان اعتبارات سے درجۂ کمال پر فائز ہے۔ کتنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے جو سن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے تھے لیکن اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا معلم اکبر اور مرشد اعظم بنائے ہوئے تھے۔ سن کی کمی زیادتی اور فرق و امتیاز نے کبھی بھی ان کی منزل علم و معرفت کو کھوٹی نہیں کی۔

ایک واقعہ یاد آیا جس کا تعلق حضرت مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ لکھا ہے کہ دہلی میں ایک بوڑھا شخص ان سے بیعت ہوا، جبکہ یہ ابھی جوان تھے۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو عار دلانے لگے کہ تم کس جوان سے مرید ہو گئے، کیا وہ تمہارا پیر بھی بن سکتا ہے؟ وہ بوڑھا شخص ان تمام باتوں کو صبر و سکون کے ساتھ سنتا رہا، چوں کہ اسے حضرت

جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات اور گونا گوں خصوصیات سے واقفیت تھی اور دل اس کا ان کے دامِ محبت میں گرفتار ہو چکا تھا، اس کے پیشِ نظر اس نے ایک برجستہ شعر کہا۔

جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہے
گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

روحانی اور اخلاقی مرض کے علاج کی اہمیت

فرمایا: اگر آپ کے اندر کوئی روحانی اور اخلاقی مرض ہو تو اسے معمولی نہ سمجھیے۔ ممکن ہے کہ آہستہ آہستہ یہ مرض بڑھ کر آپ کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی موت کا سبب بنے۔ اس لیے اس کے علاج کی طرف فوری توجہ کیجیے، اور جو بھی حالت ہے بلا کم و کاست اپنے شیخ یا کسی بزرگ سے بیان کر دیجیے۔ اس میں نہ کسی طرح کی جھجک محسوس کرنی چاہیے نہ کسی عار کو دل میں جگہ دینی چاہیے۔ بزرگانِ دین تو ایسے لوگوں سے بہت خوش ہوتے ہیں جو بلا تکلف اپنے امراض ان سے بیان کر کے علاج کی خواہش کرتے ہیں۔ اگر آپ نے اپنی زندگی کا یہ دستور اور معمول بنالیا تو دیکھیں گے کہ آپ کس طرح رذائل سے پاک ہو کر فضائل کی بلندیوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔

اصلاح کا اثر

(حضرت حکیم صاحب نے شیخ کی ضرورت اور اس کی اصلاح و تربیت کے جو دور رس اثرات انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اس پر روشنی ڈالنے کے بعد اس ذیل میں ایک واقعہ کا ذکر فرمایا)

دو اچھے عالم ہیں، لوگوں میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، مگر شیطان کا سب سے زوردار حملہ عالموں پر ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ جانتا ہے، ہمارے دشمن تو اصل میں یہی ہیں۔ ایک دفعہ شیطان کے حملہ کی زد میں یہ دونوں بری طرح آگئے۔ ہوا یہ کہ کسی معاملے کو بنیاد بنا کر شیطان نے ان دونوں کے درمیان نفرت کا بیج ڈال دیا، رفتہ رفتہ اس بیج نے تناور درخت کی شکل اختیار کر لی۔ نوبت بایں جا رسید کہ ہر

دو کو ایک دوسرے کی صورت دیکھنا گوارہ نہ تھا۔ ہر جانب سے سخت غم وغصہ کا اظہار، ذہنی گھٹن ان دونوں کو پریشان کر رہی تھی۔ صلح وصفائی کی کوئی دوا کارگر نہ ہوئی، بلکہ حال یہ تھا کہ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' ان میں سے ایک کا اصلاحی تعلق ایک مرشدِ کامل سے تھا، ایک دن ان کے دل میں خیال آیا کیوں نہ حضرت کو صورتِ حال کی اطلاع دے کر مشورہ طلب کیا جائے۔ چناں چہ انہوں نے خط لکھا، یہ خط لکھنا دراصل اس بات کی علامت تھی کہ ان کا دل زندہ ہے اور مرض کا احساس ہے اور جنہیں مرض کا احساس ہوتا ہے وہ اس کے علاج کی فکر کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے افاقہ بھی پاتے ہیں۔ جواب میں حضرت نے جو علاج تجویز فرمایا اس کے پانچ اجزا تھے:

۱۔ آپ انہیں سلام میں پہل کرنے کی کوشش کریں۔

۲۔ کبھی کبھار اپنے گھر پر انہیں بلا کر ناشتے کی دعوت دیں۔

۳۔ ہدیہ وتحفہ دینے کا معمول رکھیں۔

۴۔ اپنی مجلسوں میں ان کی خوبیوں کا ذکر کریں۔

۵۔ خلوت اور جلوت میں ان کے لیے دعا کریں۔

ان پانچ باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں تھی جو ان کے نفس اور طبیعت پر بار کا موجب نہ بنے۔ گویا یہ ایک نہایت مفید مگر تلخ دوا تھی جس کا حلق کے نیچے اترنا دشوار تر تھا مگر تجویز شیخِ کامل کی تھی، عمل میں لائی گئی۔ آہستہ آہستہ تکدر ختم ہونے لگا، نفرت محبت میں بدلتی گئی، انبساط نے انقباض کی جگہ لینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دو دل جو کچھ دنوں پہلے بہت دور تھے آپس میں شیر وشکر ہوگئے۔ ہر ایک چہرہ دوسرے کے لیے گلاب کی طرح کھلنے لگا انہوں نے خود ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا ''میں نفرت وعداوت میں جادۂ اعتدال سے بہت دور جا پڑا تھا، اگر میں اپنے مرشد سے رجوع نہ کرتا اور وہ میری اصلاح نہ فرماتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ حضرت پر اپنی سو جان فدا کروں اور گر کر ان کے قدموں سے لپٹا رہوں'' کہ ان کی برکت سے کیسی پُرسکون حیات عطا ہوئی۔

فرمایا: یہ ہے شیخ کی اصلاح اور ان کی باتوں کو مان لینے کا اثر۔ اگر آج کسی

شیخِ کامل سے اپنا تعلق قائم کرنے اور ان کی اصلاحی باتوں کو مان لینے کا جذبہ عام ہو جائے تو سینکڑوں بُرائیاں ہماری زندگی سے نکل جائیں اور ان کی جگہ اچھائیاں لے لیں۔ لیکن آج ہم کسی کو بڑا بنانے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ ہی کو بڑا سمجھنے لگا ہے۔ جو اس کی طبیعت اور مزاج میں آئے خیال کرتا ہے کہ یہی صحیح ہے اور خواہشِ نفسانی کے بت کی پوجا زور شور سے جاری ہے۔ پھر اس ماحول میں اخلاقی اور روحانی امراض کا علاج ہو تو کیوں کر ہو؟ اور زندگی صاف ستھری بنے تو کیوں کر بنے؟ ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر بھلے بُرے کی تمیز پیدا کریں اور اپنی اصلاح سے کسی لمحہ بھی غافل نہ رہیں۔ اور اپنے کو کبھی مستقل بالذات نہ سمجھیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے اپنے کو مستقل بالذات سمجھا وہ مستقل بدذات ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ اپنے اوپر کسی بڑے کا سایہ رکھے اور ان سے مشورہ لیتا رہے۔ مشائخ بھی اس سے مستغنی نہیں ہیں۔ انہیں بھی اگر بڑا نہ ملے تو اپنے معاصرین یا چھوٹوں سے مشورہ لینا چاہیے۔ اور ارشاد فرمایا کہ شیخِ اوّل کے انتقال کے بعد فوراً دوسرا شیخ منتخب کر لینا چاہیے۔

دوا کے ساتھ پرہیز بھی ضروری ہے

فرمایا: کسی کو پیچش ہو، حکیم اس کے لیے اسپغول تجویز کریں، وہ اس کو استعمال تو کرے لیکن ساتھ کباب اور چٹنی بھی کھاتا رہے، بتائیے اس بدپرہیزی میں اسپغول کیا کام دے گا؟ اس وقت تو اور بھی غضب کے مروڑ آئیں گے۔ اسی طرح آپ اپنے مرضِ روحانی میں عملِ صالح کی دوا تو استعمال کریں مگر گناہ کی بدپرہیزی بھی جاری رہے تو اس طرح عملِ صالح کی دوا سے آپ کا مرضِ روحانی کیوں کر زائل ہو گا۔ ایک گناہ کے بعد دوسرے گناہ کا اور بھی ذوق بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے جس طرح صحتِ جسمانی کے لیے اچھی دوا کے ساتھ پرہیز لازمی ہے۔ اسی طرح صحتِ روحانی کے لیے بھی ”اعمالِ صالحہ“ کے اہتمام کے ساتھ برائیوں سے بچنا ازبس ضروری ہے۔ اس کے بغیر صحت کی توقع فضول ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ایک گناہ سے بچنا ایک ہزار رکعت تہجد پڑھنے سے بہتر ہے۔

اُف! کتنا ہے تاریک گناہ گار کا عالم

فرمایا: حق تعالیٰ کے راستے میں نفس کو حرام اور ناجائز لذتوں سے محروم ضرور ہونا پڑتا ہے مگر پائخانہ پیشاب سے بچنا ہی تو انسانی قدر و منزلت کا معیار ہے۔ پھر خدا کی راہ میں تکالیف اٹھانے میں چند دن کا تو مجاہدہ ہے مگر بعد میں قلب وروح کو جو چین و کیف اور سکون عطا ہوتا ہے بخدا وہ کسی گناہ گار کو خواب میں بھی میسر نہیں ہوسکتا گناہ گار کی زندگی تو نہایت عذاب اور سراپا تکلیف ہے۔ مخلوق میں رسوائی کا خوف خالق کے سامنے روسیاہی کا اندیشہ ہر وقت اس کے دل و دماغ کو زندہ در گور اور دنیا ہی میں دوزخ کے اندر ڈال دیتا ہے۔

اُف! کتنا ہے تاریک گناہ گار کا عالم
انوار سے معمور ہے ابرار کا عالم

(مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

خلاصہ یہ کہ گناہ گار کا جسم عارضی لذّت گناہ کی پاتا ہے مگر قلب وروح کو ہر وقت عذاب وبے سکونی میں گرفتار پاتا ہے، اور اللہ والے نفس کی خواہشات کو توڑ کر اپنے قلب وروح میں لافانی سکون وبہار جنت کی دائمی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجاہدہ میں یعنی گناہ چھوڑنے میں جسم کو تکلیف ہوتی ہے مگر قلب وروح میں نور پیدا ہوتا ہے۔ ایمان کی حلاوت عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب عطا ہوتا ہے۔

نفس کی اصلاح یا حلوہ وبلوہ

فرمایا: ایک بزرگ تھے، وہ سوکھی روٹی سے ناشتہ کیا کرتے تھے، ایک معتقد نے خیال کیا کہ عمدہ خوراک کھلانا چاہیے۔ انہوں نے حلوہ پیش کیا، بزرگ نے اپنے نفس سے کہا تو خوش ہوتا ہے، میں تجھ کو ایسے ہی حلوہ نہیں کھلاؤں گا. بھائیو! اللہ والے نفس کی کڑی نگرانی کرتے ہیں بشرطیکہ اللہ والے ہوں۔ حلوہ خور، پیٹو ہوں تو یہ اور بات ہے،

وہ تو ضرور حلوہ کھائیں گے، پیٹ بھر کر حلق تک کھائیں گے، پھر پیٹ میں ریاح کا ”بلوہ“ ہو گا۔ بھلا پھر وہ ”جلوہ“ کہاں دیکھ سکیں گے۔ شبِ براءت آرہی ہے حلوہ، بلوہ اور جلوہ یاد رکھنا۔ آج کل کہتے ہیں کہ حلوہ بھائی ضروری ہے۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے دندان مبارک توڑ لیے تھے، تو ان کی ماں نے حلوہ پکایا تھا، میں ان کی سنت اور یاد تازہ کرتا ہوں۔ جنگِ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے۔ اسی اتباع اور محبت میں حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دندان توڑ لیے تھے۔ حالاں کہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جنگ احد ہوئی تھی شوال میں اور آج حلوہ کھایا جاتا ہے شعبان میں۔ یعنی دو ماہ ایڈوانس حلوہ کھایا جارہا ہے اور دانت ایک بھی نہیں ٹوٹا، انہوں نے تو دانت توڑ لیے تھے۔ جس نے دانت توڑ لیے تھے وہ تو حقدار تھے مگر یہاں کہاں؟ لوگ کہتے ہیں کہ حلوہ اسی کی یاد ہے، مگر یہ یاد نہیں آتا ہے کہ نماز بھی پڑھیں۔ سب کچھ چھوڑ کر حلوہ رہ گیا، اور اس کے لیے قرض بھی لے کر کرنا کھانا پڑے تو پھر بھی کریں گے اور کھائیں گے۔ اور یہ یاد نہیں آتا ہے کہ نماز سے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے۔ بس صرف حلوہ رہ گیا ہے۔ ہاں تو اس بزرگ نے فرمایا حلوہ تو میں تمہیں کھلاؤں گا مگر ذرا کام لوں گا۔ روزانہ چار رکعت پڑھتے تھے اس دن آٹھ دس رکعتیں پڑھوائیں۔ ہر دو رکعت کے بعد کہتے تھے دو اور پڑھ لو۔ خوب کام لیا نفس سے، پسینے چھوٹ گئے۔ بھائیو! یہ نفس مزدور ہے اس سے کام لو، یہ ایک سواری اور گھوڑا ہے۔ چِھن جائے گا ایک دن یہ گھوڑا، آخرت میں، قبر میں لٹا دیے جاؤ گے۔ اس مزدور سے خوب کام لو، اس کو عیش مت دو۔ جیسے آپ کو کمشنر یا وزیر اعظم گھوڑا دے کہ جاؤ فوراً حیدر آباد جاؤ، سیلاب آگیا ہے وہاں جا کر کچھ کام کرو، آپ نے کیا کیا کہ گھوڑے کو خوب مکھن وعمدہ غذا کھلایا، تیل وسرمہ لگایا، گھوڑا جہاں کا وہیں، عمدہ چائے بھی پلائی، دوپہر کو شاندار مرغن غذا دیا، پھر بھی کام نہ لیا، ٹائم ختم ہو گیا۔ تو کیا کہے گا وزیر اعظم! بھائی گھوڑا اسی لیے دیا گیا تھا، بھائی! کھلاؤ اسے ضرور مگر اس سے کام لو۔ ویسے اللہ پاک نے ہمیں کھانے کی تو اجازت دی ہے مگر اس نفس سے کام بھی لینا ہے۔ کماؤ، کھاؤ، نفس کو کھلاؤ مگر اس سے خوب خوب کام لو۔

لفظوں کی تلوار

فرمایا: بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نیک بننا چاہتا ہے مگر اس کا ماحول یا معاشرہ اس کی راہ میں آڑے آتا ہے۔ کالج کے ساتھی طعنہ دیتے ہیں، دفتر کے احباب چھیڑتے ہیں، بعض والدین اولاد کو نیک نہیں بننے دیتے ہیں، کسی کی بیوی اتنی شیطان ہوتی ہے کہ شوہر کو نیک بننے نہیں دیتی۔ سوچئے! لوگوں نے تو اللہ کی راہ میں گردنیں کٹوادی ہیں اور ہم معمولی الفاظ کو برداشت نہیں کرسکتے۔ لوگوں نے لوہے کی تلوار سے گردنیں کٹوادیں تم الفاظ کی تلوار برداشت نہیں کرسکتے ہو۔ کسی نے آپ کو داڑھی رکھتا دیکھ کر ''ملّا'' کہہ دیا تو آپ گھبرا گئے، یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ شریعت کی راہ میں صبر وہمت سے کام لینا سیکھیے۔

خدا کی حفاظت

فرمایا: جو شخص خدا اور اس کے احکام کی پیروی کرے گا اپنے نفس اور معاشرہ سے مغلوب نہ ہوگا، خدا اس کی حفاظت فرمائے گا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مانتا ہے وہ خدا کے حکم کو مانتا ہے اور جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ خدا کی مخالفت کرتا ہے۔ پہلے لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل میں گردنیں کٹوادیں، اب اگر گردن نہیں کٹا سکتے ہیں تو کم سے کم تکلیف کی تلوار کو تو برداشت کیجیے۔ یاد رکھیے اگر آپ نفس یا معاشرہ سے مغلوب ہو کر خدا کی نافرمانی کریں تو خدا کی حفاظت سے محروم ہو جائیں گے اور جو شخص خدا کی حفاظت سے محروم ہو جائے وہ کسی وقت بھی عذاب میں پکڑا جاسکتا ہے۔

رجوع کرنے والوں کو قبول کرو

فرمایا: مجھے بیعت وارشاد کی اجازت مکہ مکرمہ سے جمعہ کے دن مرحمت ہوئی اور یہ حکم ملا کہ رجوع کرنے والوں کو قبول کرو۔ شرط صرف مناسبت ہو۔ مناسبت ہی اہم چیز ہے۔ اگر کوئی گناہ گار ہے تو اس کو برا اور بدکار سمجھ کر چھوڑ نہیں دینا چاہیے، پتا

نہیں کب وہ جہاز کی طرح اڑنا اور بلندیوں کو چھونا شروع کردے۔ اس لیے رجوع کرنے والوں کو قبول کرکے ان کی راہ نمائی کرنی چاہیے۔ رجوع کرنا خود توفیقِ خداوندی کی دلیل ہے۔ اگر اللہ توفیق نہ دیتا تو وہ رجوع بھی نہیں کرسکتا تھا۔

تربیت میں طبیعت کی رعایت

فرمایا: اگر کسی کی طبیعت میں نقشبندیت ہے، سکون ہے، ٹھنڈا پن ہے اس کو جوش میں لاکر گرم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر کسی کی طبیعت و مزاج میں جوش ہے، شورش ہے، اس کے آہ و نالہ کو اگر ہم ٹھنڈا کرنا چاہیں تو وہ گھٹ گھٹ کر مرجائے گا۔ طبعیتوں کا خالق اللہ ہے، اس کو کوئی کیسے بدل سکتا ہے۔ اس لیے شیخ کو چاہیے کہ طالب کی طبیعت کے لحاظ سے تربیت کرے، رنگ و مزاج کے لحاظ سے تربیت کرنی چاہیے۔ ایسی تربیت کا خاطر خواہ فائدہ اور نفع ہوتا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان

فرمایا: قطب عالم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عجیب و غریب امتحان لیا گیا۔ حضرت مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے خیال فرمایا کہ دیکھیں رشید کے نفس کا کیا حال ہے؟ ہندوستان میں لوگ تو آنکھوں پر بٹھاتے ہوں گے، اس عقیدت و محبت نے مغرور تو نہیں بنادیا ہے۔ حاضری پر کوئی خاص التفات نہیں فرمایا۔ مگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ باادب بیٹھے رہے۔ جب دستر خوان بچھا تو آپ کے ہاتھ میں روٹی رکھ دی گئی۔ دستر خوان پر بٹھایا بھی نہیں، بس دور ہی بٹھا کر پلیٹ کے بجائے ہتھیلی پر روٹی رکھ دی اور بغور چہرے کو دیکھنے لگے کہ دیکھیں کیا رنگ آتا جاتا ہے۔ مگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق و سرمستی کا عالم عجیب تھا، ہتھیلی پر روٹی تھامے فرطِ خوشی سے جھوم رہے ہیں۔ جب مرشد نے دیکھا کہ مرید میں کوئی عجب نہیں ہے تو پھر کمالِ التفات اور شفقت و عنایت فرمائی۔

بھائیو! اللہ والوں کے ساتھ یہی محبت اور شیفتگی رکھنی چاہیے جب ہی کامیابی ملتی ہے ورنہ غرور اور بڑائی کا احساس انسان کو ترقی سے روک دیتا ہے۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا اصلاحی تعلق

فرمایا: بھائیو! پیر وہی ہے جو دل کا پیر انکال دے۔ دنیا کی محبت نکال کر خدا کی محبت اور آخرت کی فکر بھر دے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے علم پر ناز تھا۔ جب علّامہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرنا چاہا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چند مختصر کتابچوں کے مطالعہ کے لیے لکھا۔ علامہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ سیرت النبی اور دوسری بڑی بڑی کتابیں لکھنے والے کو "کتابچوں" کے مطالعہ کا حکم دیا گیا تھا۔ علامہ نے یہ باتیں پھر لکھ بھیجیں۔ حضرت تھانوی نے کہا: جب آپ سمندر رہیں تو پھر دریا کی کیا ضرورت ہے؟ بہر حال علامہ نے ان کی شرطوں کو پورا کیا۔ واقعتاً علم نام ہے اس معرفت کا جو ذکر پر، یاد پر بے چین کر دے۔ اور عالم عالَمِ غیب کو یقین کے ذریعے عالَمِ شہادت میں بدل دیتا ہے۔ پھر جب علامہ نے رجوع کیا تو ان کی دنیا ہی بدل گئی، اور پھر عالم یہ ہوا کہ ذکر کی حلاوت کے بارے میں فرمانے لگے ؎

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیرِ دورِ جام ہے

تہجد کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں ؎

وعدہ آنے کا شب آخر میں ہے
صبح ہی سے انتظارِ شام ہے

آپ کی دنیا بدل چکی تھی۔ علم نے آگاہی و معرفت تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے ساتھ آپ کو اس پیر سے جس نے دل سے پیرا نکال دیا تھا اس درجہ لگاؤ، اُنس و محبت، عقیدت و وارفتگی تھی کہ لفظوں میں اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہتے تھے ؎

جی بھر کے دیکھ لوں یہ جمالِ جہاں افروز
پھر یہ جمالِ نور دِکھایا نہ جائے گا

چاہا خدا نے تو تیری محفل کا ہر چراغ
جلتا رہے گا یوں ہی بجھایا نہ جائے گا

فرمایا: میں نے بھی حضرت علامہ کی حالت کو سامنے رکھ کر ایک شعر کہا ہے ؎

میرے حال پر تبصرہ کرنے والو
تمہیں بھی کبھی عشق یہ دن دکھائے

بے جا غصہ سے پرہیز کیجیے

فرمایا: بے جا غصہ سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْغَضَبَ لَیُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ[۴۲]

بے جا غصہ کرنا ایمان کو ایسا ہی خراب کرتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد کو خراب کرتا ہے۔

شہد کتنا شیریں اور میٹھا ہوتا ہے لیکن ایلوا کی آمیزش سے اس کی ساری شیرینیت اور مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ وہ کڑوا ہو جاتا ہے، اس میں فساد آجاتا ہے، اسی طرح ایمان شہد سے بھی زیادہ شیریں اور میٹھا ہے مگر جب اس میں غصہ کی آمیزش ہو جاتی ہے تو اس میں بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے، فساد آجاتا ہے۔ آپ کیوں اپنے ایمان کو بے جا غصہ کی وجہ سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ عیش ہو یا طیش ہر حال میں خدائی احکام کی پابندی اور ایمانی تقاضوں کی تکمیل میں لگے رہیے، اس سلسلہ میں بہادر شاہ ظفر نے جو ایک بات کہی ہے اس سے کسی بھی صاحبِ ایمان کو مفر نہیں، وہ تو گویا اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کا ایک بہترین نسخہ ہے، وہ فرماتے ہیں ؎

---

۴۲ مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۴، باب الغضب والکبر، المکتبۃ القدیمیۃ

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیے گا خواہ ہو کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

شیطان کُش دوا

فرمایا: آج کل وسوسہ کی بیماری عام ہے۔ طرح طرح کے برے خیالات ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہیں شیطان کا ہر طرف سے حملہ ہوتا ہے، اسی طرح سے جس طرح کہ مچھر اور کھٹمل کا۔ لوگوں نے مچھر اور کھٹمل کو مارنے کی نئ نئ دوائیں ایجاد کی ہیں، اس کے باوجود ان کا مرنا یقینی نہیں۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ کو دور کرنے اور وسوسۂ شیطانی کو مارنے کے لیے ایک دوا تجویز فرمائی ہے، بہت مختصر مگر نہایت زود اثر اور فائدہ قطعی ہے۔ یہ دوا جامع صغیر میں موجود ہے۔ الفاظ یہ ہیں: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ[۴۳] (میں ایمان لایا اللہ پر اور تمام رسولوں پر) میں نے ایک تبلیغی اجتماع میں اس "شیطان کش" دوا کا ذکر کیا تو ایک صاحب اس کا ذکر کثرت سے کرنے لگے، بعد میں انہوں نے بتایا کہ یہ تو بہت مؤثر ہے۔ کتنے وساوس دور ہو گئے۔ میں بد نگاہی کے مرض میں بھی مبتلا تھا، گھر سے نکلتے ہوئے اور راستہ میں اس کا ورد کرتا تھا اس کی برکت سے میرا یہ مرض ختم ہو گیا میں نے اس وقت خیال کیا کہ اصل تعلق تو اس کا "ایمان" سے ہے مگر بہت خوب کہ اعمال میں بھی اس کی برکت کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ ہر بُرے خیال آنے کے ساتھ ذکر کے وقت نماز سے قبل، تلاوت کے وقت اور دوسرے "اعمالِ صالحہ" کے وقت اس کو پڑھ لیا کیجیے، ان شاء اللہ! بہت مفید پائیں گے۔

نفس زیادہ خطرناک ہے یا شیطان

فرمایا: شیطان سے زیادہ نفس خطرناک ہے۔ اس کی وجہ اس طرح سمجھیے کہ شیطان نام ہے ابلیس کا اور یہ پہلے معلم الملکوت تھا، اس کو نفس نے بہکایا کہ حضرت آدم

---

۴۳ الجامع الصغیر: ۱/۱۲۵، (۲۰۲۹)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

علیہ السّلام کو سجدہ مت کرو۔ پس معلوم ہوا کہ نفس زیادہ خطرناک ہے۔ اس نے ابلیس کو اتنے اونچے مقام سے نیچے گرادیا۔

انسان کے دل میں جو گناہ کرنے کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے یہ کیسے معلوم ہو کہ شیطان کا یہ وسوسہ ہے یا نفس کا؟ اس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ کے اندر بیان فرمایا ہے کہ جب دل میں گناہ کرنے کا خیال پیدا ہو تو اگر ایک ہی مرتبہ خیال آیا اور چلا گیا تو سمجھو کہ یہ شیطان کا وسوسہ تھا اور اگر بار بار دل میں گناہ کا تقاضا پیدا ہو، اِدھر رک بھی رہا ہے اور اُدھر سے وسوسہ اور شدت کر رہا ہے تو سمجھو کہ یہ نفس کا وسوسہ تھا۔ کیوں کہ نفس ہر وقت ساتھ رہتا ہے اور شیطان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ شیطان آپ کے پاس آئے گا اور گناہ کا ایک انجکشن دل میں لگا کر دوسروں کے پاس جائے گا کیوں کہ اس کے مریض تو بہت ہیں، اگر ایک ہی کے پاس رہے گا تو کیسے کام چلے گا۔ غرض کہ وہ ایک طرف سے سبھوں کو گناہ کا ایک ایک انجکشن لگاتا چلا جاتا ہے کہ گناہ کر ڈالو۔

تین گناہ چار عذاب

فرمایا: تین گناہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے چار قسم کے عذاب نازل ہوتے ہیں وہ گناہ یہ ہیں:

(۱) **اَلْمُسْبِلُ:** اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی لنگی یا اپنے پاجامہ کو ٹخنے سے نیچے رکھنے والا ہے خواہ وہ کبر کی نیت سے ہو یا تکاسل کی وجہ سے یا عادت کی بنا پر، کسی حال میں اجازت نہیں ہے۔ (البتہ اگر کسی کا پیٹ بڑا ہو اور کپڑا نہ ٹھہرے تو معذوری ہے۔) ایک آدمی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں معذور ہوں، میری لنگی میرے ٹخنوں کے نیچے خود بخود چلی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا اس طرح کہنا گناہ کرنے سے زیادہ بُرا ہے، تمہارے کہنے میں اس بات کی خواہش ظاہر ہوتی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ میں ٹخنوں کے نیچے لنگی کو رکھوں۔ میں نے اس بات کو بمبئی میں عرض کیا تھا تو فوراً بڑے بڑے انگریزی

داں اپنے اپنے پاجامے اوپر کرنے لگے۔ بعض دفعہ احکام سے محبت تو ہوتی ہے مگر واقفیت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے حکم کی تعمیل نہیں ہو پاتی ہے۔

(۲) اَلْمَنَّانُ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے اوپر احسان کرکے بعد میں جتلانا کہ میاں! وہی تو ہو کہ فلاں دن میں نے تمہاری مدد کی تھی۔

(۳) جو اپنا سودا جھوٹی قسم کھا کر بیچ دیتے ہیں اور سودے کا عیب نہیں بتاتے ہیں۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے مجھ سے خود نقل فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرغ تھا، اس کو یہ بیچنا چاہتے تھے۔ اس مرغ کے اندر ایک عیب تھا کہ وہ لوگوں کو کاٹ لیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر میں کسی خادم کو دوں تو ہوسکتا ہے کہ اس مرغ کے عیب کو گاہک پر نہ ظاہر کرے جس کی وجہ سے میں قیامت میں پکڑا جاؤں، چناں چہ حضرت خواجہ صاحب مجذوب بغل میں اس مرغ کو دبائے ہوئے بازار میں آئے، اس شان سے کہ سر پر گول ٹوپی ہے اور لمبا کُرتا ہے اور ہاتھ میں تسبیح ہے اور عہدہ کے اعتبار سے یہ کہ بڑے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ لکھنؤ کے فٹ پاتھ پر مرغ کو لیے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جو لینے کے لیے آتا پہلے اس کو اس کا عیب بتادیتے کہ بھائی! میرے اس مرغ میں یہ عیب ہے۔ اگر آپ کا جی چاہے تو خرید لیجیے۔ چناں چہ ایک صاحب نے اس مرغ کو خرید لیا۔ یہ کیا بات تھی اتنے بڑے آدمی ہوتے ہوئے لکھنؤ کے فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے مرغ بیچ رہے ہیں؟ دراصل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کی برکت تھی۔

ان تین گناہوں پر جو چار قسم کے عذاب ہیں وہ یہ ہیں:

۱-لَایُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات نہ کرے گا۔

۲-وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ

اور نہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر کرے گا۔

۳-وَلَا یُزَکِّیْھِمْ

اور نہ ان کو پاک کرے گا۔

۴- وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ[۴۴]

اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

منحوس گھڑی

فرمایا: سب سے بُری اور منحوس گھڑی انسان کے لیے وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کرتا ہے۔ انسان سے جب بھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لینی چاہیے ورنہ ذلیل ہوتا ہے۔

ایک چور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حضرت! میں نے یہ پہلی بار چوری کی ہے اس لیے مجھ کو معاف کر دیا جائے آیندہ ایسی غلطی نہ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو ایک مرتبہ کے گناہ کرنے پر ذلیل نہیں کرتے ہیں، جب تک وہ تین مرتبہ یا اس سے زیادہ نہ کرلے۔ چناں چہ جب معلوم کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ اس نے اس سے پہلے تین مرتبہ چوری کی تھی۔ اس لیے چاہیے کہ جب کبھی بھی کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ میں دیر نہ کرے۔ کتنی منحوس وہ گھڑی ہوتی ہے جس میں انسان اس ذات کی نافرمانی کرتا ہے جو اس کو روزی دیتا ہے جو احکم الحاکمین ہے۔ جب کبھی بھی کسی گناہ کی طرف دل رجوع ہو تو فوراً خیال کرنا چاہیے کہ ہم اس ذات کی نافرمانی کرنے جا رہے ہیں جس کا آسمان اور زمین ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زمین شق ہو جائے جس میں ہم چلے جائیں یا آسمان نہ پھٹ پڑے جس سے ہم ہلاک وبرباد ہو جائیں۔

کفالت کا نسخہ

فرمایا: دنیا میں انسان جب تک بالغ نہیں ہوتا ہے اس وقت تک اپنے ماں باپ کی کفالت میں رہتا ہے۔ بچہ بالکل بے خوف اور بے پروا رہتا ہے، جو ضرورت ہوتی

---

[۴۴] صحیح مسلم: ۱/۷۱، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار، ایچ ایم سعید

ہے اپنے والدین سے اس کو ذکر کر کے حاصل کرلیتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ جو طلبہ ہیں ان کو اگر کسی قسم کی ضرورت پڑے تو خط کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے گھر پر اطلاع کرکے اپنے والد اور والدہ سے سامان منگوالیتے ہیں مگر ان ہی طلباء کی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو ان کے والدین اور دیگر حضرات نہیں پورا کرسکتے مثلاً ان کو سبق یاد نہیں ہوتا ہے، اگر یہ لوگ اپنے والد کے پاس خط لکھیں کہ ہم کو سبق یاد نہیں ہوتا ہے اس لیے آپ مدرسہ میں آکر میرا سبق یاد کرلیا کریں، تو کیا ان کے والد اس طرح کریں گے؟ ہرگز نہیں اور اگر وقتی طور پر ان کے والد آکر سبق یاد کرلیں تو کیا ان کا سینہ کلام پاک کے نور سے منور ہوسکتا ہے، ہرگز نہیں۔ اسی طرح جب یہ لوگ یہاں سے پڑھ کر اپنے اپنے وطن جائیں گے اور بالغ ہوجائیں گے تو ان کی شادی کردی جائے گی۔ اب یہ اپنے باپ کی کفالت میں نہیں رہے، ان کے بچے پیدا ہوں گے اور ان کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرنا پڑے گا اور پریشانیاں زیادہ ہوں گی۔

اس مثال سے معلوم ہوا کہ بعض چیزوں کی کفالت تو دوسروں کی جانب سے ہوسکتی ہے اور بعض چیزوں کی نہیں۔ تو میں اس وقت ایک ایسا نسخہ بتارہا ہوں کہ جس سے ہر کام میں ہر جگہ کفالت ہو یعنی کوئی کام ایسا نہیں کہ جس کی کفالت نہ ہوسکے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ تقویٰ کو اختیار کرو تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ گناہ سے بچنا یعنی خدائے پاک کو ناراض نہ کرنا۔ یہ نسخہ ہے ہر کام کی کفالت کا۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اس کو اخروی انعامات کے علاوہ تین قسم کے انعامات دنیا ہی میں مل جاتے ہیں:

۱۔ دل کا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل سے نکال دے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح روزی دے گا کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا۔

ان انعامات کا اظہار سورۃ الطلاق کی آیتوں سے ہوتا ہے جن میں فرمایا گیا ہے۔

وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ [۴۵]

---

[۴۵] الطلاق: ۲،۱

اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نجات کی شکل نکال دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا[۲۶]

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے اس کے گناہ دور کرے گا اور اس کو بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔

پس اس آیتِ مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے حکم سے آسان فرمائیں گے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کسی انسان کی مدد سے اس کے کاموں کو آسان کر دوں گا بلکہ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ کی قید لگی ہوئی ہے یعنی اپنے ہی حکم سے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کرے گا۔ اور یہ حکم کسی مخصوص کام کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام کاموں کے لیے ہے، چاہے کیسا بھی کام ہو اللہ تعالیٰ اس کو سہل اور آسان کر دے گا۔

شیخ کی تنبیہ

فرمایا: شیخ کی ڈانٹ اور تنبیہ کو بُرا نہیں سمجھنا چاہیے، اس میں بہت مصلحت ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ شیخ کی ایک ڈانٹ وہ اثر کر جاتی ہے جو چالیس سالہ تربیت سے نہیں ہوتی ہے۔ جو حضرات اپنے شیخ کی ڈانٹ برداشت کرتے ہیں وہی کامیاب بھی ہوتے ہیں اور جو شیخ کی ڈانٹ برداشت نہیں کرتے، مشائخ کی ڈانٹ کو بُرا سمجھتے ہیں وہ کامیابی سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو آدمی آئے۔ ایک صاحب نے حضرت کے سامنے جھک کر کچھ بہت ہی آہستہ سے بات کی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کیا آپ نماز پڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے میرے سامنے رکوع کرنے لگے اور اتنی آہستہ

---

[۲۶] الطلاق: ۴،۵

سے بات کرکے مجھ کو تکلیف کیوں دی؟ ان صاحب نے فوراً اپنی غلطی کو تسلیم کرکے معافی مانگ لی۔ دوسرے صاحب کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ پیش آیا، ان کو بُرا معلوم ہوا اور وہ وہاں سے چلے گئے، جن صاحب نے معافی مانگ لی تھی، وہ تو کامیاب ہوگئے اور دوسرے صاحب محروم رہ گئے۔ کتنے بڑے بڑے لوگوں نے اپنے مشائخ کی ڈانٹ برداشت کی اور کامیاب ہوگئے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگوں نے جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد اپنے آپ کو کردیا، چندہی دن رہے اور ہر قسم کی ڈانٹ ڈپٹ کو برداشت کیا، چناں چہ کامیاب ہوگئے اور فرماتے ہیں کہ؂

لی فقیری بادشاہت ہوگئی
عشق کی ذلت بھی عزت ہوگئی

بھائیو! اس راہ کے اندر ہر قسم کی ڈانٹ ڈپٹ برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ تم فلاں جگہ چلے جاؤ، تمہارے حالات ٹھیک نہیں ہیں تو اس کو بھی برا نہیں سمجھنا چاہیے۔ غرضیکہ وہ جس طرح سے بھی ڈانٹیں اس کو برداشت کرو، ان شاء اللہ! کامیابی ہوگی۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؂

بڑی عشق میں ہیں بہاریں مگر ہاں
گھری خارزاروں سے پھلواریاں ہیں
نہ لو نام الفت جو خود داریاں ہیں
بڑی ذلتیں ہیں بڑی خواریاں ہیں

جو شخص شیخ کی ڈانٹ کو برداشت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ڈانٹ سے قیامت کے دن محفوظ رہے گا۔

ایک گزارش

فرمایا: میری ایک گزارش اور ہے وہ یہ کہ ہر شخص اپنا ایک شیخ منتخب کرلے جس کو اپنے امراضِ باطنہ سے مطلع کرکے نسخہ پوچھے اور اس پر عمل کرے۔ یہ

بہت اہم بات ہے۔ اور میں سچ کہتا ہوں کہ آپ کسی بھی قسم کا مرض لکھ دیں، خواہ وہ بدکاری کا مرض ہو یا چوری کا مرض ہو یا بدنگاہی اور بدگمانی کا مرض ہو اہل اللہ اپنی نظر میں آپ کو حقیر نہیں سمجھیں گے کہ یہ تو بہت برا ہے بلکہ آپ کی عزت ان کے دل میں اور بڑھ جائے گی کہ واقعی یہ آدمی مخلص ہے، اور میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ آپ فلاں ہی سے اصلاحی تعلق رکھیں بلکہ آپ کا دل جس طرف چاہے اس سے اصلاحی تعلق قائم کر لیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب اس بات کی تلقین کرتے کہ اپنا تعلق کسی شیخ کامل سے رکھ لو تو صرف اپنے ہی شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہ لیتے بلکہ بہت سے بزرگانِ دین کا نام شمار کراتے۔ اسی طرح میں بھی کوئی قید نہیں لگا رہا ہوں کہ آپ فلاں ہی سے تعلق رکھیں بلکہ آپ کا جس طرف دل مائل ہو اس سے رکھ لو، مگر چائے پانی والا تعلق نہیں، بستر بچھانے اور اٹھانے کا تعلق نہیں بلکہ اصلاحی تعلق رکھنے کا حکم ہے۔ ہاں ویسے ان حضرات کا بستر بچھانا اور اٹھانا اور ان کی خدمت کرنا ثواب سے خالی نہیں، لیکن تعلق درحقیقت اصلاحی ہونا چاہیے۔ اگر اصلاحی تعلق نہیں ہے تو وہ کتنا ہی ہاتھ پیر دبائے اور بستر بچھائے اور اٹھائے اور ان کے ساتھ سفر کرے فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص ڈاکٹر کے پاس جائے اور اس سے اپنے امراض نہ بتلائے بلکہ دوستی کا تعلق قائم کرے تو کیا اس کو فائدہ ہو جائے گا؟ اگر مریض اپنی چائے ڈاکٹر کو اور ڈاکٹر اپنی چائے مریض کو پلائے تو کیا مریض ٹھیک ہو جائے گا؟ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جب تک اپنے مرض اسے نہ بتائے گا اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر نہ چلے گا اس وقت تک مریض ٹھیک نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بزرگ کے پاس رہے اور اپنے امراضِ باطنہ نہ بتلائے اور ان کے حکموں کی تعمیل نہ کرے تو فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اپنے کو کسی شیخ کے تابع کر کے تو دیکھو کس طرح مزے کی زندگی گزرتی ہے۔

توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہیے

فرمایا: جب کبھی بھی کوئی غلطی اور گناہ ہو جائے تو معافی مانگنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ ایک مرتبہ کے گناہ سے اگر معافی نہ مانگے گا تو دوسرے گناہ کا اور

ارتکاب ہوگا اور ہر مرتبہ گناہ کرنے سے عادت مضبوط ہوتی چلی جائے گی، پھر ایک دن ایسا آئے گا کہ گناہ کرنے پر مجبور ہوجائے گا۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کی حالت اس طرح ہوجائے گی کہ وہ سڑکوں پر تمام لوگوں کے سامنے بدکاری کرنے لگیں گے۔ یعنی ان لوگوں کی گناہ کرنے کی عادت اس طرح ہوجائے گی کہ یہ گناہ کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اس لیے توبہ کرنے میں غفلت نہیں کرنی چاہیے اور یہ توبہ عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ دو رکعت صلوٰۃ توبہ پڑھ کر اللہ سے خوب رو رو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگنا چاہیے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معافی میں ''سجدہ گہ را تر کن از اشکِ رواں'' یعنی سجدہ گاہ کو رورو کر تر کردو کہ دل گواہی دینے لگے کہ بس بس اب توبہ قبول ہوگئی۔ اور اگر کسی کو رونا نہ آئے تو وہ رونے والوں کی طرح شکل بنالے۔

توبہ کی قبولیت کے آثار

فرمایا: انسان سے جب غلطی ہوجاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے رورو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے تو اس کے دل میں خود معلوم ہوجاتا ہے کہ میری توبہ قبول ہوگئی۔ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک آگ لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے بہت بے چینی دل میں محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جب رورو کر انسان اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے کرم کا پانی ان گناہوں کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ان گناہوں سے جو بے چینی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو گناہ ہوتے ہیں ان کا تعلق دوزخ کے ایک برانچ سے ہوتا ہے۔ جو شخص برانچ میں داخل ہوجاتا ہے وہ ہیڈ آفس کے اثرات کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ گناہ جہنم کی ایک برانچ ہے، جو جہنم کی ایک برانچ میں داخل ہوجائے گا اس کو ہیڈ آفس یعنی جہنم کی گرمی محسوس ہونے لگتی ہے، یعنی دل میں پریشانی بڑھ جاتی ہے، لیکن جب توبہ کرتا ہے تو آگ بجھ جاتی ہے اور آگ بجھتے ہی معلوم ہوجائے گا کہ توبہ قبول ہوگئی۔

تقویٰ کی حقیقت

فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[۴۷]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اتَّقُوا اللّٰهَ یعنی ڈرو اللہ سے وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اور ہو جاؤ صادقین کے ساتھ۔ یہاں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ مخاطب کرکے کہہ رہا ہے کہ اتَّقُوا اللّٰهَ یعنی ڈرو اللہ سے، لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ڈریں تو کیسے ڈریں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مسجد میں ذرا ٹھیک رہنا چاہیے، وہیں نماز، روزہ ادا کرلو اور اللہ سے ڈرلو بس کافی ہے، حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ اس کو اس طرح سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِتَّقُوْا ڈرو۔ یہ امر حاضر معروف ہے اور عربی قواعد کے مطابق امر بنا ہے فعل مضارع سے اور فعل مضارع کے اندر تجدد و استمرار، اور دوام پایا جاتا ہے۔ بس اس بات سے ظاہر ہوگیا کہ اِتَّقُوْا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ڈرو اللہ سے، بلکہ بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے کہ ڈرتے رہو اللہ سے۔ کیوں کہ اس کے اندر استمرار اور تکرار پایا جاتا ہے۔ ڈرنے کا حکم کوئی ایک یا دو دن کے لیے نہیں ہے، ایک دو مہینہ اور ایک دو سال کے لیے نہیں ہے بلکہ مرتے دم تک کے لیے اِتَّقُوْا کے ذریعے ڈرنے کا حکم لگایا جارہا ہے۔

تقویٰ حاصل کرنے کے چار نسخے

اِتَّقُوا اللّٰهَ کا مطلب تو سمجھ لیا مگر بات یہ رہ جاتی ہے کہ جو ڈرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے یہ خوف اور ڈر پیدا کیسے ہوگا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے اس کو چار نسخوں میں تقسیم کرکے اچھی طرح سمجھا دیا ہے، نسخے یہ ہیں:

۱) اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا۔ یعنی اللہ والوں کے پاس بیٹھنا اٹھنا، اور ان سے تعلق محض اللہ کے لیے رکھنا۔

---

[۴۷] التوبۃ:۱۱۹

۲) اہل اللہ کی سیرت کا مطالعہ کرنا۔ یعنی ان حضرات کے حالات کو پڑھ کر سبق اور موعظت حاصل کرنا۔

۳) موت کو کثرت سے یاد کرنا اور اس کے بعد کے جو احوال ہیں ان کو خوب مستحضر کرنا۔

۴) جہنم کے حالات کو سوچنا کہ وہاں اس اس طرح کا عذاب ہو گا۔

یہ چار نسخے ہیں، ان سے ان شاء اللہ! بہت جلد اللہ کا تقویٰ حاصل ہو جائے گا۔

پرہیز کے ساتھ نسخہ استعمال کیا جائے

فرمایا: نسخہ تو معلوم ہو گیا کہ تقویٰ اس طرح پیدا ہو گا مگر نسخے کے ساتھ اگر پرہیز نہ کیا جائے تو نسخہ بے کار ہو جاتا ہے۔ جس طرح ڈاکٹر اور حکیم حضرات دوا دینے کے ساتھ پرہیز بھی بتا دیتے ہیں کہ دیکھو اگر تم نے میری دوا کے ساتھ پرہیز رکھا تب تو فائدہ حاصل ہو گا ورنہ نہیں۔ اسی طرح ان نسخوں کے ساتھ پرہیز بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص صرف نسخے پر عمل کرے اور اس کے ساتھ پرہیز نہ کیا جائے تو فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ اس کو بھی حضرت مولانا شاہ ہردوئی نے بیان کر دیا ہے کہ ان کے نسخوں کے ساتھ دو چیزوں کا پرہیز ضروری ہے۔ اگر نسخوں کو پرہیز کے ساتھ استعمال کیا جائے تو ان شاء اللہ! بہت جلد فائدہ حاصل ہو گا۔ پرہیز یہ ہیں:

۱) غیبت سے بچنا

یہ ایسا گناہ ہے کہ ساری نیکیوں کو تباہ اور برباد کر ڈالتا ہے، ہر وقت اپنی زبان پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ یہ غیبت اور افترا سے محفوظ رہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبان جسم کے اعتبار سے ہے تو بہت چھوٹی مگر اس کے جرائم بہت ہیں۔ کہیں دو آدمی جمع ہوئے بس تیسرے آدمی کی غیبت کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ حضرات! انسان جس شخص کی غیبت کرتا ہے تو غیبت کرنے والے انسان کی سب نیکیاں اس شخص کو دے دی جاتی ہیں جس کی یہ غیبت کرتا ہے اور اگر اب بھی اس کا حق نہیں ادا ہوا تو اس کی برائیاں اس غیبت کرنے والے انسان کے اوپر ڈال دی جاتی ہیں۔ سوچنے کا مقام یہ

ہے کہ جب ہم کچہری اور دفتروں سے اپنی اپنی تنخواہ لے کر چلتے ہیں تو کس قدر اس کو حفاظت سے لاتے ہیں، ہر وقت روپیوں پر بھی ایک ہاتھ رکھا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو میرا پیسہ کوئی گرہ کٹ کاٹ لے جائے یا کہیں گر جائے، اس میں ذرّہ برابر بھی غفلت اور لاپروائی نہیں ہوتی ہے مگر افسوس کہ ہم نیکیاں تو کرتے ہیں لیکن ان کی حفاظت نہیں کر پاتے۔ کہیں کسی کی غیبت کر کے زبان کے ذریعے سب نیکیاں ضایع کر دیتے ہیں۔ کبھی آنکھوں کے ذریعے، کبھی کان کے ذریعے۔

۲) بدنگاہی سے پرہیز کرنا

یہ مرض تو بہت بڑھا ہوا ہے۔ عوام تو عوام رہے خواص بھی اس میں داخل ہیں۔ ہم سڑکوں پر چلتے ہیں، اپنی نگاہوں کی حفاظت نہیں کر پاتے۔

بھائیو! جس طرح ہم دیکھنے پر قادر ہوتے ہیں اسی طرح نہ دیکھنے پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ اب جس کا جی چاہے جس بات پر عمل کرے، ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لکھا کہ حضرت! میں بدنگاہی کے وقت بدہوش ہو جاتا ہوں، مجھ کو کسی طرح قابو نہیں ملتا کہ میں بچ سکوں بدنگاہی کے وقت مجھ کو اس سے بچنے میں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا کہ اس بدنگاہی سے بچنے میں جو تم کو تکلیف ہوتی ہے اس ذرا سی تکلیف کو تم برداشت نہیں کر سکتے ہو تو خود سوچو اس کی وجہ سے جہنم کا عذاب ملے گا اس کا کیا حال ہو گا۔ اس تھوڑی دیر کے مزے کو ہمیشہ ہمیشہ کے عیش و آرام پر ترجیح دیتے ہو۔ بھائی! اس وقت کی تھوڑی سی تکلیف کو برداشت کر لو آخرت میں ہمیشہ ہمیش کا چین و آرام حاصل ہو گا۔ گویا یہ دو پرہیزوں کے ساتھ تقویٰ حاصل کرنے کا نسخہ زود اثر ثابت ہو گا۔

صادقین کے ساتھ رہنے کا مطلب

فرمایا: اب سنیے **كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ** کی تشریح۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہو جاؤ صادقین کے ساتھ۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ اب تو صادقین رہے ہی نہیں، ہم

کن سے تعلق جوڑیں۔ یہ غلط بات ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ** ہو جاؤ صادقین کے ساتھ۔ یہ حکم ایک دو دن اور ایک دو ہفتہ کے لیے نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ اس کو اس طرح سمجھیے کہ اگر کوئی باپ اپنے گھر میں تمام لڑکوں پر حکم لگادے کہ روزانہ سب لوگ آدھا لیٹر دودھ پیا کرو تو یہ حکم لگا دینے کے بعد باپ ہی کا ذمہ بھی ہے کہ وہ سب کے لیے آدھا لیٹر دودھ کا روزانہ انتظام کرے۔ اگر روزانہ دودھ کا انتظام نہ کرے گا تو وہ باپ جھوٹا ثابت ہو گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی فرمارہا ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ، جب اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں تو ان کے ہی ذمہ صالحین اور صادقین کا پیدا کرنا بھی ہے، تو ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ ہی کہیں کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ اور صادقین کو پیدا نہ کریں۔ جس طرح وہ باپ اپنے بچوں کو دودھ پینے کا حکم لگانے کے بعد اگر دودھ کا انتظام نہ کرے تو جھوٹا ثابت ہو گا، اسی طرح نعوذ باللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ کے اوپر بھی یہ بات صادق آئے گی۔ حضرات! اس قسم کی بات کرنے والے کہ صادقین اب رہے ہی نہیں قرآن پاک کو جھٹلاتے ہیں۔ اب خود فیصلہ کر لیجیے کہ کلامِ پاک کس کا کلام ہے۔ گویا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے قول کو جھٹلا رہے ہیں (نعوذ باللہ) میں سچ کہتا ہوں کہ جس طرح پہلے صادقین اور صالحین تھے اسی طرح اس وقت بھی صادقین اور صالحین موجود ہیں۔ طلب اور جستجو ہو تو وہ نظر آجاتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو نصیحتیں

فرمایا: میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو ملفوظ پیش کر رہا ہوں۔ اگر ان کو سونے کے پانی سے بھی لکھا جائے تو بھی ان کا حق ادا نہ ہو گا۔ وہ دو ملفوظ یہ ہیں۔

۱) دنیا میں خواہ کتنے ہی کارخانے لگوالو، کتنے ہی خدام رکھ لو، کتنا بھی آرام وراحت کا انتظام کرلو سب ہیچ ہے۔ اگر دنیا میں کوئی چیز حاصل کرنے کی ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنا ہے۔ اور صحیح تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھو۔

۲) دوسری نصیحت یہ ہے کہ بعض لوگوں میں ناز اور فخر کا مادّہ ہوتا ہے۔ دوسروں کو حقیر

اور خود کو بڑھیا سمجھنے لگتے ہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ اگر کسی کے دل میں رائی کے برابر بھی کبر ہو گا تو وہ جنت میں نہیں داخل ہو سکتا جب تک وہ پاک نہ ہو جائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو کبھی اپنے اوپر بفضلہٖ تعالیٰ ناز اور فخر نہیں ہوا کہ میں اچھا ہوں کیوں کہ میں اپنے دل میں سوچتا رہتا ہوں کہ لوگ یہاں تو خوب حضرت اور شیخ و مرشد کہہ رہے ہیں، ہر سمت خوب عزت ہوتی ہے مگر کیا معلوم کہ آخرت میں کیا حال ہو۔ اور یہی تکبر کا علاج بھی ہے کہ اپنے دل میں سوچتا رہے کہ خدا جانے آخرت میں کیا حشر ہو گا۔ حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

اپنے اوپر انسان کیا ناز اور فخر کرے، کیا معلوم کہ آخرت میں کیا حال ہو گا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوڑھی کہیں زکامی پر ہنسا کرتا ہے کہ اس کو چھینک آرہی ہے کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ میرا کوڑھ اس کی چھینک سے کہیں زیادہ خراب ہے۔ میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو نظم کر دیا ہے ؎

نا مناسب ہے اے دلِ ناداں
اک جزامی ہنسے زکامی پر

ہر شخص اپنے کو مثل کوڑھی کے سمجھے اور دوسروں کو مثل زکامی کے تب ان شاءاللہ! کبر کا نام بھی دل میں نہ آئے گا۔

سینما، ٹی وی اور ویڈیو

فرمایا: آج جو نوجوانوں کے اخلاق خراب ہو رہے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ سینما بینی ہے۔ مخربِ اخلاق اور عریاں فلموں کو دیکھ کر یہ اپنی بھری جوانی تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ شراب نوشی، زنا کاری، مار دھاڑ، چوری ڈکیتی یہ سب بُری عادتیں عام طور

پر نوجوان یہیں سے سیکھتے ہیں۔ گویا سینما کا پردہ مخرب اخلاق چیزوں کے لیے ”ٹریننگ سینٹر“ بنا ہوا ہے۔ گھر کے بڑے بزرگ جو نوجوان کو روک ٹوک کر کے ان کی اصلاح کر سکتے تھے وہ خود اس میں مبتلا ہیں۔ بے غیرتی کی حد ہو گئی کہ سینما کے پردہ پر عریاں تصاویر آتی ہیں، بوس و کنار کے مناظر دکھائے جاتے ہیں، عشق و محبت کے فحش گانے گائے جاتے ہیں، حیا اور شرم جس سے پانی پانی ہو وہ مکالمے مردوں اور عورتوں کے درمیان ہوتے ہیں اور یہ سب مناظر گھر کے بڑے بزرگ، ساس، خسر، باپ، ماں اور دادا، دادی کی حیثیت سے بیٹے بیٹیوں اور پوتے پوتیوں، نواسہ نواسیوں کو پہلو میں بٹھائے ہوئے بڑے مزے سے دیکھتے ہیں۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

(آسماں کو حق ہے کہ ایسے اعمالِ قبیحہ پر زمین پر خون کی بارش برسائے)

آج کل تو ٹی وی اور ویڈیو نے تو لوگوں کو سینما گھروں تک جانے اور ٹکٹ کی لائن بنانے کی زحمت سے بھی بچا دیا ہے۔ ہر گھر سینما گھر کا منظر پیش کر رہا ہے۔ جو بُرائی کسی نہ کسی درجہ میں گھر کے باہر تھی اب تو گھر کے اندر گھس کر آگئی ہے، جس کی وجہ سے گھر کا پورا ماحول بگڑا جا رہا ہے، حد تو یہ ہے کہ۔۔بلو فلموں سے جی بہلایا جا رہا ہے۔ اس لعنت کو رکھتے ہوئے خدا کی رحمت کی تلاش ایسا ہی ہے جیسے کہ جلتے ہوئے چولھے میں کوئی شخص کاغذ تلاش کر رہا ہو۔

اس طرح کی چیزوں میں آخرت کا نقصان تو ہے ہی دنیا کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے سوائے گناہ بے لذت کے۔ ٹی وی اور ویڈیو سے انسان کی آنکھوں کی روشنی کمزور ہو رہی ہے، کاہلی اور سستی آ رہی ہے۔ محنت، جفاکشی اور وقت کو صحیح طور پر استعمال کرنے سے بے نیازی بڑھ رہی ہے، بچوں کی تعلیم خراب ہو رہی ہے، ان کی تربیت کا نظام بگڑ رہا ہے۔ اس لیے مسلمانوں، خصوصیت کے ساتھ دیندار گھرانوں کو اس کے قریب بھی نہ جانا چاہیے۔ کیوں کہ ان چیزوں کے اُمُّ الْخَبَائِثْ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

موسیقی اور گانا باجا

فرمایا: بھائیو! آج کے زمانہ میں موسیقی اور گانا باجا بہت عام ہو گیا ہے۔ اب یہ فتنہ مسلمانوں کے دروازہ تک نہیں بلکہ ان کے گھروں میں بُری طرح گھس گیا ہے۔ بڑے، بچے، بوڑھے، عورتیں سب اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے اسے ”ضروریاتِ زندگی“ میں داخل کر لیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس سے یہ عشق و محبت کا دم بھرتے ہیں کا فرمانِ مبارک سنا ہی نہیں ہے، یعنی:

اِنَّ الْغِنَاءَ یُنْبِتُ النِّفَاقَ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ[۴۸]

راگ گانا قلب کے اندر نفاق (عدم خلوص) کو اسی طرح اُگاتا ہے جس طرح پانی ترکاری سبزی کو اُگاتا ہے۔ اس قول کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ جب کسی راستہ اور گلی میں باجے کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وَضَعَ اِصْبَعَیْهِ عَلٰی اُذُنَیْهِ وَنَاٰی عَنِ الطَّرِیْقِ[۴۹] یعنی اپنے کانوں پر انگلی رکھ لیتے اور اس راستہ ہی سے ہٹ جاتے۔ اب حال یہ ہے کہ گانے باجے کی اگر آواز دور سے بھی آ رہی ہو تو ہم نزدیک جاتے ہیں تاکہ خوب اچھی طرح سن سکیں۔

غور کیجیے، ہمارے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلمِ اکبر اور ہادیٔ اعظم مانتے ہیں اور آپ کی تعلیم اور ہدایت کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہے، یہ بات نہایت فکر کی ہے۔ ہر دوشنبہ اور پنج شنبہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امّت کے اعمال دکھائے جاتے ہیں۔ گانے باجے والے اعمال کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کتنا دکھتا ہو گا۔ اس اذیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کی نظر نہیں۔ بھائیو! اس قسم کے شوق سے توبہ کرو، قرآن کو تجوید سے پڑھو اور سنو۔ دل میں ایمان ہو تو اس کے پڑھنے اور سننے میں گانے باجے کی لذت سے کہیں

---

۴۸ السنن الکبرٰی للبیهقی ۱۰/۲۲۳، (۲۱۵۳۶)، کتاب الشهادات

۴۹ سنن ابی داؤد: ۲/۳۳۲، (۴۹۲۴) باب کراهیة الغناء والزمر، ایچ ایم سعید

زیادہ لذت ہے، آزما کر دیکھو۔ وہ عمل کرو جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہو اور خدا خوش ہوتے ہیں۔

ان دریچوں سے جھانکتا ہے زوال

مرتب عرض کرتا ہے کہ گانا باجا اور موسیقی انسان کے ذہن و دماغ کو پراگندہ کرتے ہیں، اس سے اخلاق و کردار پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے روحانیت اور شہوانیت کے جال میں ایک انسان پھنستا ہوا زندگی کے ٹھوس اور بنیادی حقائق سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر وہ انسان جو موسیقی کا رسیا اور دلدادہ ہو وہ موسیقی کے ماحول میں کیوں کر اپنے مقصدِ حیات (پروردگارِ عالم کی عبادت وسیع تر معنیٰ میں) کی تکمیل کر سکتا ہے؟۔ سورۂ لقمان میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [۵۰]

اور لوگوں میں کوئی آدمی ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتوں کو خریدتا ہے تاکہ بغیر جانے لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑائے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلت کا عذاب تیار ہے۔

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور عام مفسرین کے نزدیک "لھو الحدیث" عام ہے تمام ان چیزوں کے لیے جو انسان کو اللہ کی عبادت اور یاد سے غفلت میں ڈالے۔ اس میں غنا اور مزامیر بھی داخل ہیں اور بے ہودہ قصے کہانیاں، ناول اور واہیات مشغلے بھی۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ایک جگہ کافروں کی سرکشی اور مخالفت کا ذکر کرکے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ شیطان کی دشمنی کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں شیطان کے لیے ابنِ آدم کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کھلی آزادی دی گئی ہے مگر اس

۵۰. لقمٰن: ٦

کے ساتھ یہ بھی فرمادیا گیاہے کہ میرے خاص بندے جو مخلص ہیں ان پر تیرا قابو نہ چلے گا۔ ابنِ آدم کو گمراہ کرنے کی آزادی دیتے ہوئے شیطان سے کہا گیا ہے کہ وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ[۵۱] یعنی اس (آدم علیہ السّلام) کی اولاد میں سے جس کسی کو (پُر فریب) آواز سنا کر بہکا سکتا ہے بہکا استفزاز کے اصل معنیٰ قطع کرنے کے ہیں۔ مراد اس جگہ حق سے قطع کر دینا ہے۔ صوت کے عام معنیٰ تو آواز کے ہیں لیکن شیطان کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے مراد یہاں شیطان کی وہ آواز ہے جو خدا کی نافرمانی اور عصیان کی طرف بلاتی ہو۔ اس میں شیطانی وسوسہ تو داخل ہے ہی لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق گانے، مزامیر اور لہو ولعب کی آوازیں بھی شیطان کی آوازیں ہیں جن سے وہ لوگوں کو حق سے قطع کرتا ہے۔ سورۂ فرقان کے آخر میں "رحمٰن کے بندوں" (عباد الرحمٰن) کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا كِرَامًا[۵۲]

اور جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر سے گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

زُوۡر کے معنیٰ جھوٹ کے آتے ہیں۔ ایک مطلب تو اس کا یہ ہے کہ رحمٰن کے بندے کسی جھوٹی بات کی گواہی نہیں دیتے، دوسرے یہ کہ وہ جھوٹ کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ اس دوسرے مطلب کے اعتبار سے جھوٹ کا لفظ "باطل" اور "شر" کا ہم معنیٰ ہے۔ انسان جس برائی کی طرف بھی جاتا ہے لذت یا خوشنمائی یا ظاہری فائدے کے اس جھوٹے ملمع کی وجہ سے جاتا ہے جو شیطان نے اس پر چڑھا رکھا ہے۔ یہ ملمع اتر جائے تو ہر بدی سراسر کھوٹ ہی کھوٹ ہے جس پر انسان کبھی نہیں ریجھ سکتا، لہٰذا ہر گناہ اور ہر بدی اس لحاظ سے جھوٹ ہے کہ وہ جھوٹی چمک دمک کی وجہ ہی سے اپنی طرف لوگوں کو کھینچتی ہے۔ اس زور

۵۱؎ بنیٓ اسرآءِیل : ۶۴

۵۲؎ الفرقان: ۷۲

یا جھوٹ میں علماء نے مشرکین کی عیدوں، میلوں ٹھیلوں، شراب پینے پلانے کی مجلسوں، بے حیائی اور ناچ رنگ کی محفلوں کے ساتھ گانے بجانے اور ان کی مجالس کو بھی داخل کیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں بتادیا گیا ہے کہ مومن چوں کہ حق کی معرفت حاصل کرلیتا ہے اس لیے وہ اس زور یا جھوٹ کو ہر روپ میں پہچان جاتا ہے خواہ وہ کیسے ہی دلفریب دلائل یا نظر فریب آرٹ یا سماعت فریب خوش آوازیوں کا جامہ پہن کر آئے اور پھر وہ بڑی شرافت اور سنجیدگی کے ساتھ ایسی چیزوں سے دامن بچالے جاتا ہے۔ اگر اتفاقاً ایسی کسی لغو اور بے ہودہ مجلس پر گزر ہو تو ایک نگاہِ غلط انداز تک ڈالے بغیر اس پر سے اس طرح گزر جاتا ہے جیسے ایک نفیس مزاج آدمی گندگی کے ڈھیر سے گزر جاتا ہے۔ سورۂ نجم کے آخر میں قرآن اور آخرت کے منکرین کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَفَمِنۡ ھٰذَا الۡحَدِیۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ وَ تَضۡحَکُوۡنَ وَ لَا تَبۡکُوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ [۵۳]

اب کیا یہی وہ باتیں ہیں جن پر تم اظہارِ تعجب کرتے ہو؟ ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ اور گا بجا کر انہیں ٹالتے ہو۔

سٰمِدُوۡنَ، سمود سے ہے جس کے دو معنیٰ اہلِ لغت نے بیان کیے ہیں: ایک معنیٰ ہے تکبر کے طور پر سر اوپر اٹھانا، چناں چہ کفارِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتے تو غصے اور تکبر کے ساتھ منہ اوپر اٹھائے ہوئے نکل جاتے۔ دوسرا معنیٰ ہے گانا بجانا۔ اس لحاظ سے آیت کا اشارہ اس طرف ہے کہ کفارِ مکہ قرآن کی آواز کو دبانے اور لوگوں کی توجہ دوسری طرف ہٹانے کے لیے زور زور سے گانا بجانا شروع کردیتے تھے۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے صاف ظاہر ہے کہ حق کی آواز کو دبانے اور عبادت کے رجحان کو ختم کرنے میں "موسیقی" خاص اثر رکھتی ہے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفارِ مکہ کی اس روش پر سرزنش فرمائی۔

موسیقی کے بارے میں بارگاہِ الٰہی میں حاضری دینے کے بعد دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیئے اس تصور واحساس کے ساتھ کہ آپ کے گرد کلمہ گوؤں کا ایک

۵۳؎ النجم: ۵۹۔۶۱

بڑا حلقہ ہے جو جذبۂ اطاعت سے سرشار، پوری توجہ اور انہماک سے آپ کی باتوں کو سن رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں:

”مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے ہدایت ورحمت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے آلاتِ لہو (طبلہ وڈھول وغیرہ) اور باجے اور بت کدے اور صلیب اور جاہلیت کی رسمیں مٹانے کا۔“[۵۴]

”اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، ڈھول اور بربط کو حرام کر دیا ہے اور ہر نشہ آور چیز (ایضاً) حرام ہے۔“

”لونڈیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینا اور ان کی خرید وفروخت کرنا حلال نہیں ہے اور ان کی قیمت حرام ہے۔“

”مغنیہ عورتوں کا بیچنا اور خریدنا اور ان کی تجارت کرنا حلال نہیں ہے اور نہ ان کی قیمت لینا حلال ہے[۵۵] جو شخص گانے والی لونڈی کی مجلس میں بیٹھ کر اس کے گانے سنے گا قیامت کے روز اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔[۵۶]

ملاہی (یعنی باجے وغیرہ) کی آواز سننا گناہ ہے اور اس میں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندور ہونا کفر ہے۔ (بزازیہ میں ہے کہ کفر کا مطلب کفرانِ نعمت ہے کہ اس نے اعضا کو ایسے کام میں صَرف کیا جس کے لیے وہ بنائے نہیں گئے۔)

ایک رات ایک شخص کو گاتے ہوئے سنا تو فرمایا لَا صَلٰوۃَ لَہٗ، لَا صَلٰوۃَ لَہٗ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ۔ یعنی اس کی نماز نہیں ہوتی، اس کی نماز نہیں ہوتی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (جمع الفوائد)

مذکورہ بالا احادیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ گانا باجا حرام ہے۔ اس لیے اس کا سننا، اس کی مجلس میں جانا، اس کی تعلیم، اس کی فیس لینا اور دینا، اس کے آلات اور ان

۵۴؎ مسند احمد بن حنبل: ۵۵۱/۳۶، (۲۲۲۱۸)، مؤسسة الرسالة

۵۵؎ جامع الترمذی: ۲۴۱/۱، باب ما جاء فی کراھیة بعد المغنیات، ایچ ایم سعید

۵۶؎ احکام القرآن لابن العربی: ۵۲۵/۳، سورۃ لقمان، دار الکتب العلمیة، بیروت

آلات کی خرید و فروخت کرنا سب حرام اور ناجائز ہے۔ لیکن اسے کیا کہیے کہ دنیا کے بت کدے میں جس طرح توحید کی آواز نئی اور نرالی سمجھی گئی اورآج تک مہذب ومتمدن دنیا کی سمجھ میں اس قدر خشک اور کھری توحید نہیں آرہی ہے، اسی طرح ”بے عقل عقل مندوں“ کو غنا اور موسیقی کے اس دائمی اور ابدی قانون کے ایک ایک جزئیہ سے بغاوت کرنے ہی میں اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کی ترقی دکھائی دے رہی ہے۔ اور جوں جوں تہذیبِ جاہلی کا رعب دلوں پر مسلط ہوتا جاتا ہے گانے بجانے کی بھی قدر و منزلت اعلیٰ اور ادنیٰ ہر سطح پر بڑھتی ہی جارہی ہے۔ رنج اس پر جتنا چاہے کرلیجیے لیکن حیرت کا قطعاً کوئی محل نہیں، اس لیے بھی کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم قربِ قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی ارشاد فرماچکے ہیں:

وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ[۵۷]

گانے بجانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے سامان رائج ہو جائیں گے۔

چناں چہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں کہ جہاں کچھ پیسے پاس ہو جاتے ہیں یا معقول ملازمت مل جاتی ہے تو سب سے پہلے لہو ولعب اور گانے بجانے کا سامان خریدنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ گھر میں ریڈیو کا ہونا ترقی کا معیار اور آسودگی کی علامت بن چکا ہے۔ ریڈیو بج رہا ہے اور سب چھوٹے بڑے مل کر عشقیہ غزلیں، فحش گانے اور گندا مذاق سنتے ہیں۔ شادی بیاہ اور دوسری تقریبوں میں گانے باجے کا انتظام نہ ہو تو اس تقریب کو بدمزہ اور پھیکا سمجھا جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ بیان کرتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوا جاتا ہے کہ مسلمان جنہیں دنیا کی امامت سونپی گئی تھی اور اصلاح و تعمیر کے یہ ذمہ دار تھے اس بگاڑ میں بگڑی ہوئی قوم اور بگڑے ہوئے لوگوں کے شانہ بہ شانہ ہیں۔ اور طرفہ تماشا یہ کہ فخرِ کائنات نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے بے حیائی مٹانے اور گانے باجے نابود کرنے اور لہو ولعب سے ہٹا کر اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے تشریف لائے تھے مگر دورِ حاضر کے نام نہاد مسلمان خاص سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک قوالی کی

۵۷؎ جامع الترمذی: ۴۵/۲، باب اشراط الساعۃ، ایچ ایم سعید

مجلس منعقد کر کے ہارمونیم اور طبلہ وغیرہ اور دیگر سازوں پر سنتے ہیں۔ ان مجلسوں کا مقصد دراصل آپ کا ذکر پاک سننا نہیں بلکہ نغموں اور باجوں کے ذریعے نفس کو خوش کرنا ہے۔ خدائے قدوس کے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا بہانہ لے کر نفس کو لذت پہنچانا یقیناً بڑی بد بختی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مشایخ ''سماع'' کے قائل ہیں لیکن جو لوگ موجودہ قوالی کے تانے بانے سماع سے جوڑتے ہیں وہ اپنے آپ پر ظلم تو کرتے ہی ہیں مگر اس کے ساتھ اپنے دین اور حضرات مشایخ اور اولیائے کرام پر کھلی زیادتی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نیک توفیق اور صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ بعض احادیث سے جو ''غنا'' کا جواز معلوم ہوتا ہے تو اس سے مراد خوش آوازی کے ساتھ اشعار پڑھنا ہے۔ پھر اشعار کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کے مضامین صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں، فحش اور گندے نہ ہوں، اجنبی عورت یا اَمرد نہ گائیں۔ محفل بھی تمام خرافات سے پاک ہو۔ اس میں مشغولیت کی وجہ سے دین کا کوئی اہم تقاضا متروک نہ ہو رہا ہو۔ ان شرائط کے ساتھ خوش الحانی کے ساتھ اشعار پڑھنے میں کسی قسم کا مضایقہ اور قباحت نہیں ہے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں نفع ونقصان اور خیر وشر کے پہلو ہوتے ہیں لیکن فیصلے میں غلبہ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ موسیقی میں یقیناً نقصان اور شر کا پہلو بدرجہ اتم غالب ہے۔ اس لیے افراد اور قوم کے لیے اس کا مضرت رساں ہونا کوئی مخفی نہیں۔ اس میں مشغولیت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محرومی کا باعث بنتی ہے۔ نفس اور حسی خواہشات کے شرارے بلند ہوتے ہیں۔ بقول ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ غنا زنا کی طرف لے جانے میں بہت زور آور ہے۔ موسیقی میں انہماک اور دلچسپی، زندگی کے ٹھوس مقاصد اور سنجیدہ مسائل سے دور رکھ کر سطحی اور ہیجانی ذہن پیدا کرتی ہے۔ حال میں ایک کتاب شایع ہوئی ہے جس کا نام ہے ''جدید موسیقی کی اذیت'' (HENRY PLEASANTS,THE AGE OF MODERN MUSIC) اس میں دکھایا گیا ہے کہ عام تصور کے برعکس موسیقی انسان کے لیے نفسیاتی اور حیاتیاتی طور پر بھی اذیت بخش زیادہ ہے اور مسرت بخش کم۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ موسیقی کے موجودہ رجحان کی اصلاح کرتے ہوئے قرآن سے تعلق جوڑیں اور اسے خوش الحانی اور تجوید و قراءت سے پڑھیں اور پڑھائیں، سنیں اور سنائیں کہ بخدا اس کی لذت چکھنے کے بعد پھر کہیں کی اور کسی قسم کی موسیقی میں لذّت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کر گانے میں مشغول ہو جائے اور سورۂ بقرہ پڑھنے سے گریز کرے۔"

راگ باجا تو بڑی چیز ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ اگر کوئی لڑکی ان کے گھر میں گھنگرو پہنے ہوئے داخل ہونا چاہتی تو واپس کر دیتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے فرمایا کرتی تھیں کہ جس گھر میں راگ باجے وغیرہ کی آوازیں آتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ لہو و لعب اور گانے بجانے وغیرہ کی ایسی چیزیں جن کا استعمال شرعاً ناجائز ہے ان کو گھر میں رکھنا بھی گناہ ہے اگرچہ ان کا استعمال نہ کیا جائے۔ آخر میں شاعرِ مشرق ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پیغام بھی سن لیجیے۔ وہ فرماتے ہیں۔

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقص دختران بے حجاب
نے ز ساحرانِ لالہ روست
نے ز عریاں ساق و نے از قطع و موست
محکمی روزانہ از لا دینی ست
نے فروغش از خط لاطینی ست
قوتِ افرنگ از علم و فن ست
از ہمیں آتش چراغش روشن ست

اچھے بُرے کا سوال الگ ہے، لیکن نفس قوت، غلبہ واقتدار تو مغرب کو بہر حال حاصل ہی ہے۔ حضرت اقبال فرماتے ہیں کہ قوت اسے کہاں سے آخر حاصل ہوئی ہے؟ کیا گانے بجانے سے؟ کیا بے حجاب عورتوں کے رقص سے؟ کیا عورت کے نیم عریاں لباس یا کھلے ہوئے بالوں کے فیشن سے؟ کیا اس کی لادینی حکومت سے؟ کیا لاطینی رسم الخط سے؟ اور پھر ان تمام ظاہری اور نمائشی چیزوں کی نفی کرکے فرماتے ہیں کہ ؎

قوتِ افرنگ از علم و فن ست
از ہمیں آتش چراغش روشن ست

یعنی افرنگ نے جو قوت حاصل کی ہے اور جس کے زور سے وہ آج دنیا کو اپنے تابع فرمان کیے ہوئے ہے وہ علوم وفنون کا ثمرہ ہے۔ اس کا چراغ جو سارے عالم کو روشن کیے ہوئے ہے، وہ آخر علم وفن ہی کی آگ سے تو جل رہا ہے۔ تو حضرت اقبال کا فرمانا یہ ہے کہ یہ ہم پر کیا شامت سوار ہے کہ فرنگیوں سے ہم لیتے بھی ہیں تو صرف ان کی بے حیائی، موسیقی، بے دینی وگمراہی۔ اور یکسر چھوڑے رہتے ہیں ان کی علمی ترقیوں اور ذہنی کاوشوں کو۔

صدہا ایجادات اور سینکڑوں انکشافات ہر سال ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں نام کسی بھی مسلمان کا نہیں آتا۔ ہم جب بھی کمال حاصل کریں گے اور نام جب بھی پیدا کریں گے تو بس ناول نگاری میں، فلم ایکٹری میں یا موسیقاری میں۔ حبِ دنیا کی اجازت اسلام یقیناً نہیں دیتا بلکہ اسے جرم ٹھہراتا ہے۔ لیکن آخر تسخیر قوائے کائنات سے کس نے ہم کو روکا ہے؟ برق ومقناطیس کے خواص وتاثیرات کے علم سے کون باز رکھے ہوئے ہے؟ کیا تعلق مع اللہ وتبتل کے معنیٰ حقائقِ تکوینی وطبعی کی طرف سے یکسر آنکھ بند کرلینے کے ہیں؟ نہیں، مگر اس کے لیے چنگ ورباب اور رقص وسرود کی محفلوں سے نکلنا پڑے گا۔ رقص ونغمہ کے تعلق سے شاعر کا یہ شعر بھی قوموں کے عروج وزوال کی پوری تاریخ کا نچوڑ ہے ؎

رقص ونغمہ شراب وعیش و نشاط
ان دریچوں سے جھانکتا ہے زوال

ایک بڑے خطرے کی بات

مرتب عرض کرتا ہے: مالک بن ابوالسمح عباسی دور میں مشہور مغنّی تھا۔ ہر طرف اس کے نغمے کی دھوم تھی اور ہر خاص وعام اس کے سننے کا شوقین تھا۔ پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس کے زمانے میں عبد الرحمٰن بن محمد بن عبید اللہ قریشی عراق جانے کے لیے مکہ مکرمہ سے چلے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ منورہ پہنچ کر مالک بن ابوالسمح کو ساتھ لے لیا اور عراق کے لیے ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ راستے میں مالک مغنی اچھے اچھے اشعار اپنے خاص نغمہ میں سناتا تھا۔ البتہ جمعرات کی شام ہی کو قافلہ والوں سے کہہ دیا تھا کہ دیکھو ساتھیو! آج جمعہ کی رات ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ حسب عادت تم لوگ گانے کے لیے اصرار کروگے، پھر طرح طرح کی قسمیں کھا کر کہتا تھا کہ میں جمعہ کی رات میں گانا نہیں گا سکتا۔ اگر تم لوگوں کو کچھ سننا ہو تو کہو ابھی سنادوں۔ اس پر اہلِ قافلہ اس سے گانے کی فرمائش کرتے اور وہ گانا شروع کر دیتا تو سورج ڈوبتے ڈوبتے خوب جوش اور رنگ میں آتا اور اس رات اس قدر زیادہ گاتا تھا کہ ہفتہ کی دوسری راتوں میں اتنا زیادہ نہیں گاتا تھا، قسموں کا بالکل خیال نہیں کرتا تھا۔ (اغانی: ۴/ ۱۷۰)

گانے بجانے میں حد سے زیادہ دلچسپی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اور ہاں، ایک گانے بجانے پر کیا موقوف، جو بھی برائی عادت میں داخل ہو جاتی ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ زنا، ہم جنسی، بدنگاہی، شراب نوشی، چوری، دھوکے بازی، جھوٹ، رشوت، حرام خوری، فحش کلامی، ایذارسانی، ظلم وتعدی، قتل وغارت گری، سینما بینی، رومانی ناول وافسانہ کے ذریعے ذہنی آوارگی، آخر کس کس بُرائی کا ذکر کیا جائے! سب کا یہی حال ہے۔ ایک دفعہ منہ کو لگ گئی اور عادت کے درجے میں داخل ہوگئی تو پھر چھوڑنا مشکل۔ اس موقع پر سارے تکلفات برطرف کر دیے جاتے ہیں۔ اس بوالہوسی میں عظمت، احترام اور تقدیس کے آبگینے پاش پاش ہوتے ہوں تو کوئی پرواہ کی بات نہیں۔ اگر صالح معاشرے کے لیے خدا اور انسان نے کچھ اصول، ضابطے، آداب اور حدود متعین کیے ہوں اور وہ اس مرحلے پر ٹوٹ رہے ہوں تو کیسی فکر اور کہاں کا خیال، بس اس عادتِ

قبیحہ کی انا کو تسکین چاہیے جس میں وہ اپنے آپ کو غلطاں و پیچاں کر چکا ہے۔ پھر یہ بد مستی ایک انسان کو ”جو گناہ کرو ثواب ہے آج“ کے خطرناک موڑ پر لے آتی ہے۔

اسی لیے کسی گناہ کا ایک دوبار سرزد ہو جانا اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا خطرناک کہ گناہ کی عادت اور اس پر اصرار ہے۔ اس لیے اس پر نگاہ رکھیے کہ آپ اچھی عادتوں کے خوگر بن رہے ہیں یا بری عادتوں کے شیدائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکیمانہ ارشاد ہے: ”نیکی کی فوری جزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق ہوتی ہے اور گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“

(معروضاتِ مرتب ختم)

عشقِ مجازی کا انجام

فرمایا: عورتوں اور حسین لڑکوں سے عشق تو درحقیقت فسق اور دونوں جہاں میں عذاب و رسوائی ہے۔ مجازی حسینوں کے عاشقوں کو ایک پل کو چین حاصل نہیں، ان کی دوزخ دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ ہر وقت دل جلتا رہتا ہے اور حسنِ فانی کے زوال کے بعد ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

ایک آدمی ایک لڑکے پر عاشق ہوا، جب اس کی داڑھی مونچھ نکل آئی تو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور یہ شعر پڑھا۔

گیا حسن خوباں دل خواہ کا
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

کودکے از حسن شد مولائے خلق
بعد پیری شد خرف رسوائے خلق

ترجمہ: جو حسین لڑکا مخلوق میں سردار بنا پھرتا ہے بوڑھا ہوتا ہے تو وہی مخلوق میں رسوا پھرتا ہے۔

چوں بہ بدنامی بر آید ریشِ او
ننگ آید دیو از تفتیشِ او

جب بدنامی کے ساتھ اسی حسین لڑکے کے چہرہ پر داڑھی آجاتی ہے تو شیطان بھی اس کی مزاج پرسی سے شرم کرتا ہے۔ احقر کا ایک شعر ہے ؎

ہر عشقِ مجازی کا آغاز بُرا دیکھا
انجام کا یا اللہ کیا حال ہوا ہوگا

بدنگاہی کے نقصانات

فرمایا: اس زمانے میں بدنگاہی عام ہے، جس کا سبب بے پردگی کا عموم ہے، اور اس سے روحانی صحت کی خرابی کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کو بھی شدید اور ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ چناں چہ بعض تو عشقِ مجازی کا شکار ہو کر علم سے محروم ہوگئے اور بعض کے کاروبار کا ستیاناس ہوگیا، بعض کی بیویاں رو رہی ہیں اور بعض نامرادی کے غم سے پاگل یا خودکشی کے مرتکب ہورہے ہیں اور جو عشق میں نہ مبتلا ہوئے صرف سرسری مطالعۂ حسن کرتے رہے ان کے دل و دماغ کا سکون چھنا ہوا ہے۔ جریان واحتلام اور رقت وسرعتِ انزال کی بیماریاں ہورہی ہیں۔

حاصل یہ کہ پاکیزہ خیالی صحت کی بڑی ضمانت ہے اور یہ بدنگاہی اور پاکیزہ خیالی میں تضاد ہے جیسے پانی اور آگ میں۔ اس کا علاج صرف ایمان اور خوفِ خدا ہے اور یہ نعمت حق تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت ہی سے مل سکتی ہے۔ اللہ والوں کی مجالس میں اہتمام سے شرکت ہو اور تنہائی میں ان سے وقت لے کر اپنا حالِ زار بتا کر مشورہ کریں اور عام حالات میں تبلیغی جماعت میں نکلنا بھی عجیب کیمیا ہے۔ کیوں کہ اس جماعت میں آدمی اپنے ماحول سے دور ہو کر اور صالحین کے ماحول میں رہ کر اچھے اثرات کو قبول کرلیتا ہے اور مشاہدات ہیں کہ اس جماعت کے اندر دفتر کے ملازمین، کالج کے لڑکے اور تاجر طبقہ مل جل کر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی دینی درس گاہ

کے طالب علم یا استاد یعنی ظاہری صورت صالحین کی معلوم ہوتی ہے۔ احقر نے بد نگاہی کے علاج پر ایک نظم بھی لکھی ہے جو حسبِ ذیل ہے:

حفاظتِ نظر

بے پردہ حسینوں سے ہوا تنگ زمانہ
آنکھوں نے شروع کردیا اب دل کو ستانا
ممکن نہیں صورت میں نہ ہو کوئی تغیر
بے کار ہے پھر ان سے تیرا دل کا لگانا

لیکن اگر آنکھوں کو نہ تو ان سے بچائے
ممکن نہیں پھر دل کا ترا ان سے بچانا
آنکھوں کی حفاظت میں ہے اس دل کا سکوں بھی
گو نفس کرے تجھ سے کوئی اور بہانہ

دھوکا ہے تجھے لطف حسینوں سے ملے گا
ابلیس کے کہنے سے کبھی اس پہ نہ جانا
پاگل کی طرح پھرتے ہیں عشاق مجازی
بے چین ہیں دن رات یہ بدنام زمانہ

رہنا ہے اگر چین سے سن لو یہ مری بات
آنکھوں کو حسینوں کی نظر سے نہ ملانا
اخترؔ کی ایک بات نصیحت کی سنو تم
ان مردہ حسینوں سے کبھی دل نہ لگانا

(اخترؔ)

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

(مجذوبؔ رحمۃ اللہ علیہ)

اس کے عارض کو لغت میں دیکھو
کہیں مطلب نہ عارضی نکلے

(اخترؔ)

بدنگاہی سے بچنے کا نسخہ

فرمایا: حسنِ مجازی اور عشقِ مجازی کے عذاب اور فتنے سے نجات کے لیے حق تعالیٰ نے آنکھوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے یعنی بدنگاہی سے سخت احتیاط کرے۔ اور اس کے لیے لوگ وظیفہ پوچھتے ہیں مگر وظیفوں سے یہ عادت نہیں جاتی۔ یہ بُری عادت تو دعا و ہمت اور ارادہ سے جاتی ہے۔ جب تک ہمت اور ارادہ ترکِ گناہ کا نہ کرے گا زندگی بھر پریشان رہے گا۔ اور آخرت کا عذاب الگ بھگتنا پڑے گا۔ بس ارادہ کرلے کہ اگر جان بھی جائے گی پھر بھی نہ دیکھوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ! اس مرض سے نجات حاصل ہو گی۔ اور ہر بدنگاہی پر کم از کم ۴ رکعات نوافل جرمانہ بھی اپنے نفس پر کرے اور گڑگڑا کر استغفار بھی کرے۔ پس حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب شیطان دیکھے گا کہ یہ ہر گناہ کو استغفار سے معاف کرالیتا ہے اور نوافل کا ثواب الگ جمع کرلیتا ہے تو وہ بھی اپنی تجارت میں ایسا زبردست خسارہ دیکھ کر مایوس ہو کر تمہارا پیچھا چھوڑ کر دوسرا شکار تلاش کرے گا۔ واقعی اللہ والوں کی نظر کس قدر وسیع ہوتی ہے۔ وہ نفس و شیطان کی چالوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ بدنگاہی کے علاج پر یہ دو شعر احقر کے ہیں۔

نہیں علاج کوئی ذوقِ حسن بینی کا
مگر یہی کہ بچا آنکھ بیٹھ گوشہ میں
اگر ضرور نکلنا ہو تجھ کو سوئے چمن
تو اہتمام حفاظتِ نظر ہو توشہ میں

کتنی ہی حسین صورت سامنے آجائے دل مضبوط کر کے آسمان کی طرف دیکھو کہ اوپر بھی کوئی دیکھ رہا ہے اور وہ ان آنکھوں کا مالک ہے اور حق تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی گردن جھکا دو، نگاہ نیچی کر لو، اسی وقت نقد انعام ملے گا اور وہ انعام ایمان کی حلاوت ہے (جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے) یہی وہ جہاد ہے کہ کفار سے جہاد کرنے سے بھی بڑا جہاد ہے۔ نفس کے مقابلہ کو جہادِ اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہر وقت یہ شہادت مومن کو عطا ہوتی رہتی ہے یعنی امرِ الٰہی کے خنجر کے سامنے اپنے خواہشاتِ نفسانیہ کی گردن کو خوشی خوشی پیش کرتے ہیں اور اسی مجاہدہ سے حق تعالیٰ کا عظیم قرب عطا ہوتا ہے جب بندہ بزبان حال کہتا ہے ؎

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں

بد نگاہی کا علاج

فرمایا: بد نگاہی کا علاج یہ ہے:

۱) ہر بد نگاہی پر دو چار رکعت نفل توبہ پڑھنا، موت اور دوزخ کا ہر روز کچھ دیر مراقبہ کرنا اور حسینوں کے حسن کے زوال کو اور قبروں میں ان کے جسم کا سڑنا گلنا اور کیڑوں کی غذا بننا سوچنا۔

۲) اور اللہ والوں کی صحبت کا التزام یعنی پابندی سے ان کے پاس جانا۔

۳) اور حسینوں سے بہت دور رہنا، بالخصوص آنکھوں کی حفاظت کا اہتمام اور قلب کو ان کے تصورات سے بچانا اور پاکیزہ اور جائز کاموں میں اپنے کو مصروف رکھنا۔

۴) اور کسی بزرگ سے مشورہ کر کے ذکر نفی واثبات کرنا یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ (۵۰۰) مرتبہ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ ۱۱۱ مرتبہ اول آخر درود شریف (۳) بار، نیز کسی مرشدِ کامل سے رجوع کرنا اور ان کے مشوروں پر عمل کرنا اس بیماری کا مکمل اور شافی علاج ہے۔

ہائے اک عمر کیوں برباد کیا تھا ہم نے!

فرمایا: ایک عاشق مجاز ایک فلم ایکٹرس فردوس پر عاشق تھا، لیکن عشق مجازی میں چوں کہ سکون نہیں ملا، ہر وقت بے چینی اور عذابِ الٰہی میں مبتلا تھا، مجھ سے ملا اور کہا کہ میں اپنی اصلاح چاہتا ہوں۔ احقر نے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کی بیماری آپ کو بتادوں۔ اس نے کہا: بتایئے۔ احقر نے کہا کہ آپ عشق کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ اس کو بہت تعجب ہوا اور بے چارے نے اس کو احقر کا کشف سمجھا اور معتقد ہو کر بیعت بھی ہو گیا۔ حالاں کہ یہ کشف نہ تھا، اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا، احقر نے ذوقاً اور وجداناً اس کی آنکھوں کو دیکھ کر محسوس کر لیا کہ یہ کسی کے عشق میں مبتلا ہے یا یہ کہ مزاج عاشقانہ رکھتا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عشق مجاز میں کافی شہرت رکھتا ہے۔ بہر حال جب توبہ کر کے وہ ذکر اللہ میں لگ گیا، تو چند دن کے بعد مجھ سے کہا کہ عشق مجازی تو عذابِ الٰہی ہے اور خدا کے عشق میں سکون اور اطمینان ہے اور کہا کہ فردوس کے عشق میں رات کی نیند بھی حرام اور سکونِ قلب بھی چھن گیا تھا اور اب سکون اور اطمینان سے سو جاتا ہوں۔ احقر نے ان کو مبارک باد دی اور ایک شعر ان کو بنا کر دیا۔

نام فردوس تھا لیکن تھی سراپا دوزخ
ہائے اک عمر کیوں برباد کیا تھا ہم نے

مسلمانوں کو چاہیے کہ فلم ایکٹرس کا یا سینما جیسی لعنت گاہوں اور شیطان ہاؤس کا نام فردوس نہ رکھا کریں۔ یہ تو چوری اور سینہ زوری ہے اور عظیم ترین گستاخی ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

غصّہ اور شہوت کا علاج

فرمایا: نفس کے تقاضے تقویٰ کے حمام کو روشن کرنے کے لیے مثل ایندھن دیے گئے ہیں۔ پس یہ تمنا کہ پیدا ہی نہ ہو غلط آرزو ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ ہمارے خاص بندے غصے کو پی جاتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر غصہ نہ ہو تو

غصہ کو پینا کیسے ثابت ہو گا۔ پس غصہ کا آنا برا نہیں اس پر عمل کرنا برا ہے۔ اسی طرح بری خواہش کا پیدا ہونا مضر نہیں اس پر عمل کرنا مضر ہے۔ لکڑی اور ایندھن مضر نہیں ان کو کھانا مضر ہے۔ پس نفس کی برے خواہشات پر عمل نہ کرکے ان لکڑیوں کو حمامِ تقویٰ کے اندر ایندھن کی طرح ڈال کر نورِ تقویٰ دل میں روشن کرلینا چاہیے۔ یہ مختصر مضمون ہے جو تفصیل کا محتاج ہے۔ کسی بزرگ سے بالمشافہ سمجھ لینا چاہیے۔

اور انہوں نے معاف کر دیا

فرمایا: حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باندی سے آپ کے اوپر گرم پانی گر گیا، آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا۔ باندی نے تلاوت کی وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ آپ کے چہرے سے اس کو سنتے ہی غصہ کا رنگ ختم ہو گیا۔ پھر اس نے پڑھا وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ آپ نے فرمایا کہ معاف کردیا۔ پھر اس نے پڑھا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ آپ نے فرمایا جا تجھے آزاد بھی کر دیا۔ غصہ میں عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ انجام اور نتیجہ سوچنے کا ہوش نہیں رہتا، اس لیے ہاتھ اور زبان سے ایسی نامناسب حرکتیں انسان سے صادر ہو جاتی ہیں جس سے قتل، خون، بے عزتی اور بسا اوقات گھر کے گھر اجڑ جاتے ہیں اور نہ جانے کتنی قیمتی جانیں اور مال واسباب تباہ ہو جاتے ہیں اور کتنی مقدمہ بازیوں نے دل کا سکون رات کی نیند حرام کر رکھی ہے جس سے دنیا کی ترقی اور آخرت کی تیاری کے لیے وقت اور فراغ اور اطمینانِ قلب بھی میسر نہیں ہوتا، غصہ کی تباہ کاریوں سے کتنے بچے یتیم اور بیویاں بیوہ اور گھروں کے چراغ بجھ گئے۔ اس خطرناک بیماری کی فکر نہایت ضروری ہے۔ غصہ سے مغلوب ہونا اور مخلوقِ خدا کو ستانا نہایت درجہ بد بختی اور شقاوت اور سنگ دلی ہے۔ بزرگوں کا طریقہ تو یہ رہا ہے کہ جس نے ستایا اس کو معاف کردیا اور اس کے لیے دعا کا بھی معمول رکھا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب کا عجیب نافع شعر ہے۔

جور و ستم سے جس نے کیا دل کو پاش پاش
احمدؔ نے اس کو بھی تہہ دل سے دعا دی

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دو آدمی لڑ رہے تھے۔ ایک نے کہا: اگر

ایک کہے گا تو مجھ سے دس سنے گا، مولانا نے فرمایا: ہم کو ایک ہزار کہہ لو اور ہم سے ایک بھی نہ سنو گے۔ بس دونوں پاؤں میں گر گئے اور توبہ کر کے صلح کر لی۔

غصہ سے بچنے کا طریقہ

فرمایا: سب سے پہلے یہ کرے کہ جس پر غصہ آیا ہے اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے، اگر وہ نہ ہٹے تو خود ہٹ جائے۔ پھر سوچ کہ جس قدر یہ شخص میرا قصور وار ہے اس سے زیادہ میں خدائے تعالیٰ کا قصور وار ہوں۔ اور جس طرح میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا قصور معاف کر دیں مجھ کو بھی چاہیے کہ میں اس کا قصور معاف کر دوں اور زبان سے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بار بار پڑھتا رہے اور پانی پی لے اور وضو کر لے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ پھر جب عقل ٹھکانے ہو جائے اس وقت بھی اگر قصور پر سزا دینی مناسب معلوم ہو مثلاً سزا دینے میں قصور وار کی بھلائی ہو جیسے اپنی اولاد ہے کہ اس کی اصلاح ضروری ہے۔ یا کسی مظلوم کی مدد کرنا ہے اور اس کی طرف سے بدلہ لینا ہے تو اوّل خوب سمجھ لے کہ اتنی خطا کی کتنی سزا ہونی چاہیے۔ جب اچھی طرح شریعت کے مطابق تسلی ہو جائے تو اسی قدر سزا دے دے۔ چند روز اسی طرح کرنے سے غصہ قابو میں آ جاوے گا۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

فرمایا: ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک خادم کو ڈانٹ رہے تھے۔ اس نے کہا معاف کر دیجیے۔ شیخ نے فرمایا کہ کتنی مرتبہ معاف کروں، تم تو بار بار غلطیاں کرتے ہو، میں تمہاری کتنی غلطیوں کو بھگتوں، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بحیات تھے، پاس بیٹھے تھے۔ کان میں حضرت شیخ کے فرمایا کہ مولانا! جتنا اپنا قیامت کے دن بھگتوانا ہو اتنا یہاں بھگت لو۔ عجیب اصلاح کا عنوان ہے اور نہایت مؤثر ہے۔ جس پر غصہ آئے یہ بات یاد کر لے، ان شاء اللہ تعالیٰ! معاف کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

فرمایا: حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے دو شعر میں اپنے پیر کی دو نصیحتیں بیان فرمائی ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب
دو اندر ز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش
دویم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پیر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں دو نصیحتیں ارشاد کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے اوپر کبھی نگاہِ خود بینی کی مت ڈالنا، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے پر بد بین مت ہونا۔

اصلاحِ نفس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ دعا

فرمایا: حضرت پھولپوری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امّت کو نفس کی چالوں سے بچنے کے لیے عجیب جامع دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اس دعا کو ہر روز کم از کم ستر بار ضرور معمول بنالینا چاہیے۔ دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی درستی اس دعا کی برکت سے ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ أَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ[۵۸]

ترجمہ: اے حقیقی زندہ! اے حقیقی سنبھالنے والے! میری ہر حالت کو درست کر دیجیے اور مجھے پلک جھپکنے تک کو بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجیے۔ جب آدمی اس راستے کو قطع کرتا ہے اور کسی عارف کامل کی صحبت میسر ہو جاتی ہے تب نفس کے خفیہ مکاید کا ادراک ہوتا ہے۔

---

۵۸ کنز العمال: ۲/۱۳۹، (۳۴۹۸) الباب الثامن: الدعاء، الفصل الخامس: أدعية المؤقتة، الفرع الثالث: أدعية الصباح والمساء، مؤسسة الرسالة

ذکر و فکر

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے

ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے، ترے نام سے

(جگرؔ مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ)

ذکر میں تاثیرِ دورِ جام ہے

فرمایا: اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ ذکر دراصل ایک کنجی ہے جس سے دل کا قفل کھلتا ہے اور طاعت و فرماں برداری میں جی لگتا ہے اور اس کے لیے جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کنجی کے دندانے کو بھی درست رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ دل کا قفل آسانی سے کھلے، کوئی مشکل اور دشواری پیش نہ آئے۔ اور ذکر کی کنجی کے دندانے کو درست رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ذکر خشوع و خضوع کے ساتھ کیا جائے۔ ایسے ہی ذکر کے خاطر خواہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ذکر کی کنجی کی جو بات میں نے کہی ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اس کی دلیل حدیث میں موجود ہے۔ ارشاد ہے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِكَ[۵۹] یعنی اے اللہ! ہمارے دلوں کے تالوں کو کھول دے اپنے ذکر کے ذریعے۔

فرمایا: ذکر میں صرف کمیت یعنی مقدار و تعداد مطلوب نہیں ہے بلکہ کیفیت بھی مقصود ہے۔ یعنی اللہ کا خیال اور دھیان جس قدر ذکر میں جمایا جائے گا اسی قدر ذاکر کو نفع اور فائدہ ہوگا، اور اتنی ہی اس کے اندر طاقت و قوت پیدا ہوگی۔ دیکھیے لومڑی کس قدر بزدل اور ڈرپوک ہے لیکن شیر اگر اس کی پشت پر ہاتھ پھیر دے اور یہ کہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تو اس وقت لومڑی چیتے کا جگر بھی نکال سکتی ہے اور اس کے لیے اس کے اندر ہمت پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ذاکر کے ساتھ اللہ کی مدد و نصرت ہوتی ہے اور کسی حال میں تنہائی محسوس نہیں کرتا بلکہ نورِ ذکر کی برکت سے ذاکر اپنے قلب میں حق تعالیٰ کا خاص تعلق محسوس کرتا ہے جس کو مشائخ معیتِ خاصہ کہتے ہیں۔ معیتِ عامہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے۔

فرمایا: علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر "ذکر" کے سلسلہ میں بڑا حقیقت آفریں اور حلاوت آمیز ہے

۵۹؎ کنزالعمال: ۶۹۹/۷ (۲۰۹۹۰)، الفصل الرابع فی الاذان والترغیب فیہ...الخ، مؤسسۃ الرسالۃ

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیرِ دورِ جام ہے

چین کی نگری

فرمایا: آج لوگ سمجھتے ہیں کہ چین بیوی میں ہے، اولاد میں ہے، دوست احباب میں ہے، مال و دولت میں ہے، حکومت و سلطنت میں ہے، زمین و جائیداد میں ہے، تجارت و ملازمت میں ہے لیکن سب جانتے ہیں اور سب کا تجربہ ہے کہ ان چیزوں میں چین تلاش کرنے والے بے چین ہیں، ان کو سکون و قرار نہیں، اس بھری دنیا میں ان کا دل بڑا اُجڑا سا ہے، پھر آخر ایک انسان چین کہاں اور کس طرح پا سکتا ہے؟ اس کا جواب قرآنِ مجید نے یہ دیا ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُہُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ [۱]

وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں، سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں۔

یعنی دنیا کی کسی چیز میں چین نہیں ہے، چین کی نگری تو اس دل میں بسی ہوئی ہوتی ہے، جس دل کو تعلق مع اللہ ہوتا ہے اور جو دل اللہ کے ذکر اور اللہ کی یاد سے کسی لمحہ غافل نہیں رہتا۔

فرمایا: دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ جب انسان کسی چیز سے یہاں اپنا دل جوڑ لیتا ہے تو اس کے فنا اور زائل ہو جانے کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں دل چین کیسے پا سکتا ہے؟ اللہ کی ذات چوں کہ باقی ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس لیے جب کوئی شخص اللہ سے تعلق قائم کر لیتا ہے اور اسی کو اپنے دل میں بسا لیتا ہے اس کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے دل کو دوامِ سکون حاصل

---

[۱] الرعد:۲۸

ہو جاتا ہے۔ ذکر اللہ کا نور ایسے شخص کے قلب سے ہر طرح کی دنیوی وحشت اور گھبراہٹ کو دور کر دیتا ہے اور حقیقی اطمینان سے اسے ہمکنار کرتا ہے۔

اللہ میں اپنی آہ کو سمودیجیے

فرمایا: اللہ کو ہمیشہ یاد کیجیے، اسی سے لو لگایئے اور تعلق جوڑیے۔ ''اللہ'' کہتے ہوئے اسے قدرے کھینچیے، پھر دیکھیے کتنا مزہ آتا ہے۔ اس وقت ایسا معلوم ہو گا کہ گویا اس لفظ ''اللہ'' میں آپ نے ''اپنی آہ'' بھی سمودی ہے اور اپنی ساری فریاد اس لفظ کے ادا کرنے کے ساتھ ہی اس کے دربار میں پیش کر دی۔

بزرگانِ دین کو اہلِ دل کہنے کی وجہ

فرمایا: ایک دن مجھے خیال آیا، دل تو ہر انسان کے سینہ میں ہے، اس لیے ہر شخص ''اہلِ دل'' ہے۔ پھر اللہ والے کو یہ خصوصیت کے ساتھ ''اہلِ دل'' کیوں کہتے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ انہیں ''اہلِ دل'' اس لیے کہنا مناسب ہے کہ یہ اپنا دل اللہ کو دے چکے ہوتے ہیں۔ ہر وقت ان کا دل اللہ کے پاس ہی ہوتا ہے۔ جب دل، دل دینے والے کو کسی نے دے دیا تو اسے اہلِ دل ہی کہنا چاہیے؀

اہلِ دل آں کس کہ حق رادل دہد
دل دہد او را کہ دل رامی دہد

(اخترؔ)

ذکر و فکر۔۔ عقلی و طبعی

فرمایا: عقلی و طبعی محبت میں عقلی محبت کافی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ طبعی محبت بھی عطا فرمادیں تو سبحان اللہ! اگر طبعی طور پر کسی کا دل ذکر و فکر میں نہ لگے تو کوشش کر کے دیکھ لو، عقلی طور پر ذکر و فکر اور محبت کافی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنت میں دو قسم کی شراب کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایک سونٹھ والی اور ایک کافور والی۔ سونٹھ

گرم ہے اور کافور ٹھنڈی ہے۔ سونٹھ والی ان کو پلائی جائے گی جن کی طبیعت ذرا گرم ہے، شوروفغاں اور آہ وواویلا کرتے ہیں۔ اور کافور والی ان کو پلائی جائے گی جن کی طبیعت ذرا ٹھنڈی ہے، جوش وخروش نہیں ہے۔ بہر حال دونوں طرح کی طبیعت والے جنتی ہیں، کوئی جہنمی نہیں ہے۔

اصل سرمایہ ذکرِ خدا ہے

فرمایا: بھائیو! یہ دنیا فانی ہے، ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ یہ دنیادار لوگ جس چیز کو جمع کرنے میں خدا کی یاد کو بھی بھلا بیٹھے ہیں اور جو کچھ دنیا کا سرمایہ جمع کر رہے ہیں، یہ چند دنوں کا سرمایہ ہے، آنکھ بند ہوتے ہی سب افسانہ ہو جائے گا، اصل سرمایہ تو خدا کا ذکر ہے جس کو کبھی فنا نہیں اور دنیاوی سرمایہ کو بقا نہیں۔ ہر چیز سے اپنے کو فارغ کر کے خدا کی یاد میں بیٹھ جایئے، پھر دیکھیے کیسا سکون ملتا ہے۔ کتنی فرحت وشادمانی نصیب ہوتی ہے۔اس مسرت وفرحت کے مقابلے میں تو دنیا ہیچ نظر آتی ہے۔ اپنا بوریا بھی تختِ سلیمانی سے کم نظر نہیں آتا ہے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس استغنا اور آسودگی کو کس قدر عمدگی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

ذکر کا ناغہ، روح کا فاقہ

فرمایا: بھائیو! خدا کا ذکر کرو، اور اس کے لیے وقت نکالو، اگر کسی شدید ضرورت کی وجہ سے مکمل وظیفہ نہیں پڑھ سکتے ہو تو جتنا ممکن ہو سکے اتنا ہی پڑھ لو، مگر کبھی ناغہ نہ کرو۔ اس لیے کہ ذکر کا ناغہ روح کا فاقہ ہوتا ہے اس سے تمہاری روح کمزور ہو جائے گی اور شیطان غفلت میں ڈال کر خدا سے دور کر دے گا۔ ذکر خدا سے روح میں تازگی اور بالیدگی ہوتی ہے، ایمانِ میں اضافہ ہوتا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا[۱] ”اے ایمان والو! ایمان لاؤ“ اس کا کیا مطلب ہے؟ ایمان تو ہے ہی، پھر بھی ایمان لانے کو کہا جا رہا ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ: ایمان حاصلہ میں ترقی کرو اور الٰی غیر النہایہ ترقی۔ اور یہ ترقی خدا کی یاد سے ہوا کرتی ہے۔ اس کے لیے اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھا کرو، وہاں تمہیں ذکر کی بھی توفیق ملے گی اور محبتِ خداوندی کی چاشنی بھی ملے گی۔ علامہ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

”اللہ والوں کے آنسو مجلس والوں کے دل کو ہیرا بنا دیتے ہیں“

بھائیو! خدا کی یاد میں مشغول رہو اور ہر چیز کو دل و دماغ سے تھوڑی دیر کے لیے سہی خالی کر کے روزانہ خدا کو یاد کرو، ناغہ نہ کرو۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن رحمۃ اللہ علیہ اپنی دعاؤں میں یوں کہا کرتے تھے ؂

دل مرا ہو جائے ایک میدانِ ہو
تو ہی تو ہو تو ہی تو ہو تو ہی تو

اور میرے بدن میں بجائے آب و گِل
دردِ دل ہو دردِ دل ہو دردِ دل

غیر سے بالکل ہی اٹھ جائے نظر
تو ہی تو نظر آئے دیکھوں جدھر

اور حال یہ ہو کہ ؂

جو آہ نکلی تو حور بن کر
جو نکلے آنسو تو بن کے گوہر

یہ کون بیٹھا ہے میرے دل میں
یہ کون چشمِ پُر آب میں ہے

---

[۱] النسآء:۱۳۶

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر و فکر اور اشغال کا عجیب حال تھا۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا خوب اور صحیح لکھا ہے ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہو گی

خدا کی دوستی اتنی سستی نہیں ہے

فرمایا: آج سب سے بڑی کمی ذکر و مجاہدہ کی ہے۔ خدا کی یاد اور وہ تڑپ جو ہونی چاہیے، وہ دن بہ دن لوگوں میں کم ہوتی جارہی ہے۔ اس کے لیے کسی کو وقت نہیں ملتا ہے۔ وقت ملتا ہے تو دنیا کے کاموں کے لیے۔ بھلا خدا نوازے تو اپنی محبت سے کیسے نوازے؟ دنیا کی محبت تو دلوں میں پہلے سے بیٹھی ہوئی ہے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ باوجود یہ کہ بہت مال دار تھے، ڈپٹی کلکٹر تھے، پھر بھی عین جوانی کے دنوں میں ۲۴ ہزار مرتبہ اللہ اللہ کا ورد کیا کرتے تھے۔ آج تو یہاں چار سو دفعہ بھی مشکل ہے۔ بزرگانِ دین نے وقت کے لحاظ سے اوراد و وظائف میں بھی کمی کر دی ہے۔ پھر بھی وقت نہیں ملتا ہے۔ بھلا آخر خدا کی دوستی اتنی سستی کیوں کر ہو سکتی ہے؟

ذکر مقصود ہے، مزہ نہیں

فرمایا: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ذکر کرتا ہوں مگر مزہ نہیں ملتا، دل نہیں لگتا اور یہ سوچ کر بہت سے لوگ ذکر ہی کو ترک کر دیتے ہیں مگر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ مقصود ذکر کرنا ہے مزہ کا ملنا نہیں ہے۔ مزہ مل جائے تو یہ انعام خداوندی ہے۔ ورنہ صرف ذکر ہی مقصود اور مطلوب ہے۔ مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ[۶۲] جو جس چیز کو زیادہ پسند کرتا ہے وہ اس کا تذکرہ بھی زیادہ کرتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے، دوستوں میں، جب بھی

---

[۶۲] شعب الایمان للبیہقی: ۳۸۸/۱ (۵۰۱) فصل فی معانی المحبۃ، دار الکتب العلمیۃ

کہیں کسی سے ملتا ہے تو مختلف طریقوں سے اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کا ذکر چھیڑ دیتا ہے۔ میرے بھائی! آپ بھی خدا سے محبت کیجیے اور بار بار ذکر کیجیے۔ خدا اپنی محبت سے ضرور نوازے گا۔

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری

فرمایا: ہر انسان کی روح ذاتی طور پر فقیر ہے۔ پیدایش کے وقت وہ کچھ بھی ساتھ نہیں لاتا۔ دنیا میں جیسا وہ عمل کرتا ہے، روح اسی عمل کی مالک بنتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ[۶۳] اے انسانو! تم فقیر ہو یعنی ہر انسان ذاتی طور پر فقیر ہے۔ غنی اور بے نیاز، خوبیوں اور کمالات سے لبریز تو وہ ذات خداوندی ہے، تم خدا کی یاد کرو تمہاری روح مالا مال ہو جائے گی، تم خدا سے اس کی محبت مانگو روح کو خدا کی یاد اور اس کی محبت سے لبریز کرو، یہ ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔

بقول اکبرؔ الٰہ آبادی ؎

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری
مصلّٰی ہے ہمارا تختِ شاہی
ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ
ہمارا حصن ہے ترکِ مناہی

(پیش کردہ مرتب)

ذکر کی راحت

فرمایا: ایک شخص کو بے خوابی کی بیماری تھی، نیند نہیں آتی تھی، وہ یہاں آئے تو نیند آنے لگی اور وہ مجلس میں سونے لگے۔ کسی نے کہا صاحب! آپ کو تو نیند نہیں آتی تھی، یہاں تو آپ سو رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے میں

۶۳؎ فاطر: ۱۵

ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں داخل ہو گیا ہوں۔ میرے دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچ رہی ہے۔ تو میں نے کہا، یہ ذکر کی برکت و رحمت ہے، ذکر سے روح کو سکون ملتا ہے، تسبیح لیا،، ذکر کیا اور نیند آنے لگتی ہے۔ اور اگر کوئی سینما اور ناچ دیکھ رہا ہے تو اس کو نیند آئے گی؟ نہیں آئے گی، کیوں کہ روح کو عذاب ہو رہا ہوتا ہے، عذاب میں نیند کیسے آئے گی؟

خدا کی یاد کا اثر

فرمایا: تختِ سلیمان (علیہ السّلام) کوئی عام تخت نہیں تھا۔ جس طرح عام بادشاہوں کے تخت ہوا کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ کمیت و کیفیت کا حامل وہ تخت تھا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ چھ لاکھ کرسیاں، سونے اور چاندی کی اس پر سجی ہوتی تھیں۔ اور اس پر آپ کے صحابہ اور دیگر افراد جو امورِ سلطنت میں ہاتھ بٹاتے تھے وہ بھی اس پر جلوہ افروز ہوتے تھے، جہاں کہیں جانا ہوتا "ہوا" کو حکم دیتے اور ہوا تخت کو اٹھائے منزل تک سبک و نرم رفتاری کے ساتھ پہنچا دیتی تھی۔ یہ شان تھی تخت سلیمان علیہ السّلام کی۔ مگر جب کوئی بندہ بے غرض ہو کر صرف خدا کی محبت میں اس کی یاد میں مشغول ہوتا ہے تو اس میں وہ آسودگی اور استغنا کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنا بوریا بھی تخت سلیماں علیہ السّلام نظر آتا ہے۔ اللہ اللہ!

حضرت سلیمان علیہ السّلام کو بھی اپنے عظیم ہوائی تخت سے زیادہ خدا کا ذکر محبوب تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام اپنے ہوائی سفر کے وقت پورے راستے میں سر جھکائے ہوئے اللہ کے ذکر و شکر میں مشغول رہتے تھے، دائیں بائیں کچھ نہ دیکھتے تھے اور اپنے عمل سے تواضع کا اظہار فرماتے تھے۔

ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کی اہمیت

فرمایا: ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السّلام اپنے تخت پر بیٹھے مع احباب کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ کا تخت اس کی شان و شوکت اور خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت و دبدبہ سے متأثر ہو کر ایک امتی نے کہا "سبحان اللہ۔ اللہ

نے آلِ داوٗد، (حضرت سلیمان علیہ السّلام) کو کس قدر نوازا ہے؟ اس کی اطلاع حضرت سلیمان علیہ السّلام کو مل گئی۔ آج کل جس طرح حکومت میں سی آئی ڈی کا محکمہ ہوتا ہے اور وہ خفیہ راز کو حکومت تک پہنچاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے لیے یہ کام ہوا کرتی تھی، ہوا نے فوراً یہ بات حضرت سلیمان علیہ السّلام تک پہنچادی کہ فلاں امتی نے رشک سے یہ کہا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے حکم دیا، فوراً ان کو حاضر کیا جائے، وہ حاضر کیا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے دریافت فرمایا: کیا آپ نے ایسا کہا ہے؟ امتی نے فوراً اقرار کرلیا کہ ہاں میں نے ایسا کہا ہے۔ آج کل کی طرح کے لوگ تو نہیں تھے کہ جھوٹ سے ذرا دریغ نہیں کرتے، گواہ وشہادت کی ضرورت پیش آتی۔ انہوں نے بغیر کسی ادنیٰ توقف وتردد کے اقرار کرلیا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے بڑی حیرت کے ساتھ فرمایا: لَتَسْبِیْحَۃٌ وَّاحِدَۃٌ خَیْرٌ مِّمَّا اُوْتِیَ اٰلُ دَاوٗدَ[۶۴] ”بے شک ایک تسبیح بہتر ہے ان تمام مال و دولت اور شان و شوکت سے جو آلِ داوٗد کو دی گئی ہے۔“ یہ اس لیے کہ مال و دولت، حکومت و بادشاہت سب ختم ہوجانے والی چیزیں ہیں اور اللہ کی ایک تسبیح بھی باقی رہنے والی ہے اور آخرت کی زندگی میں وہی کام آئے گی۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کے معنیٰ اور اس کے برکات

فرمایا: لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کے معنیٰ بہت اہم بھی ہیں اور دوررس نتائج کے حامل بھی ہیں۔ ایک دفعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے دریافت فرمایا: ”جانتے ہو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کے کیا معنیٰ ہیں؟ صحابی نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے معنیٰ ہیں: ”نہیں ہے طاقت گناہوں سے بچنے کی اور نہیں ہے قوت نیک اعمال کرنے کی، مگر اللہ کی مدد سے۔“

یہاں ”ب“ استمداد کے لیے ہے۔ جیسے کہتے ہیں کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ یعنی میں

---

[۶۴] حلیۃ الاولیاء: ۶۹/۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

نے قلم کی مدد سے لکھا۔ اسی طرح یہاں اللہ کی مدد مراد ہے۔ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ بندہ جب ان کلمات کو ادا کرکے اپنی کمزوری اور عجز کا اظہار کرتا ہے اور خدا سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے تو رحمتِ خداوندی جوش میں آجاتی ہے اور بندے کی دعا قبول کرلی جاتی ہے۔

حضرت ہردوئی فرمایا کرتے ہیں: جب کوئی شخص برے اعمال سے نہیں بچ پارہا ہو یا نیک اعمال میں سستی ہورہی ہو تو اسے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا ذکر کرنا چاہیے۔ اور کم سے کم ۷۰ دفعہ کرنا چاہیے۔ پھر اس کے واسطہ سے دعا کرے ان شاء اللہ! سستی دور ہوگی۔ اور گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوگی۔ اس طرح یہ وظیفہ جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص نماز سے پہلے ایک دفعہ بھی یہ وظیفہ پڑھ لے تو اس کی نماز وساوس سے محفوظ رہے گی، افکار وخیالات کا ہجوم اور ذہنی پراگندگی کا وہ شکار نہیں ہوگا۔ اور وہ نماز کی لذّت سے آشنا ہوگا، ذہن ودل کی حضوری حاصل ہوگی۔

فرمایا: ہمارے سلسلہ میں یہ وظیفہ (لاحول کا وظیفہ) پابندی سے پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ ’’تھانہ بھون کے کنویں کا پانی کھارا تھا، مگر اس دعا کی برکت سے میٹھا ہوگیا، نہ کوئی دوا ڈالی گئی، نہ کوئی اور چیز صِرف دعا اور لاحول کے وظیفہ کی برکت سے یہ سب ہوا۔‘‘

لاحول کے ذکر سے شرح صدر کا حصول

فرمایا: اس وظیفہ سے شرح صدر کی نعمت حاصل ہوگی جو بہت بڑا انعام ہے۔ اللہ نے فرمایا:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ[۶۵]

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور کافروں کا سینہ

[۶۵] الانعام: ۱۲۵

تنگ ہوتا ہے اور وہ ہر خیر کے کرنے کے لیے اپنے اندر گھٹن محسوس کرتا ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! شرح صدر کس طرح ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "اللہ کے ذکر سے اس کے دل میں نور بھر جاتا ہے اور سینہ کھل اٹھتا ہے۔ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ [۶۶]

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور بوجھ نہ اتارا جو آپ کی کمر توڑ دے رہا تھا اور آپ کا ذکر بلند کیا۔

شرح صدر کی علامتیں اور ذکر کے برکات

فرمایا: بھائیو! جب شرح صدر ہوتا ہے تو دل روشن ہوتا ہے، تنگی و تاریکی دور ہوتی ہے اور افکار کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اور اس طرح بندہ جب خدا کی یاد میں لگ جاتا ہے اور اپنی طاقت کی نفی کر کے خدا کے حضور جھک جاتا ہے تو اللہ اس کا نام روشن کر دیتا ہے۔ بڑے سے بڑے جاہ و مال کا مالک مر جاتا ہے اور اس کا نام بھی مٹ جاتا ہے مگر خدا کو یاد کرنے والے ہمیشہ یاد کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے اولیاء ہیں سب کا نام روشن ہے اور عزت و احترام کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا ہے۔ مگر دنیاوی وجاہت کا مالک اس دولت سے محروم ہے۔

بخاری شریف کی آخری حدیث

فرمایا: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں آخری حدیث یہی درج فرمائی ہے:

---

[۶۶] الم نشرح: ۱، ۴

كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ [۷۶]

وہ کلمے جو زبان سے ادا کرنے میں بہت آسان اور ہلکے ہیں مگر میزان یعنی ترازو پر بڑے بھاری اور وزنی ثابت ہوں گے (وہ دو کلمے یہ ہیں) سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ۔ دیکھیے پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں، نہ وقت زیادہ لگتا ہے اور نہ محنت ومشقت اٹھانی پڑتی ہے، مگر قیامت کے دن جب میزان عمل قائم کی جائے گی تو ان کے وزن بہت زیادہ ہوں گے اور ان کا ورد کرنے والا کامیاب رہے گا۔

میرے بھائی! ذکر خدا کیا کرو، کام آئے گا اس وقت جب دنیا کی کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ یہی نیک اعمال اور خدا کی یاد اور اس کا ذکر ہوگا جو اس سخت اور کٹھن وقت میں کام آئے گا۔

بھائیو! غور سے سن لو اور یاد رکھو، یہ زندگی اور اس کا چراغ بجھ جائے گا۔ موت کی تاریکی تم پر مسلط ہو جائے گی۔ جب زندگی کا چراغ بجھ جائے گا تو محبتِ الٰہی اور ذکرِ خدا کا چراغ روشن ہو جائے گا۔ اور یہی روشنی آخرت میں کام آئے گی۔ اس لیے میرے بھائیو! دنیا کے چراغ ہی کی نہیں بلکہ آخرت کے چراغ کی فکر کرو، عبادت کا تیل مہیا کرو۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت ہو، وارفتگی اور بے تابی ہو تب کہیں جا کر وہ چراغ روشن ہوتا ہے، جو قبر کی تاریکی اور آخرت میں روشنی دے گا۔

جب خدا بندے کو یاد کرتا ہے

فرمایا: مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے ذاکرِ حق! جب تو اللہ کا نام لیتا ہے، تو اس کے اندر حق تعالیٰ کی طرف سے بہت سے لبیک موجود ہیں، کیوں کہ تیرا اللہ کہنا قبول نہ ہوتا تو دوسری مرتبہ توفیق اللہ کہنے کی نہ ہوتی۔ بس اللہ اللہ کا ذکر کرنا ہی دلیل ہے کہ ہر اللہ کہنا تیرا قبول ہو رہا ہے۔

---

[۷۶] صحیح البخاری: ۱۱۲۹/۲، (۷۶۱۱)، باب قول اللہ ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ، المکتبۃ المظھریۃ

ایک بزرگ نے اپنے مرید سے فرمایا کہ ہم کو معلوم ہو جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ ہم کو یاد فرماتے ہیں: مرید نے کہا: یہ کس طرح؟

فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے، میں بھی اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اکیلے یاد کرتا ہوں، اگر کسی مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر فرشتوں کی مجلس میں کرتا ہوں۔ پھر ان بزرگ نے فرمایا کہ جب مجھے ذکر کی توفیق ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ اس وقت حق تعالیٰ مجھے یاد فرمارہے ہیں۔

خدا سے غفلت.... ایک واقعہ

فرمایا: ایک بزرگ، ایک بزرگ سے ملاقات کے لیے سفر کررہے تھے۔ راستے میں ایک درخت کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ چڑیوں نے کہا: جہاں یہ جارہے ہیں، وہ بزرگ انتقال کرگئے۔ یہ بزرگ جب ان سے ملے تو وہ زندہ تھے۔ فرمایا: اب تو چڑیاں بھی جھوٹ بولنے لگیں۔ فرمایا: کیا بات ہے؟ قول چڑیوں کا نقل کیا۔ پوچھا کیا وقت تھا؟ جب یہ خبر دی؟ بارہ بجے دن کا تھا۔ فرمایا: چڑیوں نے صحیح خبر دی تھی۔ میں آج ۱۲ بجے خدا سے غفلت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اور خدا سے غافل کی مثال حدیث شریف میں مردہ سے دی گئی ہے اور ذاکر کی مثال زندہ سے دی گئی ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آیا۔

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

جس نے دنیا میں خدا کا قرب و رضا نہ حاصل کیا وہ دنیا میں آکر دنیا سے کچھ نہ پایا۔

افسوس کہ اہلِ آخرت کو آج کل کے عقلائے زمانہ بے وقوف سمجھتے ہیں، حالاں کہ عقل کی تعریف یہ ہے کہ جو نفع وضرر سمجھ سکے، پھر نفع وضرر میں فیصلہ کرسکے، نفعِ دائمی کے لیے ضررِ عارضی کو گوارا کرلے اور نفعِ عارضی کو ضررِ دائمی کے

خوف سے ترک کر دے۔ اب ان کا حال ظاہر ہے کہ دنیا کے چند روزہ آرام کے لیے آخرت کے دائمی عذاب سے بے فکر ہیں اور عارضی نفع کو دائمی ضرر کے مقابلے میں ترجیح دے رہے ہیں۔ پس عقل کی صحت کا فیصلہ اس تعریف مذکور کی کسوٹی پر خود کر لیں اور عقل کی تعریف مذکور بین الاقوامی تعریف ہے۔ کوئی عاقل اس کے خلاف بول نہیں سکتا۔ یہ کلمات مسلمات ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبلیغی کام کرنے والوں کو مشورہ

فرمایا: ہمارے مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ تبلیغ وارشاد کا کام انجام دے رہے ہیں ان کو چاہیے کہ کچھ وقت خلوت مع اللہ کا اپنے معمولات کے لیے بھی مقرر کر لیں۔ دوسروں کی نفع رسانی کے ساتھ ساتھ اپنی نگرانی اور اپنی ترقی سے بے فکر نہ ہوں۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ تلقی موقوف ہے تخلی پر، یعنی خلوت مع اللہ ہی کی برکت سے مضامین القاء ہوتے ہیں۔ اور اس کے برعکس مسلسل نفع رسانی کا انجام اس کنویں جیسا ہے کہ جس سے ہر وقت پانی نکالا جائے، اور سرچشمہ سے پانی جمع ہونے کا وقفہ نہ دیا جائے، تو پھر اس کنویں سے بجائے پانی کے کیچڑ نکلنے لگتا ہے۔ اسی طرح معمولات کی پابندی نہ کرنے والے کی باتیں ظلمت آمیز ہو کر غیر مفید ہو جاتی ہیں۔

استغفار کے ثمرات وبرکات

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ کُلِّ ضَیْقٍ مَّخْرَجًا وَّمِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا وَّرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ [۶۸]

فرمایا: سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **مَنْ لَّزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ** جو شخص کثرت سے استغفار کرتا رہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا رہتا ہے، گناہ سے

---

۶۸ سنن ابن ماجۃ: ۲۰۶(۳۸۱۹)، باب الاستغفار والتوبۃ، المکتبۃ الرحمانیۃ

جو تعلق ٹوٹ گیا رو کر، گڑ گڑا کر، الحاح کر کے اشکبار آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق بندگی کا جوڑ تا رہتا ہے اس کو ایک انعام یہ ملے گا کہ جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ کُلِّ ضِیْقٍ مَّخْرَجًا یعنی اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے اس کو نجات دے دیں گے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ تنگی میں پھنسا ہوا ہوں کیا کروں اس کا علاج استغفار ہے۔ دوسرا انعام ہے وَمِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا اور ھم سے اللہ تعالیٰ اس کو نجات دیتا ہے۔ اور ھم کے معنیٰ کیا ہیں؟ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْھَمُّ ھُوَ الْحُزْنُ الَّذِیْ یُذِیْبُ الْاِنْسَانَ ھم وہ غم ہے جو انسان کو گھلا دے وَالْحُزْنُ لَیْسَ کَذٰلِکَ[۶۹] "حُزْن" سے "ھَمّ" زیادہ شدید ہوتا ہے۔ مستغفر اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ[۷۰] اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں، اور دنیا میں بھی کوئی شخص اپنے محبوب دوست کو غم میں نہیں دیکھ سکتا تو حق تعالیٰ شانہٗ جس کو اپنا محبوب بنالیں وہ کیسے غم میں رہ سکتا ہے۔ تیسرا انعام ہے وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ اور مستغفرین تائبین کو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے ان کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث پاک میں گناہ گار کے لیے بڑی تسلی ہے کہ متقین کو نعمتِ تقویٰ پر جو انعامات ملتے ہیں رونے والوں کو، توبہ کرنے والوں کو، مستغفرین نادمین کو بھی استغفار و توبہ پر ان ہی انعامات کا وعدہ فرمایا گیا ہے فَنَزِّلُوْا مَنْزِلَۃَ الْمُتَّقِیْنَ[۷۱] ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پاک اس آیتِ شریفہ سے استفادہ کی ہوئی ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ[۷۲]

---

[۶۹] مرقاۃ المفاتیح: ۵/۳۵۸-۳۵۹، (۲۴۴۸)، کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الاوقات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

[۷۰] البقرۃ: ۲۲۲

[۷۱] مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۳۵، باب الاستغفار و التوبۃ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

[۷۲] الطلاق: ۲،۳

ان آیات کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا (اور کیوں کہ ایک شعبہ تقویٰ کا توکل ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس (کی اصلاحِ مہمات) کے لیے کافی ہے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیے کہ آپ کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میری امّت کے خطا کار بندے محروم رہیں۔ پس مستغفرین و تائبین کے لیے بھی ان ہی انعامات کا وعدہ فرمایا جو متقین کو عطا ہوں گے۔ اور یہ کیا کم نعمت ہے کہ متقین کے درجہ کو پہنچ جائیں، چاہے صفِ ثانی میں رہیں۔

عالمِ شباب

وہ عالمِ شباب کہ طوفاں کہیں جسے
سیلاب کی زد میں تھی مرے عشق کی بستی
محفوظ جوانی تھی مری شیخ کے صدقے
گو حُسن کی دولت تھی مرے سامنے سستی
آنکھوں میں وہ نشہ تھا کہ توبہ مری توبہ
اور حُسن کے گلشن میں جوانی تھی مہکتی
ہر خونِ تمنّا سے ملا دردِ دل مجھے
ایمان کے پھولوں کی تھی رنگت بھی نکھرتی
زینت سے بے نیاز تھی وہ میری جوانی
صُورت تھی مری زُلفِ پریشاں سے سنورتی
آئی نظر جو چشمِ بصیرت مری کُھلتی
دُنیائے حُسن تھی مری آنکھوں میں سسکتی
اختر نے جب اُلٹ دیا خواہش کا سیلِ آب
منزل مری جانب کو چلی آئی مچلتی

صبر و شکر

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بد ظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے دشمن نہیں
(اکبرؔ الٰہ آبادی)

مصیبتوں اور بلاؤں سے کسی کو نجات نہیں

فرمایا: دنیا میں کسی شخص کو بلاؤں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات نہیں، چاہے وہ اولیاء اللہ ہوں یا کوئی بھی ہوں، ان پر مصیبتیں آئیں گی، اولاد کا نقصان ہو گا، خود انہیں بھی دنیا سے جانا پڑے گا۔ بھائیو! یہ سوچنا کہ کوئی پریشانی نہ ہو، مصیبت نہ ہو، بس آرام ہی آرام رہے تو یہ ایک غلط نظریہ ہے۔ عافیت کی دعا کا تو حکم ہے، اللہ سے تم بلا نہ چاہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تم اللہ سے عافیت مانگو کہ اے اللہ! ہمیں ہر بلا سے محفوظ رکھ، مگر یہ بلا آئے گی ضرور، مگر مانگنا ہمارا کام ہے۔ کبھی بچے بیمار ہوں گے اور کبھی نہ کبھی کوئی پریشانی ضرور آئے گی۔ مانگنا ہمارا کام ہے، بندے کا کام مانگنا ہے۔ غلام مانگے گا اور آقا بھی اپنا کام کریں گے۔ مالک ہمارے فائدے کے لیے سوچے گا، کیا ہمارے لیے مفید ہے اور کیا مفید نہیں ہے۔ مگر ہم یہ سوچیں کہ ہم پر مصیبت نہ آئے یہ سوچنا غلط ہو گا، مصیبت میں تو انسان کی مخفی صلاحیتیں ابھرتی ہیں اور حوصلہ معلوم ہوتا ہے۔

بقول شاعر؎

مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمائش کا
اسی میں آدمی کا حوصلہ معلوم ہوتا ہے

امتحان لازمی ہے

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ ہم امتحان ضرور لیں گے، پرچے تمہارے پاس آئیں گے۔ مگر پرچے آسان ہوں گے، زیادہ گھبرانا مت، بس تھوڑا سا خوف ڈال دیں گے، ''بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ'' بہت تھوڑا سا خوف ہو گا۔ کسی پڑوسی سے ڈر لگے گا، کہیں کوئی مار نہ دے یا کوئی اور خوف، کبھی کوئی آفیسر ناراض ہو جائے گا یا کبھی نوکری کا خوف، ہے نا بھائیو! وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ۔ دیکھیے فرمایا گیا ہے، ضرور ضرور آزمائیں گے، یہ نہیں فرمایا کہ آزمائیں گے بلکہ

فرمایا ہم ضرور ضرور آزمائیں گے تاکید کے ساتھ فرمایا۔ وَ الْجُوْعِ، اور کبھی بھوک بھی لگے گی۔ کیا مطلب ہوا؟ یعنی کبھی روزی بھی تنگ ہو جائے گی تمہاری۔ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ کبھی تمہارے مالوں میں بھی نقصان آئے گا۔ تجارت ہو رہی ہے کبھی چوری ہو گئی کوئی نقصان ہو گیا، وضو کر رہے تھے وضو خانہ میں گھڑی گم ہو گئی، کسی کا قلم گم ہو گیا، کسی کا کچھ۔ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے یہ بھی امتحان ہے۔ وَالْاَنْفُسِ، اور کبھی تمہاری جانیں، یا عزیز و اقارب کی جانیں جائیں گی، انتقال ہو گا۔ کبھی تمہارے باغوں اور پھلوں میں کمی آجائے گی، میرے بھائیو! یہ سب پرچے ہوں گے۔

صبر کرنے والوں کے لیے بشارت

مگر آگے فرمایا گیا ہے وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ[۳] صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجیے۔ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ۔ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے۔ بھائیو! صابر کون ہے؟ صابر وہ ہیں جو ایسی مصیبت کے وقت کہا کرتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ ہم تو اللہ کے غلام ہیں۔ بھائیو! یہاں "لام" ملکیت کے لیے ہے یعنی ہم لوگ اللہ کی ملکیت ہیں۔ مالک کو تو اپنے ملک پر اختیار ہوتا ہے جیسا چاہے کرے، جیسے ہم اپنی پیالیوں کو جہاں چاہتے ہیں رکھ دیتے ہیں، اسی طرح اللہ جس طرح چاہے رکھے، کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ پوچھے۔ کیوں صاحب! میرے لڑکے کو کیوں لے گئے؟ آپ نے اپنا کیوں سمجھ رکھا تھا، تمہارا تو تھا مگر اصل میں تو اللہ ہی کا تھا۔

دفعِ غم کی حکیمانہ تعلیم

بس بھائیو! اس طرح اِنَّا لِلّٰهِ کی تعلیم دی گئی، ایک جملہ میں سبق سکھا دیا گیا کہ تم کو جو رنج ہوتا ہے تو اس لیے ہوتا ہے کہ تم لوگ خود تُرم خاں بنے ہوئے ہو، اپنے کو اللہ کی ملکیت اور اس کا غلام نہیں کہتے ہو، اس کا سبق بتایا گیا کہ تم خود رو پودوں کی طرح نہیں ہو، تمہیں باقاعدہ اور بامقصد پیدا کیا گیا ہے۔ تم خود پیدا نہیں ہو گئے ہو، رحمِ مادر میں

[۳] البقرۃ: ۱۵۵

"قدرت" کام کرتی رہی تھی تم نے کچھ نہ کیا، نہ کرسکتے ہو، پھر یہ "میں" اور "ہمارا" کیا مطلب؟ سب تو اللہ ہی کا ہے، اسی کا حکم ہر چیز پر جاری ہے۔ اگر ہمارا کوئی عزیز چلا گیا تو ہمیں بھی وہیں جانا ہے، ہمیں تو اس موقع پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ [۱۴۷] ہی کے ذریعہ صبر وسکون حاصل کرنا ہے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں (خواہ آج خواہ چند روز بعد)۔

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں: اس آیت کے اندر تعلیم تین چیزوں کی ملی: ایک یہ کہ ہم سب عبدِ محض ہیں اور تمام تر اسی کی مِلک، خود ہم بھی اور ہماری ہر چیز بھی۔ اپنی کوئی شئ بھی نہیں، نہ بیوی نہ بچے، نہ مال نہ جائیداد، نہ وطن نہ خاندان، نہ جسم نہ جان۔

جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گمان ہمارا

(اکبر رحمۃ اللہ علیہ)

انسان کے سارے رنج و غم درد و حسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے۔ لیکن جب ذہن اس عام مغالطہ سے خالی ہوگیا اور کوئی سی بھی شئ ہو سرے سے اپنی رہی ہی نہیں تو اب گلہ وشکوہ، رنج وملال کا موقع ہی کیا؟

دوسری بات یہ کہ بڑے سے بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں۔ رہ جانے والے کوئی بھی نہیں۔ عن قریب انہیں چھوڑ چھاڑ کر مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔

تیسرے یہ کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بے باق ہو جائیں گے۔ ہر کھوئی ہوئی چیز وصول ہو کر رہے گی۔ یہ تینوں عقیدے جس کے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن وسکون حاصل رہے گا۔ غم وحزن کے بار کو ہلکا کرنے کا جو عارفانہ اور تیر بہدف نسخہ یہاں بتا دیا گیا ہے، یہ صحائفِ کائنات میں بے نظیر ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں اگر صرف یہ ہی ایک آیت ہوتی تو یہ ہی اسے

[۱۴۷] البقرۃ: ۱۵۶

حکیم مطلق کا کلام ثابت کرنے کے لیے واللہ کافی تھی۔

صبر ایک کیفیتِ نفسی کا نام ہے اور اصلاً اس کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے کلمۂ صبر دہرانے کا حکم اسی کیفیت کو قوی اور مؤکد بنانے کے لیے ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ آیت میں جو حکم ہے اس کی تعمیل کے تین مرتبے ہیں:۱) درجۂ اعلیٰ: دل میں آیت کے معنی منقش ہوں اور زبان پر بھی اس کے الفاظ جاری ہوں۔ ۲) درجۂ اوسط: دل میں معنی کا خیال کرلے اور زبان سے ادا نہ کرے۔ ۳) درجۂ ادنیٰ: دل میں استحضار نہ ہو مگر زبان سے دہرادے۔ چوتھی ممکن صورت یہ ہے کہ دل میں اعتقاد کسی درجہ میں بھی موجود نہ ہو محض زبان سے دہرادے۔ اس مقام کا نام منافقت ہے۔ اور یہ ایمان والوں کی دنیا سے خارج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت تاریخ کا بیان ہے کہ آپ ادنیٰ ادنیٰ تکالیف یا ناگواری کے موقع پر بھی یہ کلمہ زبان پر لاتے رہتے تھے اور یہی معمول آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا رہا ہے۔ رَاجِعُوْنَ سے یہ مراد نہیں ہے کہ انسان ابھی کہیں اور ہے، اور ابھی کسی ایسے مقام یا جہت میں آجائے گا جہاں خدا ہے۔ خدا کے پاس تو وہ اب بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالمِ آخرت میں جس طرح اللہ کی ملکیت و ربوبیت اور سارے ظاہری اسباب کے ٹوٹ جانے سے بالکل واضح و نمایاں ہوجائے گی، اسی طرح یہ خدا ہی کی طرف رجوع بالکل آشکار ہو کر رہ جائے گا۔ درمیانی واسطے سب غائب ہو کر رہیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کلمہ استرجاع تمام مصیبتوں کا علاج ہے اور ان ہی میں قبض بھی داخل ہے جو سالکوں کو اکثر پیش آتا رہتا ہے۔)

صبر کمالات کا زینہ ہے

فرمایا: صبر سے انسان کے اندر قوت اور نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ ایک بزرگ تھے، ان کی بڑی شہرت تھی، ایک شخص ان سے ملنے گیا، دروازہ پر دستک دی۔ ایک عورت نکلی۔ آنے والے نے پوچھا، حضرت! کہاں ہیں؟ میں ان سے بہت دور سے ملنے آیا ہوں۔ بیوی نے کہا، تم عجیب بے وقوف معلوم ہوتے ہو، وہ کہاں کے بزرگ ہیں، وہ تو ایک مکار اور دھوکے باز آدمی ہے۔ آنے والے کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے

سوچا چلو جو کچھ بھی ہو، وہ جیسے بھی ہوں ان سے مل کر ہی جاؤں گا۔ پھر لوگوں سے پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ جنگل گئے ہیں لکڑی لانے کے لیے۔ یہ شخص جنگل گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص شیر پر چلا آرہا ہے لکڑی کا گٹھڑ شیر پر رکھا ہے اور ہاتھ میں سانپ کا کوڑا ہے۔ وہ شخص یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ علیک سلیک کے بعد بزرگ نے ان کی حیرانی بھانپ لی۔ پوچھا: کیا میرے گھر سے آرہے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ کی گھر والی نے تو مجھے بدگمان کر دیا۔ یہ سن کر جو کچھ فرمایا۔ اس کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح قلم بند فرمایا ہے۔

گر نہ صبرم می کشیدے بارزن
کے کشیدے شیر نر بے گار من

(اگر میرا صبر بیوی کے بوجھ کو نہ اٹھاتا (یعنی بیوی کی گالی، بدکلامی وغیرہ کو نہ برداشت کرتا) تو یہ شیر نر میرا بے گار کیوں کھینچتا؟)

بھائیو! صبر اور ہر وقت کا صبر بڑے اونچے مقامات تک پہنچا دیتا ہے۔ بیوی اگر موافق طبیعت کی نہ ہو تو زندگی بڑی تلخ ہو جاتی ہے، اس پر صبر کر لینا بڑی بات ہے۔ صبر سے عارفین کے درجات بلند ہوتے ہیں اور بہت سارے کمالات پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی کا واقعہ

فرمایا: حضرت خواجہ مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ بڑے نازک طبع اور نفاست پسند تھے۔ شاہی خاندان سے تعلق تھا۔ جب ان کو بندوق کی گولی سے دشمنوں نے نشانہ بنایا تو لوگوں نے پوچھا، حضرت کو تو بڑی تکلیف ہو رہی ہو گی۔ فرمایا: کچھ تکلیف نہیں ہے صرف بارود کی بدبو سے تکلیف ہو رہی ہے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ جب ان سے ملنے آیا تو اس نے گھڑے کے اوپر پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا، حضرت کو بڑی تکلیف ہوئی مگر برداشت کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ نے عرض کیا، حضرت کو تو بڑی تکلیف ہوتی ہو گی۔ اگر اجازت ہو تو

ایک ملازم کو بھیج دوں، تنخواہ میں دوں گا اور خدمت آپ لیں گے۔ اب حضرت خواجہ کو بولنا ہی پڑا۔ فرمایا: بھائی! بس کرو، تم بادشاہ ہو مگر تمہیں پیالہ تک رکھنے کا سلیقہ نہیں ہے تو تمہارے خادم کو کیا سلیقہ ہو گا؟ بہر حال حضرت جان جاناں بڑی لطیف اور پاکیزہ طبیعت کے حامل تھے۔ مگر اللہ ایسے بزرگوں کے لیے سخت امتحان اور مضبوط ہتھوڑا بھی رکھتے ہیں۔ ایک دفعہ الہام ہوا، محلہ کی فلاں عورت سے شادی کر لو، تمہارے مراتب بلند ہوں گے۔ بیوی کا انتقال ہو چکا تھا، حضرت نے پیغام بھیجا اور شادی ہو گئی، مگر وہ عورت اپنی بد کلامی اور تند خوئی میں مشہور تھی۔ حضرت خواجہ برداشت کرتے رہے، طنز و طعنہ کی آگ پر جلتے رہے، خدا کی یاد اور اس کی تپش سے دل کو گرماتے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کا شہرہ آفاق میں پھیلا دیا۔ ایک کابلی پٹھان آیا اور لوگوں سے پوچھا، حضرت کا گھر کدھر ہے۔ لوگوں نے بتا دیا۔ حضرت اس وقت تشریف نہیں رکھتے تھے۔ بیوی سے دریافت کیا تو وہی لعن و طعن، کہاں کے حضرت؟ ایک مکار اور شریر کا نام حضرت وغیرہ وغیرہ تم لوگوں نے رکھ دیا ہے۔ بہر حال حضرت جانِ جاناں یہ سب تکلیف برداشت کرتے رہے۔ اسی لیے بھی اللہ نے ان کا مرتبہ بلند فرمایا۔

بھائیو! صبر ہی بلندی کا ذریعہ ہوتا ہے ورنہ انتقام سے معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں لڑائی ہو گئی، مقدمہ ہوا۔ جب غریب نے دیکھا کہ مقدمہ کے لیے میرے پاس پیسے نہیں ہیں تو وہ فریق کو قتل ہی کر دیتا ہے۔ دیکھیے مال رہ گیا اور مال دار چلا گیا۔ اس لیے صبر ہر حال میں بہتر ہے۔ صبر بیوی کی جفاؤں پر ہو یا غیروں کے ستانے اور لعن طعن اور دشمنی پر، ہر حال میں مفید ہوا کرتا ہے۔

مصیبت اور معصیت..... ایک بزرگ کا واقعہ

فرمایا: ایک بزرگ کو چیتے نے زخمی کر دیا تھا، خون سے جسم اور کپڑے لت پت تھے۔ وہ اس حالت میں بھی ایک ندی کے کنارے بیٹھے جسم اور کپڑے کو دھو رہے تھے اور زبان پر حمد و شکر کے کلمات تھے۔ ایک راہ گیر نے قریب آکر پوچھا کہ جناب! آپ تو خستہ، شکستہ اور کسمپرسی کے عالم میں یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ کپڑے پھٹے

ہوئے ہیں اور بدن سے خون رس رہا ہے، پھر بھی آپ اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں؟ بزرگ محترم نے کتنا معقول اور سبق آموز جواب دیا، فرمایا: ”بھائی! میں اس پر اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ میں ایک مصیبت میں گرفتار ہوں کسی معصیت میں نہیں۔“

بھائیو! معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کے لیے خطرے، ہلاکت اور تشویش کی چیز کوئی مصیبت نہیں بلکہ معصیت ہے۔ مصیبت میں گرفتاری اللہ کی جانب سے انعام واکرام کا باعث بن سکتی ہے جبکہ معصیت میں مبتلا ہونا خدا کے قہر وغضب کے نزول کو دعوت دیتا ہے۔

مصیبت کی لذت.....ایک مثال

فرمایا: ایک بچے کی طبیعت فطری طور پر کھیل کود سے مانوس ہوتی ہے وہ پڑھنے لکھنے سے بھاگتا ہے۔ تعلیم، کتاب اور مدرسہ سے اس کا دل اُچاٹ ہوتا ہے۔ ماں کہتی ہے بیٹا! مدرسہ جاؤ، آنے کے بعد میں تم کو لڈو دوں گی۔ اب بچہ لڈو کی مٹھاس اور شیرینی پر ریجھ جاتا ہے۔ مدرسہ جانا پہلے اس کے لیے ایک بڑی مصیبت تھی لیکن لڈو کے انعام نے اس کے لیے اس مصیبت کو آسان کر دیا وہ ہنسی خوشی مدرسہ چلا جاتا ہے۔ حالاں کہ فی الحقیقت دیکھا جائے تو تعلیم کے مقابلے میں لڈو کی کیا حقیقت ہے۔ لڈو تو تعلیم کا کوئی صلہ ہی نہیں۔ مگر بچے کی جو ذہنی سطح ہوتی ہے اس لحاظ سے اس کے نزدیک تعلیم کے مقابلے میں لڈو کی اہمیت ہے اور لڈو کی اسی اہمیت نے اسے مدرسہ جانے کی مصیبت کو گوارا کرا دیا۔

اسی طرح ایک بندہ مصیبت کو اپنی ظاہر بین نظر میں ناگوار سمجھتا ہے مگر اس مصیبت کے پردہ میں خدائی انعام واکرام چھپا رہتا ہے، وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے، اگر اس سے باخبر ہو جائے تو اسی طرح اس کو حوصلہ وہمت کے ساتھ گوارا کرلے جس طرح ماں کے مٹھائی کے وعدہ پر بچہ مدرسہ جانے کی مصیبت گوارا کرتا ہے۔ اس وقت مصیبت اس کے لیے باعثِ زحمت نہیں بلکہ موجب رحمت ہوگی۔ مصیبت کی لذت کو کسی بھی مسرت کی راحت سے وہ کم محسوس نہیں کرے گا۔ شاعر کہتا ہے۔

ہر اک مصیبت کی تہہ میں چھپی رہتی ہے راحت بھی
شبِ تاریک کے دامن سے ہوتی ہے سحر پیدا

ہر مصیبت میں ہمارا ہی فائدہ ہے

فرمایا: ہم پر جو مصیبت اور تکلیف آتی ہے اس میں ہمارا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظلم کیا (نعوذ باللہ) حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ نے اس اعتراض کو تین حصوں میں کر کے چوتھے حصہ میں جواب دیا ہے کہ

۱) جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

۲) جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ بندے کا بھی فائدہ ہو اور اللہ کا بھی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

۳) جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ نہ بندے کو فائدہ ہو نہ اللہ کو کیوں کہ اللہ تعالیٰ لغو سے پاک ہیں۔

اب ایک صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں اس کا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان چار صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں نکل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلی تین صورتوں سے پاک ہے اور چوتھی صورت انسان کے فائدے ہی کے لیے تصدیق کر رہی ہے کہ جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں انسان ہی کا فائدہ ہوتا ہے۔

ایک بزرگ تھے، وہ استنجا کرنے کے لیے پانی لیے باہر جا رہے تھے، جیسے ہی چلے بس فوراً ان کا سر ایک دیوار سے بہت تیزی سے ٹکرا گیا، ان بزرگ نے فوراً الحمد للہ پڑھا۔ ان کے خادم نے اس حال کو دیکھ کر کہا کہ حضرت! یہ شکر کا موقع کیسا ہے کہ آپ

کے سر میں اتنی تیزی سے چوٹ لگ گئی اور آپ شکر ادا کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس میں ہمارے لیے فائدہ تھا۔ اس کے بعد تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہوا کہ جس طرف یہ استنجا کے لیے جارہے تھے ادھر ہی اس کے بعض دشمن مہلک ہتھیار لیے ہوئے ان کی جان لینے کے لیے بیٹھے تھے۔ دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ جو بھی انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے اور ہر مصیبت میں انسان کی منفعت پوشیدہ رہتی ہے۔

مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمایش کا

فرمایا: مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عاشق کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شب وہ اپنے معشوق کے عشق سے سرشار دنیاومافیہا سے بے نیاز سڑک پر گھوم رہا تھا محافظ پولیس کی نظر پڑی اور قریب آکر ایک ڈنڈا رسید کیا۔ اس نے کہا: میں چور، ڈاکو یا راہ زن نہیں ہوں، تم نے کیوں مارا، میں تو اپنے معشوق اور محبوب کے فراق اور اس کی ملاقات کی آرزو اور تمنا دل میں لیے پھر رہا ہوں۔ پولیس نے کہا: مجھے اس سے کیا مطلب تم چور ہو یا عاشق؟ میں تو اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہوں۔ میں تو ہر اس شخص کو پکڑوں گا، ماروں گا جو شب میں یوں گردش کرتا رہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ یہ کہتے ہوئے پولیس نے پھر ڈنڈے مارے۔ عاشق وہاں سے تیزی سے بھاگا، بھاگتے ہوئے سامنے ایک باغ آیا، وہ باغ کی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا۔

باغ کے اندر اس نے جوں ہی قدم رکھا اس کا وہ محبوب اچانک نظر آگیا جس کی محبت میں گرفتار اور عشق سے سرشار تھا۔ نہ جانے کتنی ہی راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں اور سڑک پر ٹہلنے اور گھومنے پھرنے میں کٹی تھیں۔ محبوب کو دیکھتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے چاندنی اس کے آنگن میں اتر آئی ہو۔ وہ خوشی میں مست تھا اور پولیس کو گالی کے بجائے دعائیں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا، کہاں ہے کوتوال؟ مجھے تو اس کے ڈنڈے کو بوسہ دینے اور چومنے کو جی چاہتا ہے۔ کتنا پیارا تھا وہ ڈنڈا جس کی مار نے مجھے اپنے پیارے سے ملا دیا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کوتوال کی مار اوّلاً عاشق کے لیے ایک مصیبت تھی، لیکن جب یہ مصیبت محبوب کی ملاقات کا ذریعہ بنی تو عین نعمت بن گئی۔ پہلے تو کوتوال کے خلاف اس کے دل میں نفرت کے جذبات تھے مگر اب محبت کا دریا موجزن ہونے لگا۔

یہی حال بعض دنیوی مصیبتوں کا ہے۔ ایک انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ مصیبت میرے لیے پراگندہ ذہنی اور انتشارِ فکری کا باعث ہے۔ روح کا سکون اور دل کا چین لٹ گیا۔ مگر جب انسان اس پر حوصلہ اور ہمت کے ساتھ صبر کرتا ہے، زبان پر شکوہ کے کلمات نہیں لاتا، ''رضا بالقضا'' اس کا مسلک ہے تو یہ مصیبت اللہ کی ملاقات کا ذریعہ بن جاتی ہے اور ایسی صورت میں مصیبت، مصیبت نہیں بلکہ نعمت بن جاتی ہے۔

ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے کے لیے قرب وترقی کا ایک خاص مقام متعین فرمادیتے ہیں مگر وہ بندہ عبادت وریاضت کے ذریعے اس مقام تک نہیں پہنچ پاتا ہے تو چوں کہ اللہ تعالیٰ اس مقامِ رفیع پر اس بندے کو فائز کرنا چاہتے ہیں اس لیے کسی مصیبت میں مبتلا فرمادیتے ہیں اور پھر جب بندہ اس پر صبر کرتا ہے تو اس کے اجر کے سہارے اس مخصوص اور قابلِ رشک بلند وبالا مقام تک پہنچادیا جاتا ہے۔

اس لیے کسی مصیبت کو بار نہ سمجھو، آہ وواویلا نہ کرو، خدا کی شان میں گستاخانہ کلمات نہ نکالو، بہت ممکن ہے کہ صبر کے بعد یہ مصیبت تمہارے لیے کسی عظیم نعمت کے حصول کا ذریعہ بن جائے۔

صفی اورنگ آبادی فرماتے ہیں ؎

مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمایش کا
اسی میں آدمی کے حوصلے معلوم ہوتے ہیں

راحتوں پر شکر کرنا چاہیے

فرمایا: بھائیو! جب اللہ نعمت سے نوازے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ مگر

آج کل حال اُلٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ شکایت کے طور پر فرماتے ہیں کہ انسان کی فطرت ایسی ہے، وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو دَعَانَا وہ ہمیں پکارتا ہے، یااللہ! ہمیں اچھا کردے، یا اللہ! میری ماں اور میری بیوی کو اچھا کردے، اے اللہ! ہماری مصیبت دور کردے۔ دعائیں کرتا ہے، بزرگوں اور اللہ والوں کے پاس جاتا ہے دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ ۔ اپنے پہلوؤں پر داہنے بائیں پہلوؤں پر یا اللہ یااللہ کرتا ہے۔ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا بیٹھتے اٹھتے کہتا ہے یااللہ! رحم کیجیے ہم پر فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ [۵۷] اور جب ہم اس سے تکلیف دور کردیتے ہیں تو وہ اس طرح ہوجاتا ہے گویا جیسے کبھی اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا مصیبتوں میں۔ بھائیو! معاملہ ایسا ہی ہے حالاں کہ اس کے برعکس ہونا چاہیے۔

مجرم کا عیش قابلِ رشک نہیں

فرمایا: اگر کوئی بادشاہ پھانسی پر لٹکائے جانے والے مجرم کو کچھ دنوں کی مہلت دے دے اور اس کے لیے ہر طرح کا سامانِ عیش فراہم کردیا جائے۔ شاہی گاڑی پر اس کو ٹہلایا جائے، عمدہ کھانا کھلایا جائے کہ ایک ماہ بعد پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ اس کی ہر آرزو پوری کی جائے جیسا کہ انگریزی حکومت میں ہوا کرتا تھا، اب کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو اس کی حالت اور عیش وآرام پر رشک کرے گا اور اس جیسی ’’راحت‘‘ کی تمنا کرے گا۔ تو اگر ایسے مجرم اور گناہ گار کو اللہ تعالیٰ نے عیش وآرام دے رکھا ہے تو قطعاً وہ قابلِ رشک نہیں۔ ہمیں آرزو اور خواہش تو جنّت کی نعمت اور وہاں کے آرام کی ہونی چاہیے۔

کافر کے عیش پر لالچ نہ کرو

فرمایا: کافروں کے لیے بھی خدا کا فیصلہ صادر ہوچکا ہے کہ وہ جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ کافر کے عیش پر کبھی لالچ نہیں کرنا چاہیے، پناہ مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ

---

[۵۷] یونس: ۱۲

نے فرمایا: وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ اَوۡلَادُهُمۡ کہ اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں کے مال اور اولاد آپ کو اچھے نہ معلوم ہوں اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِی الدُّنۡيَا[۷۶] کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا دے کر اسی دنیا سے عذاب دینا چاہتے ہیں۔ جس کو تم دیکھو کہ دنیا اس کے پاس کافی ہے، کار بھی ہے، کوٹھی بھی، سب کچھ ہے مگر ایمان نہیں ہے یا ایمان تو ہے مگر نماز نہیں پڑھتا، نیکیوں میں سستی کرتا ہے، شراب بھی پیتا ہے، چھپ کر سینما بھی دیکھتا ہے، تو اس مال کو تم نعمت نہ سمجھو، وہ اللہ پاک کی طرف سے عذاب ہے اس کے لیے۔

اصل نعمت

فرمایا: اصل نعمت اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے۔ سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کے ساتھ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ فرمایا کہ صراطِ مستقیم کی دعا کے ساتھ یہ بھی کہو کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ یہاں فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انعام والے کون لوگ ہیں؟ عام طور پر ذہن اس طرف جاسکتا تھا کہ برطانیہ والے انعام والے ہیں، فرانس والے انعام والے ہیں، امریکا والے انعام والے ہیں، روس والے انعام والے ہیں یا جو بڑے بڑے مال دار اور ملوں کے مالک ہیں، وہ لوگ انعام والے ہیں۔ اس لیے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ[۷۷] انعام والے وہ ہیں جو غضب والا راستہ اختیار نہیں کرتے ہیں اور نہ گمراہ لوگوں کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اب پھر بھی یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ بھائی! وہ غضب والے کون ہیں، وہ غضب تو نظر نہیں آتا۔ دیکھتے ہیں شراب بھی پی رہا ہے، کوٹھی بھی ہے، کار بھی، عیش ہی عیش ہے۔ تو کیسے معلوم ہو کہ اللہ کا ان پر غضب ہوا ہے؟

---

۷۶ التوبة: ۸۵

۷۷ الفاتحة: ۷

نعمت والے کون ہیں

فرمایا: اس کی وضاحت اور تشریح اللہ تعالیٰ نے دوسرے پارے میں فرمادی ہے:

الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ[۸۷]

جن پر اللہ نے نعمت فرمائی ہے وہ جماعت ہے نبیوں کی، صدیقین کی، شہداء کی اور صالحین کی۔ بس یہ ہیں انعام والے لوگ۔ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور صالح لوگ ہیں۔ تو سمجھ لو کہ یہ انعام والے ہیں۔ اور جو شخص صالح نہ بن سکا اس میں تقویٰ اور صالحیت نہیں ہے تو سمجھ لو کہ انعام والوں کی فہرست میں ان کا نام نہیں ہے چاہے وہ پوری سلطنت کا مالک ہو، مگر اللہ کے نزدیک قرآن کی اصطلاح میں وہ نعمت والا نہیں ہے۔

میرے بھائی! اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ یہی پہچان اور معیار ہے نعمت والوں کا، اگر ان کے پاس پیوند لگے کپڑے ہیں، روکھی سوکھی روٹی کھاتے ہیں مگر اللہ کی رضا کے لیے جیتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے بچتے ہیں تو یہ ہی اصل نعمت اور کامیابی ہے۔ اس دنیا کی زمین پر جس بندے سے خدا راضی ہے اور وہ اللہ کی رضا والے اعمال کو اختیار کر رہا ہو تو وہی نعمتوں والا ہے۔

شکر اور فخر میں فرق

فرمایا: شکر اور فخر کے نتائج میں فرق ہے۔ ظاہر صورت تو دونوں کی ایک ہی ہے۔ ایک شخص شکر کے طور پر کہتا ہے کہ اللہ! تیرا شکر ہے کہ میں یہ ہوں، اور فخر والا بھی کہتا ہے کہ شکر ہے کہ میں پروفیسر ہوں۔ ایک شکر سے کہہ رہا ہے اور ایک فخر سے۔ اس کے فرق کا پتا نتیجہ سے چلے گا۔ شکر میں آدمی جھکتا ہے، اس میں انکساری پیدا

۸۷؎ النسآء:۶۹

ہوتی ہے، کہتا ہے کہ یہاں کیا اکڑنا ہے؟ اصل تو اللہ کے پاس پہنچنے کے بعد دیکھنا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

فخر والا اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہے اور اس پر اتراتا ہے کہ ہمارے پاس یہ ہے وہ ہے۔ بھائی! یہاں کا کیا ہے۔ اصل فکر وہاں کی کرو کہ کیسے رہے۔

علی گڑھ میں کہی ہوئی ایک مؤثر نظم

میں نے ۱۹۵۸ء میں علی گڑھ کا ایک سفر کیا تھا۔ یہ سفر حضرت مولانا عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد ابرار الحق صاحب مدظلہٗ کے ہمراہ ہوا تھا۔ اس سفر میں ہم لوگوں کی ملاقات ریاست چھتاری کے نواب چھتاری سے بھی ہوئی اور ان ہی کے یہاں بیان طے ہوا۔

میں جب نواب چھتاری کے یہاں پہنچا تو ان کے وسیع و عریض اور خوبصورت بنگلے اور مکانات دیکھ کر بہت متأثر ہوا اور دل میں خیال آیا کہ اکثر حالات میں ایسے حسین و جمیل مکانات اور عیش و آرام کے نقشے ایک انسان کو خدا سے دور کر دیتے ہیں حالاں کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں ایسا نہ کھو جائے کہ وہ نعمت دینے والے اپنے منعمِ حقیقی ہی کو بھول جائے۔

اس موقع پر علی گڑھ کے معززین بھی موجود تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ شعبۂ دینیات کے صدر بھی تشریف فرما تھے۔ میں اللہ سے دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ! موقع اور محل کی مناسبت سے ایک نظم موزوں کرا دے جس میں آپ کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہو، اس پر شکر کا بیان ہو، دنیا اور دنیا کی چیزوں کی بے ثباتی کا تذکرہ بھی ہو۔ اس دعا اور توجہ الی اللہ کے نتیجے میں اس وقت ایک ایسی ہی نظم بفضلِ خدا موزوں ہو گئی جسے میں نے سنایا۔ وہ نظم یہ ہے ؎

فریادِ اختر در یادِ دلبر

رہوں روز و شب گرچہ باغِ ارم میں وہ دونوں جہاں دیں عمومِ کرم میں
کروں عیش گوہر طرح کی نِعَم میں عطا ہفت اقلیم ہو ہر قدم میں

مرے دل میں تیرا اگر غم نہیں ہے
تو یہ ساری راحت کم از سِم نہیں ہے

بہت خوشنما ہیں یہ بنگلے تمہارے یہ گملوں کے جھرمٹ یہ رنگیں نظارے
ارے جی رہے ہیں یہ کس کے سہارے کہ مرنے سے ہو جائیں گے سب کنارے

اگر قربِ جانِ بہاراں نہیں ہے
یہ ننگِ خزاں ہے گلستاں نہیں ہے

تم ہی سے ہے جنت بھی جنت ہماری نہ ہو تم تو جنت میں بھی ہوں میں ناری
محبت کی دل میں لگے ضرب کاری مری کامیابی کی آجائے باری

مری جاں کا کوئی سہارا نہیں ہے
بجز تیرے کوئی ہمارا نہیں ہے

یہ ہے عشق میں امتحاں کس بشر کا بنائے ذبیحہ جو اپنے پسر کا
پدر سے ہے اعجاز قلب و جگر کا پسر سے ہے اعجازِ تسلیم سر کا

ترے حکم پر کیا گوارا نہیں ہے
کوئی تجھ سے بڑھ کر پیارا نہیں ہے

ترے عشق کے غم کا ادنیٰ اثر ہے کہ جاں سر بکف زیر تیغ و تبر ہے
بکوئے ملامت کوئی در بدر ہے بشوق شہادت کوئی دار پر ہے

اگر آپ کا غم ہمارا نہیں ہے
مجھے ہر دو عالم گوارا نہیں ہے

ملائک زخون شہیدانِ ملت محبت کی ہمت سے ہیں محوِ حیرت
کہا تھا کہ مفسد بشر کی ہے فطرت ولے شاد باش اے جنونِ محبت

ترے غم سے بڑھ کر کوئی غم نہیں ہے
بشر سے یہ اعجازِ غم کم نہیں ہے

بہت سے سلاطیں ہوئے گھر سے بے گھر دلوں میں جب ان کے کیا عشق نے گھر
مزہ ان کو آیا جو اس سنگِ در پر تو پایا فقیری کو شاہی سے بہتر

وہ دل جس میں جلوہ تمہارا نہیں ہے
وہ دل سب کا ہو پر تمہارا نہیں ہے

کبھی تو بآہ و فغاں رو رہا ہوں کبھی دل ہی دل میں فقط رو رہا ہوں
کبھی اک خلش سی محض پا رہا ہوں کبھی خون آنکھوں سے برسا رہا ہوں

ترے غم کا جو ہائے مارا نہیں ہے
کسی کا وہ ہو پر تمہارا نہیں ہے

جو اماں ملی تو کہاں ملی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک منکرِ خدا نے کہا کہ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ فرمایا: دریافت کرو، مگر میں خدا سے معلوم کر کے بتاؤں گا۔

کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے مقابل پر مسلسل تیر کی بارش کر رہا ہو تو اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے معلوم کیا، ارشاد ہوا کہ اے عیسیٰ!

آپ جواب دے دیں کہ تیر چلانے والے کے پاس آکر کھڑا ہو جائے تو پھر اس کے تیروں سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہ جواب سنتے ہی وہ حیران ہو گیا اور اس نے تصدیق کی کہ بے شک آپ سچے نبی ہیں۔

مثنوی شریف میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ اس سے یہ سبق ملا کہ جب مصائب کے تیر خدا کی طرف سے آتے ہیں تو مصائب سے محفوظ رہنے کی صورت یہی ہے کہ خدائے پاک سے قریب ہو جاؤ اور ان سے تعلق پیدا کرو۔

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے چلانے والا شہنشاں ہے
اسی کے زیر قدم اماں ہے بس اور کوئی مفر نہیں

(مجذوبؔ)

بلا سے عافیت کی دعا

فرمایا: ہر بلا سے عافیت کی دعا بھی مانگنا چاہیے اور اگر قضائے الٰہی سے آجائے تو صبر و تسلیم سے پریشان نہ ہو۔ دعائے عافیت واستغفار کی کثرت کرتے ہوئے اس میں اپنے لیے حکمت خیر کی سوچتا رہے۔ عن قریب پھر حق تعالیٰ اس بلا کو بھی دور فرمادیتے ہیں۔ کیوں کہ علاج مقصود ہے، جب وہ حاصل ہو جائے گی، بلا بھاگ جائے گی۔ ہاں اگر علاج کبھی طویل ہوتا ہے یا رفع درجات کے لیے تاخیر ہو تو گھبرائے نہیں۔ حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام چالیس برس تک حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کی دعا فرماتے رہے اور مایوس نہ ہوئے۔

حق تعالیٰ کی رحمت کے برابر اُمید وار رہے۔ یہ سبق ہے ان لوگوں کے لیے جو بہت جلد قبولیتِ دعا کے آثار نہ دیکھنے سے مایوس ہونے لگتے ہیں۔

غم زدہ دلوں کے لیے تسلی کا سامان

فرمایا: ایک دن قبر میں اترنا ہے اور سب کو جانا ہے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو دنیا میں آیا ہو اور نہ جائے۔ ہم لوگ دنیا کے نیشنل نہیں ہیں یہاں کا قیام ایک

عارضی نیشنلٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ہم یہاں کے نیشنل نہیں ہیں۔ پردیسی ہیں۔ اور یہی دلیل ہے کہ ہمارے جو عزیز جاتے ہیں اس کا ثبوت پیش کر کے جاتے ہیں کہ دیکھو دنیا پردیس ہے، اس سے دل نہ لگانا۔

اللہ تعالیٰ نے غم زدہ دلوں کے لیے ارشاد فرمایا: جب تم کو کوئی صدمہ اور غم پہنچے، جب کوئی مصیبت کا واقعہ پیش آجائے تو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ایسے لوگوں کو بشارت دے دیجیے، خوشخبری سنا دیجیے جو کسی مصیبت کے وقت میں اپنے رب کی مرضی پر راضی رہتے ہیں اور ان کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے کوئی اعتراض اور شکایت نہیں ہوتی اور کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ حضرت حکیم الامّت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ میں زبردست تسلی کا مضمون بیان فرمایا ہے۔ اس آیت میں دو جملے ہیں ایک اِنَّا لِلّٰہِ دوسرا وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

اِنَّا لِلّٰہِ کے معنیٰ ہیں کہ ہم سب اللہ کے مملوک ہیں غلام ہیں۔ لام ملکیت کے لیے آتا ہے یعنی ہم اپنی ذات کے مالک نہیں، اگر اپنی ذات کے ہم مالک ہوتے تو خودکشی جائز ہوتی، کیوں کہ اپنی چیز میں آدمی کو تصرف کا حق ہے، اگر ہم اپنی چیز ہوتے تو گلے میں پھندا ڈالنا جرم نہ ہوتا لیکن خودکشی اس لیے حرام ہے کہ تم اپنے مالک نہیں ہو، تم ہماری امانت ہو، ہماری چیز ہو، تمہیں اپنا گلا گھونٹنے کا کیا حق ہے یعنی خودکشی کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم خود اپنے مالک نہیں ہیں۔ ہمارے جسم و جاں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ کے معنیٰ ہیں کہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں، لہٰذا اس جملہ میں ایک تسلی تو یہ ہے کہ جب ہم مملوک اور غلام ہیں تو مالک کو ہمارے اندر ہر تصرف کا حق حاصل ہے جو چیز چاہے ہم کو دے، جس کو چاہے ہم سے لے لے۔ کیوں کہ صدمہ کے وقت میں دو خیال آتے ہیں، ایک تو یہ کہ ہمارے ماں، باپ یا شوہر کو جلدی بلا لیا، ہم سے چھین لیا، اس کا جواب اِنَّا لِلّٰہ ہے کہ تمہاری ماں، باپ، شوہر یا بیٹا بھی ہماری ملکیت، تم بھی ہمارے غلام اور مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا

ہے کہ ایک عمر ساتھ رہنے سے محبت ہو جاتی ہے۔ اب اس عزیز کی جدائی سے جو غم ہو رہا ہے اس کا کیا علاج ہے۔ تو اس کے لیے تسلی کا دوسرا مضمون وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ میں نازل فرمادیا کہ اللہ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ یہ جدائی دائمی تھوڑی ہے، عارضی جدائی ہے۔ آج تمہاری ماں گئی ہے ایک دن تم بھی ہمارے پاس واپس ہو گے۔

آج وہ کل ہماری باری ہے

اور وہاں سب اعزا واقربا پھر مل جائیں گے اور پھر کبھی جدائی نہ ہو گی لہٰذا کیوں گھبراتے ہو۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت اِنَّا لِلّٰہِ الخ کی تفسیر کے ذیل میں اس حقیقت کو ایک عجیب مثال سے سمجھایا۔ فرماتے ہیں کہ مثلاً کسی شخص نے ایک الماری خریدی جس میں دو خانے ہیں، نیچے کے خانے میں اس نے ایک درجن گلاس اور ایک درجن چائے کی پیالیاں لا کر رکھ دیں سال بھر تک اسی خانے میں وہ گلاس اور چائے کی پیالیاں رکھی رہیں پھر اس الماری کے مالک نے حکم دیا اپنے نوکر کو کہ سال بھر پہلے جو چائے کی بارہ پیالیاں اور بارہ گلاس میں نے نیچے کے خانے میں رکھے ہیں تم اس نیچے والے خانہ سے ایک گلاس اور ایک پیالی اٹھا کر اوپر والے خانہ میں رکھ دو۔ ملازم نے کہا کہ حضور! آپ ایسا حکم کیوں دے رہے ہیں؟ مالک کہتا ہے کہ نالائق! یہ الماری میری، اس کے دونوں خانے میرے، گلاس اور چائے کی پیالیاں میری اور تم بھی میرے نوکر، تم کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں، جو میں کہتا ہوں ویسا کرو۔ لہٰذا اس نے ایک پیالی اور ایک گلاس اٹھا کر اوپر والے خانہ میں رکھ دیا۔ پھر نوکر نے کہا کہ حضور! اب بات سمجھ میں آگئی کہ آپ الماری کے مالک ہیں اور اس کے دونوں خانوں کے بھی مالک ہیں اور گلاس اور چائے کی پیالیوں کے بھی مالک ہیں جس گلاس اور پیالی کو چاہیں آپ نیچے والے خانے سے اوپر والے خانہ میں رکھنے کا حکم دے دیں۔

لیکن حضور! مجھے ایک اشکال ہے وہ بھی آپ حل فرمادیں اور وہ اشکال یہ ہے کہ یہ بارہ پیالیاں اور بارہ گلاس جو ایک سال سے آپس میں ساتھ تھے انہیں آپس میں محبت ہو چکی تھی اب ایک گلاس اور پیالی کو ان سے جدا کر کے آپ نے اوپر کے خانہ میں

رکھ دیا تو یہ گیارہ پیالیاں اور گیارہ گلاس رو رہے ہیں جو ساتھ رہتے تھے اس کا کیا علاج ہے؟ مالک نے کہا: گھبراؤ مت، یہ گیارہ پیالیاں اور گیارہ گلاس جو نیچے والے خانہ میں ہیں ان سب کو ہم یکے بعد دیگرے اوپر والے خانہ میں لے جانے والے ہیں۔ لہٰذا یہ غم عارضی غم ہے یہ ان کا دائمی غم نہیں ہے۔ اب حکیم الامت فرماتے ہیں کہ یہ دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ کی ایک الماری ہے، ایک خانہ آسمان کے نیچے ہے اور ایک خانہ آسمان کے اوپر ہے۔ آسمان کے نیچے والے خانہ کا نام دنیا ہے اور آسمان کے اوپر والے خانہ کا نام آخرت ہے ہم لوگ اللہ کے گلاس اور پیالیوں کی طرح ہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ جب تک چاہتے ہیں ہمیں نیچے والے خانہ میں رکھتے ہیں۔ اور جب ان کا حکم ہوجاتا ہے کہ اب اس کا وقت پورا ہوگیا، تو اس خانہ سے اٹھا کر آسمان کے اوپر والے خانہ میں اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔

تو دوستو! آپ کی والدہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس خانہ سے اٹھا کر دوسرے خانہ میں منتقل کردیا ہے۔ الماری بھی اللہ کی، نیچے والا خانہ بھی خدا کا، آسمان سے اوپر والا خانہ بھی اللہ کا اور ہم لوگ بھی اللہ کے، ہمارے ماں باپ بھی اللہ کی ملکیت، اللہ کو اختیار ہے۔ اتنے ہی دن کا ویزا دیا تھا اس کے بعد ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتا تھا۔ ساری دنیا کے ڈاکٹر بھی جمع ہوجائیں تو کسی کو روک نہیں سکتے جب کوئی مرتا ہے تو سمجھ لو کہ یہی وقت تھا اس کے جانے کا، حتّٰی کہ جب وقت آجاتا ہے تو خود ہارٹ اسپیشلٹ بھی اپنے کو نہیں روک سکتا اور اپنے دل کی رفتار جاری نہیں رکھ سکتا۔ دل کے ماہر ڈاکٹر جمعہ کا ہارٹ فیل ہوا۔ دوسرے کے دل کی رفتار گن رہا ہے دل کی حرکت کا شمار کررہا ہے اور خود کے دل کی حرکت بند ہوگئی۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ پیاروں کی جدائی کا غم تو ہوتا ہے۔ میری ماں کی جدائی کا کیا علاج ہے اسی طرح باپ یا بیوی یا کسی کا شوہر چلا گیا تو ان کے غم کا کیا علاج ہے؟ اس کا علاج ہے وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کہ یہ جدائی عارضی ہے اور اس اوپر والے خانہ میں ہم لوگ بھی یکے بعد دیگرے جانے والے ہیں۔ اور ہمارا زیادہ خاندان تو وہیں ہے، ہمارے

دادااور نانا، اور دادا کے دادااور نانا کے نانا جن کو ہم نے دیکھا بھی نہیں سب اوپر ہیں زیادہ رشتہ دار تو وہیں ہیں۔ آپ سوچیے وہاں کتنا بڑا خاندان ہے جو پردیس سے وطن چلے گئے۔ سب خاندان والوں نے ان کا استقبال کیا ہو گا!

تو غم زدہ دلوں کے لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تسلی کا زبردست مضمون نازل فرمایا ہے اور اس سے قبل ہی صبر کرنے والوں کو یہ بشارت بھی سنا دی کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ یعنی ہم صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں پس کسی کے انتقال پر یا مصیبت پر جو اجر و ثواب ہم نے تمہارے لیے رکھا ہے وہ تو ہے ہی لیکن اگر تم سے تمہاری کوئی چیز کھو گئی تمہاری اولاد ماں باپ، بیوی یا شوہر کا انتقال ہو گیا تو اس کے بدلہ میں ہم تمہیں اپنی معیت خاصہ اپنا قربِ خاص عطا کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔

آپ سوچیے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوں اس کی کیا قسمت ہے اور اس کے لیے کتنی بڑی دولت کی بشارت ہے۔

اور مظہر در حقیقت گھر گیا

فرمایا: موت سے آدمی فنا نہیں ہوتا، دنیا سے آخرت میں منتقل ہوتا ہے۔ موت دراصل انتقال ہے پردیس سے اپنے وطن کی طرف جہاں وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں میں دہلی میں ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ جن کا نام مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے پہلے ہی اپنی ڈائری میں ایک شعر لکھ دیا تھا اس شعر کو پڑھ کر گھر والوں کو تسلی ہو گئی۔ وہ شعر کیا تھا؟ فرماتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ مظہرؔ مر گیا
اور مظہرؔ در حقیقت گھر گیا

اللہ اکبر! کیا شعر ہے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ مظہر مر گیا اور مظہر تو اپنے گھر گیا۔

پردیس سے اپنے وطن چلا گیا، جہاں سے آیا تھا اللہ میاں کے پاس۔ یہ مرنا نہیں ہے یہ تبدیلی ہے جیسے ایک شہر سے دوسرے شہر آدمی منتقل ہوجاتا ہے۔ لہٰذا کوئی اپنے گھر جائے تو آپ کیوں اتنا زیادہ روتے ہیں۔ میں نے جہاں جہاں بیان کیا اس شعر کو سنتے ہی لوگوں کو بڑی تسلی ہوئی۔ ابھی الٰہ آباد میں بھی بیان کیا تھا۔ ایک صاحب بڑے رئیس زمیندار تھے ان کو ڈاکوؤں نے فائر کرکے شہید کردیا، ان کے برادرِ نسبتی انیس صاحب الٰہ آبادی ہمارے دوست ہیں وہ کہنے لگے کہ بڑا حادثہ پیش آگیا، سارے گھر والے بے چین ہیں۔ میں ان کے یہاں گیا اور تقریر کی، سب نے کہا کہ صاحب! دل میں ٹھنڈک پڑگئی، ایسی تسلی ہوئی کہ غم بالکل ہلکا ہوگیا۔

اور تھوڑا سا غم ہونا بھی اللہ کی مصلحت ہے

فرمایا: یہ مرنے والے کی محبت کا حق ہے لہٰذا غم تو ہوگا، وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ ہلکا ہوجائے گا۔ تب ہی تو تسلی دینا سنت قرار دیا، غم نہ ہوتا تو تسلی دینا سنت ہی نہ ہوتا۔ کسی ایسے شخص کو جاکر تسلی دیجیے جس کو غم نہ ہو تو وہ کہے گا آپ مجھے کیوں پریشان کررہے ہیں۔ کہیں زخم نہ ہو اور مرہم لگائیے تو کہے گا کہ بھائی! آپ مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہیں۔ ارے زخم تو ہے ہی نہیں پھر مرہم سے کیا فائدہ۔

تسلی دینا سنت ہے

تو تسلی سنت جب ہے، جب غم ہو۔ معلوم ہوا کہ پیاروں کے انتقال سے غم ہوتا ہے اس لیے غم کو ہلکا کرنے کے لیے تعزیت کو سنت قرار دیا۔ اللہ سے زیادہ کون جانے گا جس نے ہمیں زندگی دی جو غم اور خوشی کا خالق اور مالک ہے۔

حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو بہت لوگوں نے تعزیت کی لیکن ایک بدوی (دیہاتی) بزرگ آئے اور انہوں نے ایسی تعزیت کی جس سے حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بہت تسلی ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اے عبد اللہ ابنِ عباس! تمہارے والد کا انتقال ہوگیا۔ یہ

بتاؤ کہ تمہارے والد کے لیے تم زیادہ بہتر ہو یا عباس کا اللہ زیادہ بہتر ہے اور عباس کی وفات سے جو تمہیں غم پہنچا اور اس مصیبت پر صبر کے بدلے میں جو تمہیں اجر و ثواب ملا بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ مل گیا تو یہ بتاؤ کہ یہ انعامِ عظیم تمہارے لیے کیا عباس سے بہتر نہیں ہے۔ سبحان اللہ! کیا عنوان ہے۔ دیہات کے تھے وہ، لیکن اللہ جس کو چاہے مضمون عطا فرماتا ہے جیسا کہ حضرت پرتاب گڑھی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔

جو آ سکتا نہیں وہم و گماں
اسے کیا پاسکیں لفظ و معانی
کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے
مجھے خود کردیا روح المعانی

عجب تسلی کا مضمون ان کے منہ سے نکلا۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے ابا کے لیے رو رہے ہو اور تمہارے ابا اپنے ربا کے پاس چلے گئے جو ارحم الراحمین ہے۔ پس ان کا رب تم سے بہتر ہے اور ان کی جدائی پر صبر کے بدلہ میں تمہیں اللہ مل گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اور اجر و ثواب ملا تو یہ انعام تمہارے لیے تمہارے ابّا سے بہتر ہے، اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور جدائی بھی عارضی ہے۔ سب چند دن کی باتیں ہیں پھر سب کو وہیں جانا ہے، وہاں پھر سب سے ملاقات ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ گھر میں کسی کی موت آجانا یہ بھی اللہ کی رحمت ہے اس لیے کہ آج آپ اپنی امّاں کے انتقال کو نہیں چاہتے، دل سے یہی چاہتے ہیں کہ میری امّاں ابھی کچھ دن اور زندہ رہتی۔ تو آپ کی امّاں بھی یہی چاہتی کہ میری امّاں بھی نہ مریں یعنی نانی، اور نانی بھی یہی چاہتی کہ میری امّاں بھی نہ مریں تو اگر سب کی آرزو اللہ پوری کردیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک گھر میں زیادہ نہیں صرف پانچ نانے اور پانچ نانیاں لیٹی ہوں اور پانچ دادے اور پانچ دادیاں لیٹی ہوں کوئی پانچ سو برس کا ہے کوئی تین سو برس کا ہے کوئی دو سو برس کا ہے، سب کے چارپائی پر پائخانے ہو رہے ہیں تو آپ نہ تو نوکری کرسکتے نہ بال بچوں کی پرورش کرسکتے۔ یہ ہمارے دو سو چالیس گز کے

پلاٹ بھی ناکافی ہو جاتے پھر تعویذ دباتے اور دعائیں کرتے کہ یہ جلدی سے مریں، اس لیے یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ لوگوں کو اپنے اپنے وقت پر پردیس سے وطنِ اصلی کی طرف منتقل فرماتے رہتے ہیں۔ جب بال سفید ہو گئے سمجھ لو کھیتی پک گئی اور کھیتی پک جانے کے بعد کسان کہاں کھیت میں چھوڑتا ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جب بال سفید ہو جائیں تو ہوشیار ہو جاؤ کہ تمہاری زندگی کی کھیتی پک چکی ہے، لہٰذا تیار رہو کسی بھی وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام درانتی لے کر آئیں گے اور تمہاری زندگی کی کھیتی کاٹ لیں گے۔

مولانا رومی نے بھی کیا انداز بیان فرمایا ہے کہ جلدی جلدی تیاری کرلو کٹائی کا وقت قریب آچکا ہے۔

جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گماں ہمارا

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی اللہ جو چیز ہم سے لیتا ہے وہ ہماری نہیں اللہ ہی کی ہے، اس کا مالک اللہ ہے۔ جو چیز اس نے لے لی وہ اسی نے عطا فرمائی تھی۔ اگر کوئی اپنی امانت واپس لے لے تو آپ اس پر زیادہ غم نہیں کرتے کیوں کہ وہ آپ کی چیز ہی نہیں تھی، جس کی تھی اس نے لے لی وہ اس کا مالک ہے۔ ہم کو جو حد سے زیادہ غم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ غلطی سے اس کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ الفاظِ نبوت یہ ہیں اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ جو کچھ اللہ نے تم سے لیا، جس کو اللہ نے اپنے پاس بلالیا وہ اللہ ہی کا تھا اسے تم کیوں اپنا سمجھتے ہو۔ اگر آپ کو کوئی شخص اپنی گھڑی دے دے کہ آپ دو مہینے اس کو استعمال کر لیجیے پھر دو مہینے کے بعد وہ آپ سے گھڑی مانگے کہ میری گھڑی واپس کر دیجیے تو آپ روئیں گے نہیں۔ آپ یہی کہیں گے کہ ٹھیک ہے صاحب! لیجیے یہ آپ کی گھڑی ہے بلکہ آپ کا شکریہ کہ اتنے دن تک آپ نے اپنی گھڑی مجھے دی تھی، تو آپ بھی شکر کریں گے کہ ہماری والدہ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی زندگی دی ورنہ اس سے پہلے بھی تو اللہ تعالیٰ ان کو اٹھا سکتے

تھے، بچپن ہی میں آپ کو چھوٹا سا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اٹھا سکتے تھے یہ ان کا احسان ہے کہ آپ لوگ بڑے ہوگئے ماشاء اللہ! بال بچے دار ہوگئے تب بلایا، اتنے روز تک آپ کے پاس رکھا۔ لہٰذا شکر ادا کیجیے کہ اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہماری والدہ کو اتنے عرصے ہمیں دیے رکھا جیسے وہ شخص کہتا ہے جس کو آپ نے گھڑی دی کہ ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ اتنے عرصہ تک اپنی گھڑی آپ نے ہمیں دی ہوئی تھی۔ جو کچھ لے لیا وہ بھی اللہ کا وَلَهٗ مَا اَعْطٰی اور جو کچھ عطا فرمایا وہ بھی اللہ ہی کا ہے۔ جو چیزیں دی ہیں ان کا بھی شکر ادا کیجیے۔ ان کا شکر کیا ہے کہ یا اللہ! آپ کا احسان ہے کہ آپ نے میرے والد کا سایہ میرے سر پر عطا فرمایا ہوا ہے اور کتنی نعمتیں دی ہوئی ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا ،اُن کا شکر ادا کیجیے کہ اے اللہ! آپ کی بے شمار نعمتوں کا بے شمار زبانوں سے شکر ادا کرتا ہوں۔ وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى [۹۷] اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ جو کچھ اللہ لیتا ہے اور جو کچھ عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں پہلے ہی سے مقدر ہے۔ یہاں تک کہ برتنوں کا وقت بھی مقرر ہے مثلاً آپ مدینہ شریف سے ایک گلاس لائے لیکن اچانک کسی بچے سے وہ گر گیا تو سمجھ لیجیے کہ اس کا یہ ہی وقت مقرر تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ برتنوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے اس لیے اپنے بچوں کی بے طرح پٹائی نہ کرو کہ نالائق! تو نے مدینہ شریف کا گلاس کیوں توڑ دیا۔ مار پٹائی کر رہے ہیں گھر میں ایک شور مچا ہوا ہے۔ اکثر لوگ اس معاملہ میں بچوں پر زیادتی کر جاتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ نرمی سے سمجھا دو کہ بیٹے! گلاس کو دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑا کرو لیکن زیادہ پٹائی نہ کرو بلکہ کہو اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اس کی زندگی کا وقت ختم ہو گیا تھا اور اس کا یہ ہی وقت مقرر تھا۔

۞۞۞۞

---

[۹۷] صحیح البخاری: ۱/۱۷۵ (۱۲۸۵) باب یعذب المیت ببکاء اهله علیه، المکتبة المظهریة

خلوص ولِلّٰہیَّت

خلوص نیتِ راہ بر پہ منحصر ہے عظیمؔ
مقامِ عشق بہت دور بھی ہے پاس بھی ہے

(عظیمؔ مرتضیٰؔ)

خدا کی نظر کی قیمت کو جانو

فرمایا: ہر وقت یہ خیال رکھو کہ ہم خدا کی نظر میں کیسے ہیں؟ مخلوق کی نظر کو اہمیت نہ دو، خدا کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہ بھولو۔ جب تک سانس باقی ہے خدا کو یاد کرو۔ یہ سانس بھی ایک نعمت ہے۔ ہم سو رہے ہیں اور پھر بھی نعمتیں لوٹ رہے ہیں۔ صاف ہوا لے رہے ہیں اور زہریلی ہوا چھینک رہے ہیں۔ یہ کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے۔ کسی سائنس دان نے نہیں بنایا۔ ریسرچ کر لینے سے آدمی خالق نہیں بن جاتا، یاد ہی کافی نہیں ہے۔ جیسے حلوائی کی دوکان پر جا کر کوئی مشین لگا دو اور بتا دو کہ اس مٹھائی میں فلاں فلاں چیز اتنی اتنی مقدار میں ہے تو اس سے مٹھائی نہیں مل جائے گی بلکہ وہ پیسہ مانگے گا۔ اسی طرح ریسرچ ہی کافی نہیں ہے بلکہ عمل کی ضرورت ہے۔ بھائیو! ہر وقت خیال رکھو کہ تم خدا کی نظر میں کیسے ہو؟ مخلوق کی نظر کو اہمیت نہ دو خدا کے پاس سب کچھ ہے اور انسان کی حیثیت یا اس کی نظر کی کیا اہمیت ہے؟

ہر کام کی غرض وغایت کیا ہونی چاہیے؟

فرمایا : آج کل کوئی کہتا ہے کہ میں ایک شاندار اسکول چلا رہا ہوں۔ کوئی کہتا ہے میں نے ہسپتال بنا دیا ہے۔ کوئی کہتا ہے میں نے ایک لاکھ روپے کی مسجد بنوا دی ہے۔ مجھے نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ سیٹھ لوگ سمجھتے ہیں، مسجد میں چندہ دے دو بیڑا پار ہو گیا۔ جی نہیں، دیکھو کافروں نے کعبہ شریف بنوایا اپنے حلال پیسوں سے، جب حلال پیسہ ختم ہو گیا تو وہیں چھوڑ دیا، ان کو بھی دل میں اتنا خوف تھا کہ حرام سے کعبہ نہ بنائیں، اللہ کا گھر ہے تھوڑا سا حصہ چھوڑ دیا آج تک اتنا حصہ خالی ہے یعنی کھلی چھت ہے اور وہاں راستہ بھی ہے جانے کا۔ اور وہ جو حصہ ہے چھت والا، اس میں دروازہ لگا ہے۔ وہ وزیر اعظموں کے لیے کھلتا ہے۔ شاہ فہد ہوں یا کوئی اور بڑے، ان کے لیے دروازہ کھلتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب سرمایہ کی کمی نہیں تھی اس وقت بھی اس خالی حصہ کو چھوڑ دیا گیا، بنانا کوئی مشکل نہ تھا۔ آج اس کی علت اور وجہ سمجھ میں آتی

ہے۔ آج کھلے حصہ میں ایک غریب سے غریب مسلمان داخل ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے مگر چھت والا حصہ جو بند ہے وہ تو بڑوں ہی کے لیے ہے جیسے صدر ضیاء الحق وغیرہ جیسے لوگوں کے لیے کھلتا ہے ورنہ کوئی عام انسان نہیں داخل ہو سکتا۔ تو میرے بھائیو! اب یہ کافر کہہ دے کہ میں نے تو کعبہ بنا دیا تو مجھے جنّت ملنی چاہیے۔ اور وہ لوگ حاجیوں کو پانی بھی پلاتے تھے۔ میں اس پر کہتا ہوں کہ جو لوگ ”قومی خدمات“ کو اہمیت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس یہی میرے لیے کافی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَۃَ الۡحَآجِّ وَ عِمَارَۃَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اے لوگو! تم یہ سمجھتے ہو کہ حاجیوں کو پانی پلا دینا اور کعبہ شریف بنا دینا ایسا ہو گا۔ کَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا۔ وَ جَاہَدَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ[۸۰] اور اللہ کے راستے میں تکلیفیں اٹھائیں، اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اصل چیز صرف ”قومی خدمت“ نہیں ہے بلکہ اللہ کی عبادت اور اس کی رضا ہے۔ اور اللہ کی رضا کا مطلب ہے کہ: ”جو (دین) رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیں اُسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جن چیزوں سے روک دیں ان سے فوراً رک جاؤ۔“

مرضیٔ حق

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حال ہے اور کیسا مزاج ہے؟ فرمایا اس بندے کا مزاج کیا پوچھتے ہو جس کی مرضی کے مطابق کائنات میں تمام کام ہوتا ہے۔

مخاطب نہایت متوحش ہوا کہ یہ کیسا جملہ ہے۔ جب تشریح کی درخواست کی تو فرمایا کہ بات یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مرضیٔ حق سے ہوتا ہے اور میں نے اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے۔ پس میری مرضی اور ان کی مرضی ایک ہو چکی ہے۔ لہٰذا جو کچھ ہوتا ہے میں یہی سمجھتا ہوں کہ سب میری ہی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے اور میں ہر حال میں خوش رہتا ہوں۔

---

۸۰ التوبۃ: ۱۹

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی

فرمایا: مولانا روم فرماتے ہیں: اگر تو چاہتا ہے کہ محبوبِ حقیقی دل میں جلوہ فگن ہو تو جا (کسی اہلِ دل، کامل کی صحبت میں) دل کو غیروں سے پاک کرلے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا تو خوش ہوکر فرمایا: اگر میرے پاس ہوتا تو میں آپ کو بطور انعام ایک لاکھ روپیہ پیش کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قلب اس نعمت سے مشرف تھا۔

دل مرا ہوجائے اک میدانِ ہُو
تو ہی تو ہو تو ہی تو ہو تو ہی تو

(مجذوبؔ)

جب دعا میں آنسو نکل آئے

فرمایا: حضرت پھولپوری درسِ بخاری کے لیے اپنے مدرسہ بیت العلوم پھولپور سے سرائے میر ہر روز اپنے ذاتی یکّہ سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ احقر ساتھ ہوتا تھا، پانچ میل کا راستہ تھا، ہر روز باوضو تلاوت کرتے ہوئے سفر کرتے۔ ایک دن اثنائے تلاوت ہی میں احقر سے فرمایا کہ حکیم اختر! جب دعا میں آنسو نکل آئے تو سمجھ لو کہ دعا قبول ہوگئی۔

ایک بار حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چہرے پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو پہلے آنکھوں پر پھر تمام چہرے پر اور داڑھی پر مل لیا اور فرمایا کہ ہمارے پیر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ پھر احقر نے ایک حدیث کی روایت میں دیکھا کہ ایک صحابی محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ جب روتے تھے تو آنسو اپنے

چہرہ اور داڑھی پر پھیلا لیا کرتے اور فرماتے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جہنم کی آگ اس جگہ نہ پہنچے گی جہاں آنسو پہنچے ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس آنکھ سے اللہ کے خوف سے ذرا سا آنسو خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر نکل کر چہرے پر گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس چہرے کو آگ پر حرام فرما دیتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے اس کا آگ میں جانا ایسا ہی مشکل ہے جیسے دودھ کا تھن میں واپس جانا۔

ایک اور حدیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ اے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ کی امّت سے کچھ لوگ بے حساب جنّت میں جائیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا فرمائیں گے، ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی وجہ سے اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ

فرمایا: حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بہت ادب اور احترام فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار امام صاحب کے شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا کیوں اتنا ادب کرتے ہیں جبکہ وہ علم و فضل میں آپ سے حد درجہ کم تر ہیں؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میں کتاب کا عالم ہوں اور بشر حافی اللہ کے عالم ہیں، وہ اللہ کو جاننے والے ہیں۔

ایک دفعہ بعض طالب علموں نے کچھ مسائل دریافت کیے اور مقصد امتحان تھا۔ ایک سوال سجدۂ سہو کے متعلق تھا۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سامنے بندہ کھڑا ہو اور سہو ہو جائے، یہ امر قابلِ تعجب ہے۔ پھر زکوٰۃ کا مسئلہ

دریافت کیا، تو فرمایا کہ ہم اتنا رکھتے ہی نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔

حافی کا خطاب بشر رحمۃ اللہ علیہ کو اس لیے ملا تھا کہ آپ نے جب یہ آیت سنی وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ[۸۱] کہ زمین کو ہم نے بچھونا بنایا ہے اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں۔ تو حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ پر ایک حال طاری ہو گیا اور فرمایا کہ "بشر کی کیا مجال جو اللہ کے بچھائے ہوئے فرش پر جوتا پہن کر چلے۔ یہ ایک حال تھا جس کی تقلید دوسروں کے لیے ضروری نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ قدر فرمائی کہ زمین کو حکم دیا کہ جدھر سے ننگے پیر ہمارے بشر نکلیں اے زمین! تو نجاستوں کو نگل جایا کر۔ حافی کے معنیٰ ننگے پیر چلنے والے کے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ[۸۲] یعنی جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

جب عمل کا رخ خدا کی طرف ہوتا ہے

مرتب عرض کرتا ہے: حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اونچے درجے کے عالم، عارف، محقق، مصنف اور مصلح تھے۔ خانقاہ اور کتابوں کے ذریعے ان کا علمی اور احسانی فیضان خوب جاری ہوا۔ آج بھی ان کے مواعظ دلوں کو گرماتے ہیں، ذہن و دماغ کو آسودگی بخشتے اور قوتِ عمل میں تحریک پیدا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے یقیناً وہ "غزالیِ وقت" تھے۔ اس غزالیِ وقت کا ایک واقعہ سنیے، بڑا دلچسپ، نظر افروز اور دل زندہ کے لیے انقلاب آفریں۔ واقعہ ایک عارف باللہ کا ہے، اسے ایک عارف باللہ ہی کی زبانی سنیے، مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پہلے ضابطہ تھا کہ جب کوئی وارد (نیا آنے والا) آئے تو بغیر سوال کیے خود بتائے کہ میں فلاں ہوں، فلاں جگہ سے آیا ہوں اور

---

۸۱ الذّٰریٰت: ۴۸

۸۲ إحياء علوم الدين: ۷/۱۳۷۱، بيان الفرق بين الالهام والتعليم والفرق بين طريق الصوفية فى استكشاف الحق، دار الشعب القاهرة

فلاں مقصد کے لیے حاضر ہوا ہوں، لیکن جب حضرت والا کی نظر مبارک سے یہ حدیث گزری بِالدَّاخِلِ وَحْشَةٌ تَلَقَّوْنَهُ بِمُرَحَبًا (الدیلمی) یعنی نئے آنے والے کو اجنبیت کے سبب ایک قسم کی حیرت زدگی اور بدحواسی ہوتی ہے اس لیے اس سے آؤ بھگت کے ساتھ ملا کرو۔ تاکہ اس کی طبیعت کھل کر مانوس ہوجائے اور پھر حواس بجا ہوجائیں اور ہر قول و فعل کا موقع سمجھ کر نہ خود پریشان ہو نہ دوسرے کو پریشان کرے۔“

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”یہ حدیث میری نظر سے اس وقت گزری جبکہ میری عمر اکہتر سال کی ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حدیث کی برکت سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اب آنے والے سے میں خود اس کا مقام، اس کے آنے کی غرض اور اس کا مشغلہ پوچھ لیا کرتا ہوں۔ اس سے ضروری حالات معلوم ہوجاتے ہیں اور وہ مانوس ہوجاتا ہے۔“

اس واقعہ سے یہ تو سبق ملتا ہی ہے کہ مہمان اور نئے آنے والے کے ساتھ محبت اور اپنائیت کا کس درجہ برتاؤ کرنا چاہیے اور مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر کس لطف و مہربانی اور خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرنا چاہیے کہ آنے والا اپنے سفر کی صعوبت کو بھول جائے، اس کے دل سے اجنبیت کا احساس جاتا رہے اور یہ سمجھے کہ میں اپنے کسی قریبی عزیز کے پاس آیا ہوں جہاں ہر طرح کے سکون کا سامان میسر ہے۔

لیکن اس واقعہ کی تہہ میں اصل جو پیغام چھپا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کسی حق کا اعتراف اور اظہار انسان کی سب سے بڑی خوبی اور کمال ہے، یہی علمی دیانت، انسانی شرافت اور حق نگری اور حق پرستی کا تقاضا ہے، اس سے انسان کی شان گھٹتی نہیں بڑھتی ہے، عزت کم نہیں ہوتی، زیادہ ہوتی ہے، اعتماد مجروح نہیں ہوتا بحال ہوتا ہے۔

باخبر لوگ اس سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ مضبوط دلیل سامنے آجانے کے بعد اپنے کسی قول اور مانوس عمل پر جمے رہنا اور مختلف توجیہات اور دور از کار تاویلات کے ذریعے اس کو صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرنا اہل حق کا شیوہ نہیں، اہل باطل کا وطیرہ ہے۔

حق پرست تو حق کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ غزالئ وقت اور ابوحنیفۂ عصر ہونے کے باوجود، بشر ہونے کے ناطے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا اعتراف کرتے ہوئے شرماتے نہیں ہیں، نہ ہی غلطی پر پردہ ڈالنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ ایسی کسی بھی غلطی یا چوک کے بعد اعتراف ''جہل'' کی علامت نہیں عین '' علم'' کی دلیل ہے۔ عمر کا کوئی بھی حصہ ہو اور نسبی، جاہی، مالی اور علمی شہرت کی کوئی بھی منزل ہو قبولِ حق اور اظہارِ حق کی راہ میں کسی بھی چیز کو آڑے نہیں لانا چاہیے۔ ہر حالت میں، ہر صورت میں حق حق ہے اور باطل باطل ہے جس کا برملا اعتراف اور اظہار انسان کو حق پرستوں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ انسان کے عمل کا رخ اپنے جیسے انسان کی طرف نہیں بلکہ خدا کی طرف ہو، اسی کی خوشی اور ناخوشی کو اپنے لیے معیار اور پیمانہ بنایا گیا ہو۔ خلق سے نظر ہٹ کر خالق پر جم گئی ہو، عمل میں اخلاص ایسی ہی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور ایسے ہی مخلصانہ عمل کی خوشبو ہر سو پھیلتی ہے اور آج دنیا کو اس خوشبو کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

(معروضاتِ مرتب ختم شد)

اشکوں کی بلندی

خداوندا مجھے توفیق دے دے
فدا کر دوں میں تجھ پر اپنی جاں کو

گنہگاروں کے اشکوں کی بلندی
کہاں حاصل ہے اختر کہکشاں کو

اختر

دنیا کی حقیقت

لطف دنیا کے ہیں کے دن کے لیے
کھو نہ جنت کے مزے ان کے لیے
یہ کیا اے دل تو پھر بس یوں سمجھ
تو نے ناداں گل دیے تنکے لیے

(خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

دنیا اور انسان

فرمایا: بھائیو! دنیا میں رہو، کھاؤ پیو، شادی بیاہ کرو، بیوی بچوں کے ساتھ بھی رہو، مگر اس میں ڈوب کر خدا کو نہ بھول جاؤ۔ اسلام ترکِ دنیا کی تعلیم نہیں دیتا ہے۔ ہر جائز کام کرو مگر دل کو خدا سے غافل نہ کرو۔ دنیا کی مثال ایک دریا کی ہے جس میں پانی ہے اور انسان اس میں کشتی کی طرح ہے۔ کشتی پانی پر رہے تو چلتی ہے اور اگر پانی کشتی میں داخل ہو جائے تو ڈوب جاتی ہے۔ اسی طرح تم دنیا میں رہو اور دنیا سے خالی رہو، تو تمہاری کشتی چلتی رہے گی اور اگر اپنے اندر، اپنے دل میں دنیا کو سمالو گے تو تمہاری کشتی ڈوب جائے گی۔

باقی اور فانی

فرمایا: بھائیو! تجربہ کرکے دیکھو، جب تم اللہ کو یاد کرتے ہو اس وقت زیادہ مسرت ہوتی ہے یا جب تم نوٹ گنتے، کاروں میں پھرتے اور بال بچوں میں گم رہتے ہو؟ بیوی بچوں سے آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے مگر خدا کی یاد سے دل ٹھنڈا اور پُر سکون اور پُر نور ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے ”اے اللہ! دنیا والوں کی آنکھیں تو ان کی دنیا سے ٹھنڈی کر اور میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی کر، یہ دعا مانگو کہ یہ باقی چیزیں ہیں۔ یہ عقل کے مطابق بھی ہے، فنا میں دل لگا رہے ہو اور باقی کو چھوڑ رہے ہو۔ بقول حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب دامت برکاتہم ہم لوگ قبر کی طرف جا رہے ہیں۔ اور دنیا کی طرف دیکھ رہے ہیں، کدھر جا رہا ہے اور کدھر دیکھ رہا ہے دنیا میں رہ کر، دنیا سے بے گانہ رہنا واقعی بہت مشکل کام ہے، مگر اس کا حل موجود ہے۔

دنیا کو یوں بھی بہلایا جا سکتا ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں کراچی میں حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ایک جگہ جا رہا تھا، راستے میں بڑی بڑی بلڈنگیں اور فلک بوس عمارتیں آتی رہیں۔ سڑک کی دونوں جانبوں میں یہ حسین و جمیل اور پر شکوہ عمارتیں

کھڑی بڑا خوبصورت منظر پیش کر رہی تھیں۔ مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی سبق آموز اور عبرت خیز نگاہ ان دونوں منظروں سے سبق اور عبرت حاصل کر چکی تھی۔ محبت اور شفقت سے بھرپور لب ولہجہ میں مجھے مخاطب فرمایا ''حکیم اختر!'' میں نے کہا ''جی ہاں، ارشاد فرمایا جائے'' پھر مولانا سرگوشی کے انداز میں فرمانے لگے: ''دیکھو! کراچی میں ان بڑی بڑی بلڈنگوں کے ساتھ یہ خستہ حال چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں بھی ہیں، بلڈنگوں میں بھی دن گزرتے ہیں اور جھونپڑیوں میں بھی عمر کٹتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بلڈنگوں میں رہنا کوئی ضروری نہیں، جھونپڑیوں میں بھی رہا جا سکتا ہے۔ اور دنیا کو یوں بھی بہلایا جا سکتا ہے۔ مولانا نے آخری جملہ ''اور دنیا کو یوں بھی بہلایا جا سکتا ہے'' اس خاص ادا کے ساتھ ہاتھ کو گھماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بے حیثیتی نگاہوں کے ذریعے دل میں اتر گئی۔

مقام یوں ہوا اس کار گہہ دنیا میں
کہ جیسے دن میں مسافر سرائیں آ کے چلے

بھائیو! ظرف کچھ نہیں، اصل میں مظروف ہے۔ مکان کی اہمیت فی نفسہٖ کچھ نہیں اس کی اہمیت تو مکین سے ہے، اگر کسی عالی شان بلڈنگ میں خدا کا باغی اور نافرمان رہتا ہے تو اس بلڈنگ کی حیثیت ایک کوڑی کی بھی نہیں۔ اگر کوئی جھونپڑی ہو مگر اس میں خدا کا نبی ہو، اس کا ولی ہو، مطیع و فرماں بردار بندہ ہو تو اس کی قیمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

یاد رکھیے اگر اللہ چاہیں تو جھونپڑیوں میں بادشاہوں کا سکون عطا فرما دیں۔ اور نہ چاہیں تو بادشاہوں کے محلوں میں آپ کے دل کو مغموم، متفکر اور رنجیدہ بنا دیں۔ بس اللہ سے تعلق رکھیے۔ اسی سے راحت و عافیت کے طالب بنیے۔ وہ راحت و عافیت دینے میں کسی ظاہری شکل و صورت کا پابند نہیں۔

دنیا سے قلب کو مطمئن اور مانوس نہ کرو

فرمایا: حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''دنیا سے قلب کو

اطمینان نہ دو، مانوس نہ کرو"۔ یہ حدیث دراصل قرآنِ پاک کی ایک آیت کی تشریح و تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا[۸۳] کافروں کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں کہ کافر دنیا سے دل لگا بیٹھے اور خوش ہو گئے۔ پردیس کو وطن سمجھ بیٹھے، یہ بیماری کہیں مسلمانوں میں نہ پیدا ہو جائے اس لیے فرمادیا گیا۔ دنیا سے دل کو مطمئن اور مانوس نہ کرو۔ کیا مطلب؟ نوٹ کی گڈیاں، گنا، کار اور بنگلے، دوست واحباب کی مجلس میں جو لطف و مزہ تمہیں آتا ہے اس سے کہیں زیادہ مزہ تمہیں نماز میں آنا چاہیے۔ بھائیو! یہ سب چیزیں زیادہ سے زیادہ حیات تک ساتھ دے سکتی ہیں اور کچھ لوگ قبر تک ساتھ جائیں گے مگر دفن کے بعد کیا کام آئے گا۔ وہ یہی نماز اور نیک اعمال ہوں گے۔

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو

فرمایا: آج انسان اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو مختلف انداز اور مختلف طریقوں سے "خاک" پر صَرف کر رہا ہے۔ خاک کا بدن، خاک کا مکان، خاک کی دوکان، خاک کی فیکٹری، خاک کی غذا، خاک کے کپڑے، غرض یہ کہ جس طرف نظر اٹھایئے ہر ایک کی اصل خاک ہے اور اسی خاک کو بنانے اور سنوارنے کی محنت ہر سو جاری ہے۔ لیکن ظاہر ہے، خاک پھر خاک ہے۔ جب "خاکی انسان" خاکی چیزوں پر اپنی زندگانی کو خاک کرے گا تو اس کا ٹوٹل اور جمع بھی "خاک" ہی ہوگا اور آخرت میں سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، اگر کوئی ان "خاکی چیزوں" کی "آخرت" میں قیمت چاہتا ہے تو انہیں احکامِ الٰہی کا پابند بنادے اور اپنی پوری جوانی وزندگانی اس کے دینے والے اللہ پر فدا کر دے، پھر دیکھے کہ وہ کس قدر دنیوی اور اخروی سعادتوں سے نوازا جاتا ہے اور اسے کتنا اعلیٰ اور ارفع مقام ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر بڑا حقیقت آفریں ہے جو احقر ہی کا ہے ؎

۸۳؎ یونس:۷

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

دنیوی زندگی۔ دھوکے کا سامان

فرمایا: دنیا کی ہر چیز فانی اور آنی جانی ہے۔ یہاں نہ بہار کو قرار ہے نہ خزاں کو، نہ راحت کو نہ مصیبت کو، نہ غم کو نہ خوشی کو، نہ مال و دولت کو نہ عہدہ و منصب کو، نہ بیوی بچوں کو اور نہ دوست احباب کو یعنی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی کسی چیز کو یہاں قرار نہیں سب آنکھیں چرانے والی ہیں، یہاں تک کہ خود انسان کی زندگی اور صحت اس سے بے مروّتی اور بے وفائی کا ہر روز اعلان کرتی ہے۔ قرآنِ مجید نے دنیوی زندگی کی حیثیت کو بڑے دلنشیں انداز میں سمجھایا ہے:

ترجمہ: خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض ایک کھیل کود اور ظاہری خوشنمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد میں ایک دوسرے پر برتری جتلانا ہے۔ گویا کہ بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر خشک ہو جاتی ہے، سو تو اسے زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان (متاع الغرور) ہے۔[۸۴]

مطلب یہ ہے کہ اس عارضی وفانی دنیا کے برعکس عالم آخرت باقی ولازوال ہے اور وہاں کی کیفیتیں دو ہیں، دونوں ثابت وباقی۔ ایک کافروں کے لیے اور وہ عذاب شدید ہے۔ دوسری ایمان والوں کے لیے اور وہ اللہ کی مغفرت ورحمت ہے۔ اب انسان کو اختیار ہے کہ ان دو میں سے جس کو چاہے اپنا مقصودِ اعظم بنالے۔ احقر کا شعر ہے ؎

یوں تو دنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی
قبر میں جاتے ہی دنیا کی حقیقت کھل گئی

۸۴؎ الحدید: ۲۰

اس کے باوجود ہم لوگ اس پر جان نچھاور کرتے رہتے ہیں اور اس کی فکر اور چکر میں پڑ کر اللہ کی بلند وبالا ذات کو بھول جاتے ہیں، یعنی ہم نے دنیا اور متاعِ دنیا کو لیلی بنا کر اپنے مولی کو فراموش کر دیا ہے جو کس قدر غفلت کیشی اور انجام سے بے خبری کی بات ہے۔

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا
کدھر جا رہا ہے کدھر دیکھتا ہے

دنیا چار طرح کی ہوتی ہے

فرمایا: ایک بزرگ نے فرمایا کہ دنیا چار طرح کی ہوتی ہے:

۱) بعض کے قلب میں بھی ہوتی ہے اور ہاتھ میں بھی ہوتی ہے، یہ امراد نیادار ہیں۔

۲) بعض کے قلب میں دنیا ہوتی ہے مگر ہاتھ میں نہیں ہوتی، یہ دنیادار تو ہے مگر بظاہر زاہد ہے کیوں کہ بے چارہ محروم ہے دنیا سے۔

۳) دنیا صرف ہاتھ میں ہوتی ہے مگر قلب میں نہیں ہوتی۔ یہ امرائے صالحین بھی زاہدین کہلاتے ہیں۔

۴) دنیا نہ دل میں ہوتی ہے نہ ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ اولیائے زاہدین امت کے ہیں جو ظاہراً باطناً زاہد ہی نظر آتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے مقرب ہوتے ہیں۔

مال کی حقیقت

فرمایا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان اپنے مال کو فخر سے کہتا ہے کہ میرا مال، میرا مال۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مال اس کے جمع شدہ مال سے صرف تین چیزیں ہیں، ایک تو جو اس نے کھالیا اور ختم کر دیا، دوسرے وہ جو اس نے پہن لیا اور پرانا کر کے پھاڑ دیا اور تیسرے وہ جو خدا کی راہ میں خرچ کیا اور ذخیرہ آخرت کا بنالیا۔ ان تینوں چیزوں کے علاوہ جو مال اس کا ہے وہ دوسروں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔ وہ اس کا نہیں ہے۔[۸۵]

۸۵ صحیح مسلم: ۴۰۷/۲، کتاب الزھد، المکتبۃ القدیمیۃ

فلاح پانے والے

فرمایا: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: اس شخص نے فلاح پالی جس نے اسلام قبول کرلیا اور بقدر ضرورت رزق دیا گیا اور خدا نے اس کو اس چیز پر جو اس کو دی گئی قناعت بخشی۔[۸۶]

قناعت کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہے۔ اگر قناعت نہ ہوگی تو مال کی حرص آخرت کی تیاری کے لیے اس کو فرصت نہ دے گی۔ پس اس حدیثِ پاک سے قناعت کی نعمت کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

کوزۂ چشم حریصاں پُر نہ شد
تا صدف قانع نہ شد پُر در نہ شد

حضرت رومی فرماتے ہیں کہ حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پُر نہ ہوا اور سیپی جب تک قناعت نہیں اختیار کرتی یعنی اپنے حرص کا جب تک منہ بند نہیں کرتی اس میں موتی نہیں بنتا۔ حدیثِ مذکور میں اسلام کی نعمت کے بعد قناعت کے ذکر سے امت کو یہ تعلیم دی گئی کہ قناعت سے وقت فارغ ہوتا ہے جو آخرت کی تیاری میں استعمال ہو کر فلاحِ اُخروی کا سبب بنتا ہے۔

محبوبیت کا نسخہ

فرمایا: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھ کو کوئی ایسا عمل بتایئے کہ میں جب اس کو کروں تو خدا اور خدا کے بندے مجھ سے محبت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی طرف رغبت نہ کر، خدا تجھ سے محبت کرے گا اور اس چیز کی خواہش نہ کر جو لوگوں کے پاس ہے (یعنی جاہ ودولت) لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔

۸۶؎ صحیح مسلم: ۳۳۷/۱، باب فضل التعفف والصبر والقناعة، المكتبة القديمية

بزرگوں نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے راستے کا پہلا قدم زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی ہے۔ پس جس کو حق تعالیٰ شانہٗ اپنا بنانا چاہتے ہیں اس کے دل کو دنیا سے اچاٹ (بے رغبت) کردیتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیا ترک کردیتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا اس کے گرد و پیش ہوتی ہے، اس کے دل میں نہیں ہوتی۔ دل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کردیتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کو دل دے دینا اور اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کو جسم دے دینا یعنی جسم کو احکامِ شرع کے تابع کردینا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا خاص ہوجاتا ہے وہ لوگوں کی جاہ اور دولت سے بے پرواہوجاتا ہے، جس کے سبب محبوب عند الخالق ہوجاتا ہے اور عند الخلق بھی۔ صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں کہ زہد کامل یہ ہے کہ دنیا پاس ہو اور پھر بھی اس کی طرف رغبت نہ کرے۔ حضرت علامہ عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا یا زاہد۔ آپ نے فرمایا کہ میں زاہد نہیں ہوں۔ زاہد تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ دنیا ان کے پاس چلی آتی تھی اور وہ دنیا کو منہ نہ لگاتے تھے اور ہم کس چیز میں زہد کریں گے۔

❖❖❖❖

غرض اتنی ہے بس پیرِ مغاں کے جام و مینا سے
کہ ہم مالک کو اپنے دیکھ لیتے قلبِ بینا سے

وہ مالک ہے جہاں چاہے تجلّی اپنی دکھلائے
نہیں مخصوص ہے اس کی تجلّی طورِ سینا سے

ذکرِ موت اور فکرِ آخرت

یہ اقامت ہمیں پیغامِ سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
(ذوق دہلوی)

وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

فرمایا: یہ دنیا چند روزہ ہے۔ کسی طرح گزر ہی جائے گی مگر جب ہمیں یہاں کچھ کرنا ہے تو اچھا کام کیوں نہ کریں تاکہ آخرت میں کامیابی اور سرخروئی حاصل ہو جبکہ وہیں کی کامیابی اور سرخروئی اصل ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس گہری حقیقت کو اپنے ایک سادہ شعر میں کس خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے۔ سنیے ؎

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

زمین کی شہادت

فرمایا: جب حشر برپا ہو گا، اس دن زمین کے پیٹ اور پیٹھ کی ساری چیزیں ظاہر ہو جائیں گی۔ مردے، سونا، چاندی اور دیگر جو بھی دفینے اور معدنیات زمین کے اندر ہیں، اس کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، خون خرابہ ہوتا ہے، لیکن اس دن یہ باہر پڑے ہوں گے اور کوئی نظر اٹھا کر دیکھنے والا نہ ہو گا۔ اور سب جان لیں گے یہ کس قدر بے حقیقت ہیں۔ اسی طرح مومن اور کافر ہر انسان سے جو بھی اچھا عمل یا بُرا عمل صادر ہوتا ہے وہ زمین ہی پر ہوتا ہے۔ آج یہ زمین بے زبان ہے، لیکن حشر کے دن قادرِ مطلق کے حکم سے زمین میں قوتِ گویائی آجائے گی، یعنی ساکت، ناطق ہو جائے گی، اور چھوٹے بڑے، اچھے برے ہر ہر واقعہ کی پوری پوری شہادت پیش کرے گی۔ گویا آج یہ زمین زندگی کے تمام اقوال وافعال اور حرکات وسکنات کو جوں کا توں ٹیپ کر رہی ہے، کل ٹیپ کا بند کھول دیا جائے گا اور پورا ٹیپ کیا ہوا مواد سامنے آجائے گا۔ مثلاً کہے گی، فلاں شخص نے نماز پڑھی تھی، فلاں فلاں کی مصیبت میں کام آیا تھا، فلاں ہر کارِ خیر میں آگے بڑھ کر حصہ لیتا تھا، فلاں اللہ کے سامنے سرِ نیاز خم نہ کرتا تھا اور اس کے ہر حکم سے سرتابی کرتا تھا، فلاں نے چوری کی تھی، ظلم کیا تھا، خونِ ناحق بہایا تھا۔ ان حقائق کو قرآنِ مجید کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے:

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا الخ

ترجمہ: جبکہ زمین اپنی جنبش سے خوب ہی ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک نکالے اور آدمی بول اٹھے کہ اسے (یہ) ہوا کیا؟ اس دن زمین اپنی سب چیزیں بیان کر گزرے گی۔ یہ اس لیے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اسے یہی ہوگا۔

زمین کے اس "عظیم شہادت" کے پیش نظر شیخ محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی۔ فرماتے ہیں: جس زمین پر انسان سے کسی گناہ کا صدور ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اس جگہ کوئی نیک کام بھی کر دے تاکہ وہ زمین جو حشر کے دن اس کے گناہوں کی گواہی دے، ساتھ ہی نیکی کی شہادت بھی پیش کرے اور معاملہ برابر ہو جائے۔ بلکہ نیکی پر تو وعدہ ایک پر دس دینے کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ بیت المال کا سارا مال اہلِ حقوق میں تقسیم فرما دیتے اور بیت المال خالی ہو جاتا تو اس میں دو رکعت نماز ادا کرتے اور پھر فرماتے "تجھے قیامت میں شہادت دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا، اور حق ہی کے ساتھ خالی کر دیا۔ اس لیے زمین پر رہتے ہوئے ہمیں غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ ہم ہوشیار اور چوکنا رہیں کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جس دن زمین ہمارے تمام اعمال اور حرکات وسکنات کی ٹھیک ٹھیک گواہی اللہ کے حضور پیش کرے گی۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کے حق میں زمین کی گواہی نجات کا ذریعہ بنے۔

وطن کو واپسی

فرمایا: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مر جائے تو یہ نہ کہو کہ مر گیا، بلکہ یہ کہو کہ وطن واپس چلا گیا۔ جیسے اگر یہ کشمیری بھائی جو سامنے بیٹھے ہیں کشمیر چلے جائیں تو یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ انتقال کر گئے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وطن واپس چلے گئے، حالاں کہ یہاں انتقال وتبادلہ ہو رہا ہے۔ اس لیے اگر کسی کو انتقال کی خبر دینی ہو تو کہو کہ فلاں وطنِ آخرت واپس چلا گیا اس سے آدمی کا آدھا غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ لفظ وطن ہی

سے آدھا غم ختم ہو جاتا ہے۔ (مشہور صاحبِ دل بزرگ مولانا شاہ محمد یعقوب مجدّدی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مومن کی موت پر اہلِ ایمان کو رنج کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں تو جب کسی بندۂ خدا کے متعلق سنتا ہوں کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا تو میرا مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے اور کبھی خیال آتا ہے کہ اس کے گھر مٹھائی بھیجوں۔ اسی لیے میری پرانی عادت ہے کہ میں تعزیت کے خطوں میں رنج و قلق کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اسی طرح کا انداز اختیار کرتا ہوں۔"

میں ایک دفعہ کلکتہ میں جہاں ٹھہرا ہوا تھا وہاں ایک انگریز کا مکان تھا۔ اس کے یہاں ایک مینا پلی ہوئی تھی۔ میناؤں کا ایک جھنڈ گزرا اور انہوں نے آواز دی تو یہ مینا جو پنجرے میں تھی بے قرار ہو گئی اور بہت پھڑ پھڑائی۔ بالکل یہ ہی حالت روح کی ہے کہ وہ جب اوپر کی آوازیں سنتی ہے اور وہاں سے اس کے کان میں صدا آتی ہے:

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾

تو وہ بھی پھڑ پھڑاتی ہے اور اس کا بھی دل چاہتا ہے کہ پنجرے کی تیلیاں توڑ کر وہ بھی اپنے آشیانے کی طرف پرواز کرے اور اپنے ہم جنسوں میں جا ملے لیکن وہ پنجرے سے مجبور ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں جسم ضعیف ہو جاتا ہے۔ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (اور جس کو ہم بوڑھا کرتے ہیں اس کو لوٹا دیتے ہیں جسمانی بناوٹ میں یعنی وہ بچپن کی طرح پھر کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے) گویا نفس کی تیلیاں پتلی اور کمزور ہو جاتی ہیں اور روح کو آزاد ہونے میں آسانی ہوتی ہے، اس لیے بڑھاپا موجب شکر و مسرت ہے نہ کہ موجب شکایت و حسرت۔ بڑھاپے میں اس عالم کی تیاری اور اس کا اشتیاق زیادہ ہونا چاہیے۔ (ایضاً: ۶۸،۶۹)

موت سے گھبرانے کی وجہ

فرمایا: ایک بہت بڑے شاہِ عرب مدینہ طیبہ کا دورہ کرنے گئے۔ وہاں

پوچھا یہاں کوئی "تابعی" ہیں، جنہوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہو؟ ایک تابعی رہ گئے تھے، ان کے بارے میں بتایا گیا۔ خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ حضرت! مجھے ایک بیماری ہے، آپ اس کی دوا بتائیے۔ پوچھا کہ کیا بیماری ہے؟ بتایا کہ حضرت! دل موت سے بہت گھبراتا ہے۔ موت کے تصور سے بھی پریشانی ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی دوا بتائیے۔ جواب دیا کہ دیکھو ہر آدمی ویرانے سے گھبراتا ہے۔ ویران اور غیر آباد جگہ جانا اور وہاں رہنا کوئی نہیں چاہتا۔ وہاں سناٹا ہو گا، ویرانی ہو گی اس لیے گھبراتا ہے۔ تو تم نے آخرت کو ویران اور برباد کر رکھا ہے اور دنیا کو آباد کر رکھا ہے۔ آخرت کے کاموں میں سست ہو اور دنیا کے کاموں میں چست ہو۔ اس لیے آبادی سے ویرانہ کی طرف جانے میں دل گھبراتا ہے۔ اور اگر تم دنیا کو ویران رکھو اور آخرت کو آباد کرو، سادہ زندگی گزارو، تناسب کے لحاظ سے خیال کرو۔ یہاں کتنا رہو گے اور آخرت میں کتنا؟ یہاں کتنا جیو گے بھائی۔ اگر تم نے بڑے وٹامن کے انجکشن بھی لگوائے اور انار کھاتے رہے، پھر بھی کتنا جیو گے۔ آج کل اوسط زندگی ۵۰، ۶۰ سال رہ گئی ہے۔ دن رات، صبح شام دیکھتے دیکھتے گزر جاتے ہیں، بھائیو! آخرت کو آباد کرنے کی فکر کرو۔ خدانخواستہ اگر آخرت ویران ہو گئی تو پھر کہاں ٹھکانہ ہو گا؟

دوست کو وصیت

فرمایا: بادشاہ ہارون رشید کے صاحبزادے نے اپنی موت کے وقت اپنے دوست ابو عامر بصری رحمۃ اللہ علیہ کو دو شعروں میں وصیت کی تھی کہ "اے ساتھی! دنیا کی نعمتوں سے دھوکا نہ کھانا، عمر ایک دن ختم ہونے والی ہے اور نعمتیں تم سے ختم یا جدا ہونے والی ہیں۔ اور جب تم کسی جنازے کو قبرستان لے جا رہے ہو تو یقین کر آج تم اٹھانے والے ہو کل تم اٹھائے جاؤ گے۔" نظیر اکبر آبادی کے دو شعر بھی عجیب عبرت ناک ہیں۔

کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا
مشین بدن تھا معطر کفن تھا

جو قبر کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

اس تذکرہ کے بعد فرمایا، کوئی فخر نہ کرے کہ میں ڈاکٹر ہوں پروفیسر ہوں، انجینئر ہوں یا دولت مند ہوں، سب بے نام و نشان ہو جائے گا بلکہ شکر کرو کہ خدا نے ایسا بنایا۔ نعمت کا تقاضا ہے کہ آدمی شکر کرے۔

غنیمت جانیے

فرمایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا، پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت شمار کرو:۱) بڑھاپے سے پہلے جوانی کو:۲) بیماری سے پہلے صحت کو:۳) افلاس سے پہلے خوشحالی کو:۴) مشاغل سے پہلے فراغت کو:۵) موت سے پہلے زندگی کو۔[۸۷]

شمار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو لہو ولعب اور فضول کاموں میں ضایع نہ کیا جائے یعنی اپنی جوانی، صحت، خوش حالی، فراغ اور زندگی کی نعمت کو قبل اس کے کہ بڑھاپا، بیماری، افلاس، مشاغل، موت ان نعمتوں کو ہم سے چھین لے، ان لمحات میں اعمالِ صالحہ سے آخرت کا ذخیرہ کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ بڑھاپے میں عبادت کو دل بھی چاہے تو طاقت جوانی جیسی کہاں سے لائے گا، اسی طرح اگرچہ بیماری میں زیادہ خدا یاد آتا ہے لیکن عبادت کی طاقت نہیں رہتی۔ دل کی حسرت دل میں رہے گی، اسی طرح افلاس میں دل تو معاش کی فکر میں مبتلا رہے گا، خدا کی عبادت کی فرصت کو دل ترسے گا۔ اسی طرح مشاغل سے پہلے فراغ اور موت سے پہلے زندگی کی نعمت کو قیاس کر لیا جائے۔

دو بڑے فتنے اور ان سے نجات کے طریقے

فرمایا: روایت ہے حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا[۸۸] اپنے اعمال کا حساب کرو

۸۷؎ المستدرك على الصحيحين للحاكم: ۳۴۱/۴، (۷۸۴۶) كتاب الرقاق، دار الكتب العلمية، بيروت

۸۸؎ سنن الترمذی: ۷۲/۲، ابواب صفة القيٰمة، ايچ ايم سعيد

قبل اس کے کہ قیامت کے دن تم سے حساب لیا جائے۔ خواہشِ نفس اور درازئ عمر کی آرزو یہ دو بڑے فتنے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ ان کے سبب انسان اعمالِ آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ان دونوں فتنوں سے نجات کے طریقے اور تدابیر جو دوسری احادیثِ شریفہ سے معلوم ہوتی ہیں یہ ہیں۔

۱) تلاوتِ قرآن میں ناغہ نہ کیا جائے۔

۲) موت کو کثرت سے یاد کیا جائے اور روح نکلنے سے قبر کی تنہائی اور میدان حشر اور دوزخ کی آگ تک کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ گہری فکر سے سوچنا۔

۳) خداوند تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کی صحبت میں کثرت سے حاضری دینا۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہر شے کے لیے معدن ہے اور تقویٰ کا معدن (خزانہ یا کان) اللہ کے پہچاننے والوں کے دل ہیں۔[۸۹] پس ظاہر ہے کہ ان کی صحبت سے تقویٰ کی نعمت حاصل ہوگی اور حق تعالیٰ شانہٗ نے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[۹۰] کے حکم میں اسی صحبتِ اہل اللہ کی ضرورت بیان فرمائی ہے۔ صادقین سے مراد مشائخ اور بزرگانِ دین ہیں۔

مسلمانوں کا زوال کب اور کیوں؟

فرمایا: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر و ضلالت کے گروہ قریب ہیں کہ ان کے بعض آدمی بعض کو تم سے لڑنے اور تمہاری شان و شوکت کو مٹانے کے لیے بلائیں گے جس طرح کہ ایک کھانا کھانے والی جماعت جمع ہوتی ہے اور اس کے بعض بعض کو کھانے کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے پوچھا: کیا وہ لوگ اس لیے ہم پر غلبہ حاصل کرلیں گے کہ ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: تم اس

۸۹؎ جامع الترمذی: ۲/۱۸۶، باب من ابواب جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

۹۰؎ التوبۃ: ۱۱۹

زمانہ میں بڑی تعداد میں ہوگے لیکن ایسے جیسے نالوں کے کنارے پانی کے جھاگ ہوتے ہیں۔(یعنی تم میں قوت وشجاعت نہ ہوگی اس لیے نہایت ضعیف وکمزور ہوگے)تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں ضعف وسستی پیدا ہو جائے گی۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ! **وھن** (ضعف وسستی) کیا چیز ہے؟ (یعنی اس کے پیدا ہونے کا سبب کیا ہے) فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے بے زاری اور نفرت۔[۹۱]

اس زمانے میں اہلِ کفر سے اہلِ اسلام کا رعب جاتا رہا اور اہلِ کفر جنگ میں غالب آرہے ہیں۔ اس کا راز یہی ہے کہ امّتِ مسلمہ کے دلوں میں دنیا کی محبت اور موت سے نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے جہاد کی اصلی روح نہیں پیدا ہوتی۔ اور اسلامی ملک صرف نام کا تو اسلامی ہے لیکن اکثریت خدا اور رسول کی نافرمانی میں مبتلا ہے۔ بے پردگی، بے حیائی، سینما، نائٹ کلب، ٹیلی وژن اور پوری زندگی سنتِ نبوی سے دور اوراہلِ مغرب کی عیاشی کے خطوط پر محوِ گردش ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہماری ہدایت کے لیے اسباب پیدا فرمائیں، آمین۔

❖❖❖❖

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے مِلاتے ہیں سُنّت کے راستے

---

[۹۱] سنن ابی داؤد: ۲/۲۴۱ (۴۲۹۷)، باب فی تداعی الامم علی الاسلام، المکتبۃ الرحمانیۃ

وقت کی حفاظت

گزر گیا ہے جو عہد عشرت نہ رکھ تو ناداں پھر اس کی حسرت
قیام اسی کا سمجھ غنیمت جو وقت پیشِ نگاہ اب ہے
(اکبرؔ الٰہ آبادی)

وقت کی تیز رفتاری

فرمایا: مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آج کل وقت بڑی تیزی کے ساتھ نکل جاتا ہے۔ صبح شام، صبح شام کچھ پتا بھی نہیں چلتا۔ پڑھنے کے زمانے میں دن پہاڑ لگتا تھا، اب تو گزرتے ہوئے کچھ دیر ہی نہیں لگتی ہے۔ ایک دن بال سفید ہوگئے۔ ایک دن ہوا کہ صاحب دانت ٹوٹ گئے۔ چل رہے ہیں کہ جناب "ویزا" ختم ہوگیا اور آگئے عزرائیل یہ کہتے ہوئے کہ چلیے وقت ختم ہوچکا ہے اور پھر ہوا یہ کہ ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

حدیث میں بھی آیا ہے کہ جب قیامت قریب آجائے گی تو اس وقت سال مہینوں کی طرح، مہینے ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح گزر جائے گا۔ اس لیے جو بھی وقت مل رہا ہے۔ اسے غنیمت جانیے اور اس کی پوری حفاظت اور قدر کیجیے۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

لمحے کو زندگی کے لیے کم نہ جانیے
لمحہ گزر گیا تو سمجھیے صدی گئی
ایک پل کو رکنے سے دور ہوگئی منزل
صرف ہم نہیں چلتے راستے بھی چلتے ہیں

(پیش کردہ مرتب)

دانش مندی کی بات

فرمایا: انسان کی دانش مندی اور ہوشیاری کی بات ہے کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کو ہمیشہ سامنے رکھے جس میں کہ آپ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: ۱) جوانی بڑھاپے سے پہلے۔ ۲) صحت بیماری سے پہلے۔ ۳) خوشحالی، ناداری وافلاس سے پہلے۔ ۴) فراغت مشغولیت سے پہلے۔ ۵) زندگی موت سے پہلے۔

ترقی کا زینہ

وقت کی حفاظت اور اس کے صحیح استعمال کے سلسلہ میں مرتب عرض کرتا ہے: مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوست وکیل صاحب تھے۔ یہ میرٹھ میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ وکیل صاحب میرٹھ سے کاندھلہ مولانا کاندھلوی سے ملنے آئے۔ مولانا نے وکیل صاحب سے خواہش کی کہ آپ واپسی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے ہوئے جائیں۔ جب یہ پہنچے تو صبح کا وقت تھا، یہ وقت حضرت شیخ الحدیث کے لکھنے پڑھنے کا تھا، اپنے اس معمول کے حضرت شیخ ایسے پابند تھے کہ کبھی اس میں فرق نہیں لاتے۔ ایک مرتبہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کے موقع پر خلاف معمول احتراماً بیٹھ گئے تو سر میں درد ہونے لگا اور اجازت لے کر اوپر حجرے میں گئے اور چند سطریں لکھ کر آئے تو سر کا درد رفع ہوا۔ وکیل صاحب سے جب ملاقات ہوئی تو حضرت شیخ نے اپنا معمول بتادیا اور فرمایا کہ میں اس وقت بات نہیں کرسکتا ساڑھے گیارہ بجے کے بعد ان شاء اللہ! ملاقات ہوگی— اور اوپر اپنے لکھنے کے مخصوص حجرے میں تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ ساڑھے گیارہ بجے نیچے اترے۔ دوپہر کے کھانے میں وکیل صاحب کو بلایا، وہ آئے اس وقت حضرت کی طبیعت خوب چلتی تھی اور پُر لطف باتیں کیا کرتے تھے۔ وکیل صاحب سے فرمایا کہ آپ وکیل ہیں، بتایئے اگر آپ مثلیں دیکھنے میں مشغول ہوں اور کوئی آپ سے آکر بات کرنا چاہے تو آپ اسے پسند کریں گے؟ گویا حضرت شیخ نے اپنے جملے سے بتانا چاہا کہ اہم مصروفیت اور مقررہ معمول کے وقت بات اور ملاقات سے احتراز کرکے ہی ایک انسان اپنے فریضہ کو انجام دے سکتا ہے۔ اس جملہ کے بعد اور بھی حضرت شیخ نے وکیل صاحب سے باتیں کیں۔ یہ تمام باتیں نہایت بے تکلفی کے ساتھ ہوئیں۔ کھانے کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اب ان شاء اللہ! عصر کے بعد ملاقات ہوگی۔ چناں چہ عصر کے بعد وکیل صاحب مجلس میں تشریف لائے اور اس وقت کا بھی منظر دیکھا۔

دوسرے دن وکیل صاحب میرٹھ واپس آگئے۔ وہاں سے اسی دن انہوں نے مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کو خط لکھا کہ

"آپ نے مجھے ایک ایسے شخص کی زیارت کرائی کہ اس ایک آدمی میں مجھے تین آدمی نظر آئے۔ جب میری ملاقات صبح کے وقت ہوئی تو مجھے بڑا غصہ آیا کہ کس آدمی کے پاس مجھے بھیج دیا، مولویوں کے یہاں اخلاق نہیں ہوتے۔ اگر دوپہر کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اسی وقت وہاں سے چلا آتا۔ مگر دوپہر کو میں نے محسوس کیا کہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے جس سے ہمیشہ کا یارانہ رہا ہے۔ عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک تیسرا آدمی ہے جو شیخِ وقت اور مرشدِ کامل معلوم ہوتا ہے۔ وکیل صاحب نے آخر میں لکھا کہ "میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے ایک آدمی میں مجھے تین آدمی دکھادیے۔"

اس واقعہ پر اپنی طرف سے کچھ تبصرہ کرنے کے بجائے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ہی کے الفاظ نقل کرنا چاہتا ہوں کہ "اپنے کاموں کے لیے اوقات مقرر کرو۔ اس کے درمیان چھوٹے بڑے کسی کی پروانہ ہونی چاہیے۔ بعض لوگ اخلاق کا عذر کرتے ہیں کہ اگر کوئی آجائے تو اخلاق برتنا چاہیے۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت قضائے حاجت کی ضرورت پیش آجائے تو کیا اس کا عذر نہ کروگے؟

کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا
تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت پر دروازہ بند ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حضرات سے اجازت لی کہ تھوڑی دیر کے لیے "بیان القرآن" لکھنے جارہا ہوں۔ اس وقت میرا یہی معمول ہے (حالاں کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے) چناں چہ تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئے مگر طبیعت کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔"

مرتب عرض کرتا ہے کہ تقسیم کار اور واقعات و معمولات کی پابندی کے بغیر کوئی فریضہ ذمہ دارانہ طریقے پر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ آپ بھی اپنی زندگی میں اس کا خیال رکھیے اور جو لوگ اس کے عادی ہیں ان کا بھی لحاظ رکھیے۔ بقول حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ یہ ہر طرح کی ترقی کا زینہ ہے۔ (صحبتے با اولیاء)

کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

فرمایا: بھائیو! آج حیدر آباد سے میری روانگی کا دن ہے۔ دیکھیے وقت کتنی تیزی کے ساتھ گزر گیا، آخر دن گزرتے گزرتے گزر ہی جاتے ہیں۔ ہر آنے والا دن ہماری زندگی کا ایک دن کم کرتا ہے۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو اس حقیقت پر نظر رکھتے ہوں؟ ایک شعر تو بہت مشہور ہے مگر ہے بڑا معنیٰ خیز اور حقیقت آفریں، شاعر کہتا ہے ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کو اپنے ایک شعر میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم

ایک برف کا تاجر تھا، وہ رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا، اے خریدارو! جلدی آکر خریدو اگر تم نے دیر کی تو میری یہ پونجی ختم ہو جائے گی اور برف آہستہ آہستہ پگھل جائے گا۔ پھر ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جسے زندگی عطا فرمائی ہے اسے بھی چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے۔ اسے سوچنا چاہیے کہ برف کی طرح میری زندگی ہر آن اور ہر لمحہ پگھل رہی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔ اس سے پہلے کہ زندگی ختم ہو، اسے کام میں لے آنا اور اعمالِ صالحہ سے اپنے وقت کو مسعود بنانا، یہ ہے انسان کی کامیابی۔ ورنہ اسے عظیم نقصان اور خسران اٹھانا پڑے گا۔ اس لیے وقت کا

صحیح استعمال کیجیے۔ خدا کی رضا والا کام کرتے رہیے۔ یوں آپ دنیا سے رخصت ہوں گے تو مرنے کے بعد بھی دنیا آپ کو یاد کرتی رہے گی۔

دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

"میں اس بات کو بہت معیوب سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی لایعنی زندگی بسر کرے۔ نہ وہ دنیا کے لیے کوئی عمل کرے، نہ آخرت کے لیے۔"

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو زمانہ گزر چکا وہ تو ختم ہو چکا، اس کو یاد کرنا عبث ہے اور آیندہ زمانے کی طرف امید کرنا، بس امید ہی ہے، تمہارے اختیار میں تو وہی تھوڑا وقت ہے جو اس وقت تم پر گزر رہا ہے، بس اس کی قدر کرلو۔"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قیمتی جملہ لوحِ دل پر نقش کرلیجیے:

"فرصتِ عمر نعمتِ مغتنم ہے، ضایع کوئی لمحہ نہ ہونا چاہیے۔ ساری عمر تحصیلِ کمال یا تکمیل ہی میں بسر ہونا چاہیے۔"

❖❖❖❖

دردِ عشقِ حق بھی تم حاصل کرو
لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے

یک زمانے صحبتے با اولیاً
جس نے پائی ہے وہی کامل ہوئے

پندو نصائح

کامیابی تو کام سے ہو گی
نہ کہ حسنِ کلام سے ہو گی
ذکر کے التزام سے ہو گی
فکر کے اہتمام سے ہو گی

(خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ رحمۃ اللہ علیہ)

ان موتیوں سے آکر، دامن کو اپنے بھر لے

۱۔**فرمایا**: جو شخص اپنی نفسانی خواہشات پر قابو نہ پاتا ہو اور اس کے حملے سے مغلوب ہو جاتا ہو تو اس کا نسخہ صرف ذکر اللہ ہے۔ جب اللہ کو خوب یاد کرے گا تو اس ذکر کے پانی سے نفسانی خواہشات کی آگ بجھ جائے گی۔ پس جب آگ بجھ جائے گی تو نورِ تقویٰ حاصل ہو جائے گا۔

۲۔**فرمایا**: منزل کے عاشق اور طالب کو راستے کی ہر چیز محبوب معلوم ہوتی ہے، اور جو شخص منزل کا طالب اور عاشق نہیں ہوتا اس کو راستے کی ہر چیز خراب معلوم ہوتی ہے۔

۳۔ **فرمایا**: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب نے لکھا کہ حضرت! مجھے خوفِ خداوندی سے رونا نہیں آتا ہے، دل پر بہت غم ہے، کاش کہ مجھے بھی خوفِ خدا میں رونے کی توفیق ہو جاتی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ یہ تمہارا نہ رونا دل کا رونا ہے اور دل کا رونا آنکھ کے رونے سے افضل ہے۔

۴۔**فرمایا**: انسان اللہ والا دو چیزوں سے بنتا ہے: ۱) ایمان ۲) تقویٰ۔ کلام پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ[۹۲] اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان کو ماضی سے استعمال کیا ہے کیوں کہ ایمان زندگی بھر میں ایک بار لایا جاتا ہے مگر تقویٰ کو مضارع سے استعمال کیا ہے اور مضارع کی خاصیت تجدد و استمرار ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ ٹوٹتا بھی رہے گا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب ٹوٹ جائے تو ٹوٹا ہی رہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی بھی تقویٰ ٹوٹ جائے تو فوراً رو کر اور گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینی چاہیے۔

اس طرح طے کی ہیں ہم نے منزلیں
گر پڑے گر کر اُٹھے اُٹھ کر چلے

۵۔**فرمایا**: میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

---

[۹۲] یونس: ۶۳

سے کہا کہ حضرت! آپ کی خدمت میں بعض لوگ آتے ہیں اور ایک دودن رہ کر آپ سے معانقہ کرکے اور فیوض وبرکات لے کر چلے جاتے ہیں، ان پر کوئی ڈانٹ وڈپٹ اور گرفت واحتساب نہیں ہوتا مگر اختر ہر وقت ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹا جاتا ہے۔ اگر ان ہی لوگوں جیسا فائدہ ہو تو میں بھی کہیں چلا جاؤں اور کبھی کبھی ایک دو دن کے لیے آجایا کروں اور معانقہ وفیوض وبرکات حاصل کرلیا کروں۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اختر! جو شخص اپنے شیخ کی ڈانٹ کو برداشت کرتا ہے اور رگڑے کھاتا ہے وہ لال ہوجاتا ہے۔

ان ہی کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے
وہی ڈھونڈتے ہیں جو ہیں پانے والے
مبارک کسی کی دل آزاریاں ہیں
نہ گھبراؤ کوئی دل میں گھر کررہا ہے

٦۔ **فرمایا**: حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لکھا کہ حضرت! صاحبِ نسبت ہونا اور نسبت کسے کہتے ہیں۔ کہیں میری نظر سے قرآن وحدیث سے نہیں گزرا۔ اگر ثبوت ہو تو ظاہر فرمادیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ جی ہاں اس کا ثبوت کلامِ پاک سے ہے کہ رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا[٩٣] (اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو آخر تک باقی رکھ) جب نورِ تام حاصل ہوجاتا ہے تو صاحبِ نسبت ہوجاتا ہے اور نور تام حاصل ہونا ہی نسبت کا نام ہے۔

٧۔ **فرمایا**: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام اپنے اوپر غالب کرلے اللہ تعالیٰ اس کو ہر جگہ غالب رکھے گا۔

٨۔ **فرمایا**: اسبابِ معصیت کی نزدیکی عزمِ تقویٰ کو پھسلا دیتی ہے، اس لیے اسبابِ معصیت سے بھی پرہیز رکھنا چاہیے۔ جو شخص اسبابِ معصیت سے پرہیز کرے گا وہ

٩٣ التحریم:٨

ان شاء اللہ! کبھی گناہ میں مبتلا نہیں ہو گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر دو مادے رکھے ہیں۔ ایک بھلائی کا اور ایک بُرائی کا۔ جب اسبابِ خیر کا قرب ہو گا تو بھلائی اور نیک کام کا صدور ہو گا۔ اور جس وقت برائی کا قرب ہو گا اس وقت شر کا صدور ہو گا۔ اسی وجہ سے اسبابِ شر اور اسبابِ معصیت سے ہر وقت دور رہنا چاہیے جس طرح ماں بچے کو گندگی سے دور رکھتی ہے۔ اگر اس کو کہیں گندگی لگ جاتی ہے تو ماں صاف کر دیتی ہے اسی طرح اگر انسان سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دے دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دعا کرتا رہے:

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ[۹۴]

(اے اللہ! میرے اور گناہوں کے درمیان دوری رکھ جس طرح آپ نے مشرق ومغرب کو ایک دوسرے سے دور رکھا ہے۔)

۹۔ **فرمایا:** اصلاح کا آسان نسخہ یہ ہے کہ تھوڑا سا ذکر کر لیا جائے اور اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ کر لیا جائے اور کسی اللہ والے سے صحیح اور قوی تعلق کر لیا جائے۔

۱۰۔ **فرمایا:** جو شخص ان تین باتوں سے پرہیز رکھے، ان شاء اللہ! دوسرے گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا: ۱) بد نگاہی ۲) بدگمانی ۳) غیبت

۱۱۔ **فرمایا:** جس کو اللہ کا عاشق بننا ہو وہ اس شعر کو پڑھا کرے ؎

جز بذکر خویش مشغولم مکن
از کرم از عشق معزولم مکن

۱۲۔ **فرمایا:** پہلے برائی کو دور کرنے کی فکر مت کرو، جب تک اچھائی پیدا نہیں ہو گی برائی دور نہیں ہو سکتی ہے۔ پہلے اللہ کا ذکر شروع کر دو اور ذکر بھی عاشقانہ ہو۔ پھر وہ خرابی اور گندگی اس کی برکت سے دور ہو جائے گی اور بھلائی دل میں داخل ہونا شروع ہو جائے گی۔

---

۹۴ صحیح البخاری: ۱/۱۰۳ (۷۴۹) باب ما یقرأ بعد التکبیر، المکتبۃ المظھریۃ

۱۳۔ **فرمایا**: صرف اللہ والوں سے تعلق پیدا کرلینے سے کچھ نہیں ہوتا ہے جب تک ذکر اور صحبت اور پرہیز ان تین باتوں کا اہتمام نہ رکھا جائے۔

۱۴۔ **فرمایا**: اولیاء اللہ کی صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے گلاب کے پھول کے نیچے والے کانٹے ہوتے ہیں، جس طرح ان کانٹوں کو گلاب کے درخت سے جدا نہیں کیا جاتا، اسی طرح اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنے والے جنت میں اللہ والوں سے نہیں جدا کیے جائیں گے۔ لہٰذا اولیاء اللہ کی صحبت کو لازم پکڑلو۔

۱۵۔ **فرمایا**: جو شخص اپنے نفس کے جتنا ہی قریب ہوگا وہ اپنے رب سے اتنا ہی دور ہوگا۔ اور جو اپنے نفس سے جتنا ہی دور ہوگا اتنا ہی اپنے رب سے قریب ہوگا۔

۱۶۔ **فرمایا**: اگر کئی گناہ کیے ہوں اور ایک نیکی کا موقع مل جائے تو اس خیال سے کہ اتنے گناہ کیے ایک نیکی سے کیا ہوگا، اس نیکی کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ ان شاء اللہ! وہ ایک نیکی سارے گناہوں کو چھڑادے گی اور اللہ سے ملادے گی۔

۱۷۔ **فرمایا**: اگر کسی کے اندر ہزار عیب ہوں اور ایک نیکی ہو تو اس کی نیکی پر نظر رکھے اور اگر اپنے اندر ہزار نیکیاں ہوں اور ایک برائی ہو تو اس برائی پر نظر رکھے۔ ان شاء اللہ! کبر کا نام ونشان بھی دل میں نہ پیدا ہوگا۔

۱۸۔ **فرمایا**: بدگمانی بہت بُری بیماری ہے۔ اس سے بہت پرہیز رکھیے اس لیے کہ یہ عموماً غلط ہوتی ہے اور بدگمانی خود اپنا عیب ہے اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ اور مظروف کی خرابی سے ظرف کی خرابی لازم آتی ہے۔ مثال کے طور پر برتن میں پیشاب کرو۔ پیشاب مظروف ہے اور برتن ظرف ہے۔ پیشاب سے برتن کی خرابی لازم آئی۔ اسی طرح بدگمانی خرابی ہے اور یہ مظروف ہے اور دل ظرف ہے۔ پس بدگمانی ذہن میں آئے تو فوراً دو رکعت ''صلوٰۃِ توبہ'' پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے خوب رو رو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگنا چاہیے۔ دراصل شیطان بدگمانی کرا کے انسان کو اللہ والوں کے فائدہ کے چشمے سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔

۱۹۔ **فرمایا**: اللہ والا وہ ہے جو مسجد اور گھر اور بازار میں ہر جگہ اللہ والا ہو، یہ نہیں کہ صرف

مسجد میں اللہ والے ہوگئے اور جیسے ہی بازار اور گھر کی طرف چلے سب مسجد ہی میں چھوڑ دے۔ اور مسجد سے باہر مسجد والی زندگی کا کوئی اثر اس کے کردار اور عمل میں نہ ہو۔

۲۰۔ **فرمایا:** نیکیوں کے ساتھ گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے اس لیے کہ کتنی ہی نیکی کیوں نہ کرلے جب تک گناہ سے نہ بچے گا سب کمایا ہوا ضایع ہوتا رہے گا۔

۲۱۔ **فرمایا:** گناہ کی طرف دل کا میلان بُرا نہیں بلکہ گناہ کرنا بُرا ہے۔ جب گناہ کا تقاضا ہی نہ ہوگا رکے گا کس سے؟ کیوں کہ ہر نہی کے لیے منہی عنہ کا وجود اور ثبوت ضروری ہوتا ہے، جیسے میں اپنے ہاتھ میں گھڑی لے کر کہوں کہ دیکھو میری گھڑی کوئی نہ چھوئے تو صحیح ہوگا، اور اگر ہاتھ میں گھڑی ہی نہ لیں اور نہ چھونے کا حکم لگائیں تو حکم غلط ثابت ہوگا کیوں کہ ہر نہی کے لیے منہی عنہ ضروری ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں گناہ کا تقاضا رکھا ہے۔ اسی وجہ سے **فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا**[۹۵] فرمایا گیا ہے۔ گناہ کے تقاضے کو دبائے تب اجر حاصل ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ وسوسہ ہی نہ آئے، فضول بات ہے۔

۲۲۔ **فرمایا:** گناہ کرنے سے زندگی تلخ ہوجاتی ہے اور دل ہر وقت پریشان رہتا ہے، چین وسکون نہیں ملتا ہے مگر نیک لوگوں کو بالطف زندگی حاصل ہوتی ہے۔ حیات طیبہ کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ **مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً**[۹۶] (جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) بالطف زندگی دیں گے۔)

۲۳۔ **فرمایا:** آپ دین کے کاموں میں ایک دوسرے کے رفیق بنیے، فریق نہ بنیے۔

۲۴۔ **فرمایا:** حضرت ہردوئی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اگر کسی میں کوئی برائی نظر آئے تو نکیر کیجیے مگر تحقیر نہ کیجیے۔

---

[۹۵] الشمس: ۸

[۹۶] النحل: ۹۷

۲۵۔ **فرمایا:** پیر وہ ہے جو دل کا پیرا اور گناہوں کے کانٹے نکال دے۔

۲۶۔ **فرمایا:** **مفردون** سے مراد وہ ذاکرین ہیں جو اللہ کا ذکر والہانہ اور عاشقانہ کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ان کی تعریف آتی ہے کہ وہ سب سے سبقت لے جاتے ہیں۔

۲۷۔ **فرمایا:** کسی انسان کو خارش ہو تو جب تک وہ اپنے جسم کو کھجلاتا رہتا ہے بڑا مزہ آتا ہے لیکن چھوڑنے کے بعد ہی اس کی لہر شروع ہو جاتی ہے اور وہ اذیت محسوس کرتا ہے۔ یہی حال گناہ کی لذتوں میں پڑے ہوئے انسان کا ہے۔ جب موت اسے نکالے گی تو اس کا مزہ چکھ لے گا اور پورے طور پر اس کی لہر اور اذیت کو محسوس کرے گا۔

۲۸۔ **فرمایا:** کسی نے پوچھا، ہلدی کے کیا دام ہیں؟ کسی نے جواب دیا کہ جس قدر چوٹ میں درد ہو۔ پس اللہ والوں کی قدر بھی ان ہی کو ہوتی ہے جن کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی طلب کا درد ہوتا ہے۔

۲۹۔ **فرمایا:** اہل اللہ کی صحبت میں مجاہدات برداشت کرکے جس روح نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد نہ حاصل کیا ہو وہ روح اس قابل نہیں کہ زندہ رہے۔ کیوں کہ ایسی روح خود بے روح اور ایسی جان خود بے جان ہے۔ اس کا وجود صفحۂ زمین اور صفحۂ ہستی پر ننگ و باعث شرم ہے۔

۳۰۔ **فرمایا:** دنیا کے تمام ہنگامے ایک دن ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، مثلاً جوانی کا ہنگامہ بڑھاپے میں، بہار چمن کا موسم خزاں میں، بدر کامل کا شب تاریک میں، آفتاب کا اُفق غروب میں، گل تر کا افسردگی میں، صحت کا بیماری میں، حیات کا موت میں اور موت تو ہمیشہ کے لیے۔

ہنگامۂ حیات کو خاموش کر گئی

مگر اللہ والوں کی روحانی بہار کا ہنگامہ ہمیشہ گرم تر رہتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ مجاہدات کے دریائے خون کو عبور کر چکے ہیں اور حق تعالیٰ کے مقرب ہو چکے ہیں۔

۳۱۔ **فرمایا:** حق تعالیٰ کی محبت اس قدر لذیذ ہے کہ امراء و سلاطین ہفت اقلیم کی سلطنت میں بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

۳۲۔ **فرمایا:** حق تعالیٰ کے عاشقوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پاس بیٹھ کر حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہو اور دنیا آنکھوں میں فانی اور بے قدر ہو جائے اور خدائے پاک پر مال وعزت، دل وجان دینے کا شوق پیدا ہو جائے اور جانِ مضطر میدانِ شہادت تلاش کرنے لگے۔

۳۳۔ **فرمایا:** گناہ گار کا جسم عارضی لذت گناہ کی پاتا ہے مگر قلب وروح کو ہر وقت عذاب، بے سکونی میں گرفتار پاتا ہے اور اللہ والے نفس کی خواہشات کو توڑ کر اپنے قلب وروح میں لافانی سکون وبہار جنت کی دائمی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔

۳۴۔ **فرمایا:** بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گناہ کرنے سے جی بھر جائے گا پھر گناہ چھوٹ جائے گا۔ یہ شیطانی دھوکا ہے۔ نفس کی مثال دوزخ کی طرح ہے کہ ایک گناہ کے بعد پھر دوسرے گناہ کا تقاضا اور شدید ہو گا۔ گناہ کے ترک کا علاج صرف ہمت، دعا اور قوتِ ارادی کا استعمال کرنا ہے اور ذکر اللہ سے اس میں اعانت ملتی ہے۔

۳۵۔ **فرمایا:** سچی توبہ سے گناہ کی دوری ختم ہو کر حضوری سے تبدیل ہو جاتی ہے بشرطیکہ دل سے آہ نکل جائے اور دل کی گہرائی اور جگر کے خون کی شمولیت سے استغفار ہو۔

۳٦۔ **فرمایا:** جس قدر "لَآ اِلٰہ" قوی ہو گا اسی قدر "اِلَّا اللہ" قوی ہو گا۔ یعنی قلب کا غیر اللہ سے اور معاصی کی آلایش سے جس قدر تزکیہ ہو گا اور جس قدر اپنے نفس کی مع اس کے تقاضائے شہوانیہ کی نفی ہو گی اسی قدر حق تعالیٰ کا نور قوی قلب کو عطا ہو گا۔

۳۷۔ **فرمایا:** امید اور خوف کے درمیان رہنا اور اعمالِ صالحہ میں سرگرم رہنا کمالِ عبدیت ہے۔

۳۸۔ **فرمایا:** اہل اللہ اگر اپنی مخفی طاعتوں اور ذکر وشغل ومناجات اور شب خیزیوں اور آہ ونالوں کو چھپا بھی لیں تو ان سے پیدا شدہ ان انوار وکیف کو کہاں لے جائیں گے جو ان کے چہرے اور ان کی آنکھوں سے عیاں ہوتے ہیں۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

۳۹۔ فرمایا: اللہ والے جس سے محبت کرتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ اس کے بر عکس تمام اہل دنیا کوئی نہ کوئی غرض رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب غرض پوری ہوئی تو ان کی روش میں تغیر اور زوال آجاتا ہے۔

۴۰۔ فرمایا: زندگی کے ہر سانس کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ موت آجانے پر ایک سانس کی مہلت ہفتِ اقلیم کی دولت قربان کرنے پر بھی نہ مل سکے گی ۔

اخترؔ جگ میں آئے ہو کچھ دیا دھرم کا کام کرو
یہ وقت نہیں ہاتھ آوے گا جو کرنا ہے سو آج کرو

❁ ❁ ❁ ❁

نفس کے بندے

چین اِک پَل کو بھی دلوں میں نہیں
گردنوں میں عذاب کے پھندے

دفن کر کے جنازہ عزّت کا
خوار پھرتے ہیں نفس کے بندے

اوراد و وظائف

مرے دوستو سنو غور سے یہ صدائے اخترؔ بے نوا
نہ ہو ذکرِ حق، نہ ہو فکرِ حق تو یہ جینا، جینا حرام ہے

(مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

صاحبِ ملفوظات ”حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ“ تیسری بار حیدرآباد دکن ۳۰؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۴؁ھ ۳ اپریل ۱۹۸۴؁ء سہ شنبہ کو تشریف لائے۔ قیام مدرسہ فیض العلوم باقرباغ سعید آباد میں طے پایا۔ اور یہاں سے ۹ ؍اپریل کو براہ الہ آباد پاکستان واپسی کا پروگرام تجویز ہوا۔ مرتب نے ۴ اپریل کو بعد نمازِ عشاء ایک مجلس میں زیرِ نظر کتاب کے کتابت شدہ صفحات بغرضِ ملاحظہ پیش کیے تو اپنی خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔

ہر کام کے صلہ کی امید تو اللہ تعالیٰ ہی سے قائم کرنی چاہیے۔ لیکن بزرگوں کے اس طرح کے دعائیہ کلمات اور اظہارِ مسرت چھوٹوں کے لیے ایک انعام کا درجہ رکھتے ہیں جن سے بہجت و سرور ایک طبعی امر ہے۔ حدیث میں اس کیفیت کو محمود قرار دیتے ہوئے نفع عاجل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت حکیم صاحب نے صفحات کے ملاحظہ کے بعد بعض اہم اوراد و وظائف ”اس ارشاد کے ساتھ حوالہ فرمایا کہ ”کتاب ہذا“ میں انہیں شامل کرلیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں شامل کیے جارہے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین اعمال کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان اوراد و وظائف سے بھی فائدہ اٹھائیں گے۔

محفوظ قلعہ (ہر شر سے حفاظت)

حضرت عبد اللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ صحابی روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارش کی رات اور سخت اندھیری میں تلاش کررہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پاگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین بار قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور تین بار قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ اور تین بار قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ صبح شام پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لیے ہر شے کے لیے کافی ہو جائے گا۔[۹۷]

[۹۷] سنن ابی داؤد: ۲/۳۳۷، باب ما یقول اذا اصبح، ایچ ایم سعید

فائدہ

یہ وظیفہ ہر شر سے بچانے کے لیے کافی ہے یعنی نفس وشیطان اور جنات وآسیب، جادو، حاسد اور دشمن کے ہر شر اور بری نظر کے شر سے۔ اور یہ وظیفہ ہر وظیفہ کی طرف سے کافی ہے۔

دفعِ غم کا نسخہ

حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے کہ جو شخص اس کو ۷ مرتبہ صبح ۷ مرتبہ شام پڑھ لیا کرے، اللہ تعالیٰ اس کے دنیا اور آخرت کے ہر غم اور ہر فکر کے لیے کافی ہو جائے گا، مشہور مفسر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ورد اس فقیر کا بھی ہے۔

چھوٹا کام، بڑا انعام

جو شخص اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ تین مرتبہ پڑھ کر پھر سورۂ حشر کی آخری تین آیات تلاوت کرے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ
هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ
الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ [۹۸]

تو اگر بعد فجر پڑھے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دن بھر دعائے مغفرت کرتے رہیں

---

[۹۸] الحشر: ۲۲-۲۴

گے۔ اور اگر بعد نمازِ مغرب پڑھ لے تو رات بھر ستر ہزار فرشتے دعائے مغفرت کریں گے۔ اور اگر اسی دن موت آگئی تو شہید مرے گا۔[۹۹]

بیماریوں سے شفایابی

اگر لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ[۱۰۰] سے آخری آیت سورۂ حشر کی پڑھ لے، سر پر ہاتھ رکھ کر، تو تمام بیماریوں سے شفا حاصل ہوگی سوائے موت کے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دی اور فرمایا: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے سر پر اپنا ہاتھ رکھ لیجیے اور اس کو پڑھیے فَاِنَّهَا شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّامَ[۱۰۱] کہ یہ شفا ہے تمام بیماریوں سے سوائے موت کے۔ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ وظیفہ درد سر کی شفا کے لیے بھی ہے۔[۱۰۲]

ایک نہایت جامع دعا

۵) یہ دعا جو لکھی جارہی ہے اس کو پڑھ لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ برس کی دعائیں مل جاتی ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! دَعَوْتَ بِدُعَاءٍ كَثِيْرٍ لَمْ نَحْفَظْهُ مِنْهُ شَيْئًا آپ نے دعا بہت فرمائی ہے مگر ہم کو تو کچھ یاد نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تجھ کو ایسی دعا نہ سکھادوں جو میری تمام دعاؤں کو اپنے اندر جمع کرلے۔ عرض

---

۹۹ جامع الترمذی: ۲/۱۲۰، ابواب فضائل القراٰن، ایچ ایم سعید

۱۰۰ الحشر: ۲۱

۱۰۱ أخبار اصبہان للاصبہانی: ۱/۱۹۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت-تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ، من طریق ابی الطیب محمد بن احمد غلام ابن شنبوذ، عن الاعمش مسلسلا بجمیع رواتہ یقول ''ضع یدك علٰی رأسك فانی قرأت القران علی فلان فلما بلغت ھٰذہ الایۃ'' قال الذھبی: حدیث باطل وما فی إسنادہ متھم الا شیخ أبی نعیم أبو الطیب فھو الافۃ- انتھی- واخرجہ الدیلمی من طریقین عن حمزۃ عن الاعمش (قلت) وقع فی إحدیھما عن الاعمش فانی قرأت علی علیّ بن أبی طالب إلی اٰخرہ، قال الدیلمی عقب إخراجہ: قولہ قرأت علٰی علیّ بن ابی طالب لا یصح

۱۰۲ روح المعانی: ۲۸/۶۵، الحشر (۱۱)، دار إحیاء التراث، بیروت

کیا بے شک ضرور سکھائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہ دعا سکھائی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ اَسْاَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَاَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْكَ الْبَلَاغُ

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ[۱۰۳]

ترجمہ: اے اللہ! ہم آپ سے تمام وہ خیر مانگتے ہیں جو آپ سے آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا ہے۔ اور پناہ مانگتے ہیں تمام اس شر سے جس سے پناہ مانگی ہے آپ سے آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ ہی استعانت یعنی مدد مانگنے کے اہل ہیں اور آپ پر احساناً ہماری فریادرسی ہے اور نہیں طاقت ہے گناہوں سے بچنے کی اور نہ نیک عمل کرنے کی، مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے تلقین کردہ بعض وظائف

رفع قبض باطنی اور رفع ظلمت کے لیے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کا ورد مجرب ہے۔ کوئی سالک جو قبض باطنی طویل سے عاجز و پریشان ہو اور نجات نہ ملتی ہو، اس ورد کو ۳۶۰ بار اوّل آخر درود شریف تین تین بار کے ساتھ پڑھنا شروع کردے ان شاء اللہ! قلب انوار سے بھر جائے گا۔

جو شخص اپنے حاکم سے تنگ ہو، حاکم خواہ شوہر ہو یا کوئی اور ہو جس کی ماتحتی میں کلفتوں کا سامنا ہو وہ اس آیت کو ستر بار مع درود شریف اوّل آخر تین تین بار پڑھ کر دعا کرلیا کرے: اَللهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَالْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ[۱۰۴] ان شاء اللہ! حاکم مہربان ہو جاوے گا۔

---

[۱۰۳] جامع الترمذی:۲/۱۹۲،ابواب الدعوات،ایچ ایم سعید

[۱۰۴] الشوریٰ:۱۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۸۰۰ بار ہر روز پڑھنا عجیب کیمیا ہے تمام ظاہری وباطنی فتوحات اس کی برکت سے کھل جاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں اس ورد کو بہت مجرب لکھا ہے۔ بعض کا قول اس کے اسمِ اعظم ہونے کے متعلق بھی ہے۔

دشمنوں اور ظالموں کے شر سے بچنے کے لیے تین سو اکتالیس بار حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ اول آخر تین تین بار درود شریف کے ساتھ پڑھنا اور دعا مانگنا اکسیر اعظم اور عجیب التاثیر کیمیا ہے۔ میں ظالموں کے مقابلے کے لیے مظلومین کے مقدمات وغیرہ میں اسی کو پڑھنے کے لیے بتادیا کرتا ہوں۔ بفضلہٖ تعالیٰ تخلف نہیں ہوتا۔

روزی کی تنگی کے لیے تین سو آٹھ بار حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ اوّل آخر درود شریف تین تین بار پڑھ کر روز دعا کرلینا تنگی کے لیے عجیب النفع ہے اگر اس کو زندگی بھر ہمیشہ پڑھتا رہے تو ان شاء اللہ! غیب سے روزی کے دروازے کھلتے رہیں اور رزق کی پریشانی کبھی نہ ہو۔ بزرگوں کے معمولات سے ہے اور قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس وقت حضراتِ صحابہ کی جماعت کو کسی نے یہ سنایا کہ ہوشیار ہوجاؤ تمہارے دشمن کفار بڑی تعداد میں آرہے ہیں، تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ہمارا اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ ہمارا بہترین کارساز ہے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ [۱۰۵] یعنی حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ کی برکت اور خدا پر بھروسۂ کامل کا ثمرہ کیا ملا اور کس قدر جلد ملا کہ اللہ کی نعمت لے کر لوٹے فَانۡقَلَبُوۡا میں ''فا'' تعقیب کے لیے ہے جس سے اشارتاً پتا چلتا ہے کہ حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ کا اثر بہت جلد ظاہر ہوا۔ فتح بھی نصیب ہوئی اور مالِ غنیمت بھی لے کر لوٹے۔

❖❖❖❖

---

[۱۰۵] اٰل عمرٰن: ۱۷۴

دینی باتوں کی نشر و اشاعت کے مختلف ذرائع ہیں مثلاً بیانات، تحریریں اور نجی مجالس۔ یہ مجالس سب سے زیادہ موثر ہوتی ہیں کیوں کہ تکلفات اور حجابات سے خالی ہوتی ہے۔ اسی لیے بزرگوں کے یہاں اس قسم کی مجالس کا معمول رہا ہے اور حاضرین ان مجالس میں عام مسلمانوں کو شریک کرنے کی غرض سے ان کو مرتب کرتے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشتر فرمودات یعنی احادیث مبارکہ بھی ایسی ہی مبارک مجلسوں کے مبارک ''ملفوظات'' ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''باتیں ان کی یاد رہیں گی'' شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حیدر آباد دکن (انڈیا) کے سفر کے دوران ہونے والی بابرکات مجالس کے ملفوظات وارشادات کا مجموعہ ہے جو اپنے دامن میں قرآن، حدیث، فقہ وتصوف کے نایاب موتی سموئے ہوئے ہے۔ اس کتاب کو انڈیا کی ایک بڑی صاحب علم شخصیت جناب محمد رضوان القاسمی صاحب نے قلم بند فرمایا ہے۔ ان مجالس میں حضرت اقدس نے جس طرح حاضرین کو محبتِ الٰہیہ کی شراب پلا کر مستِ عشقِ حقیقی فرمایا اس کے باعث یہ مجالس ان شاء اللہ راہِ حق کے طلب گاروں کے لیے منزلِ حق کی جانب سفر تیز کرنے کا باعث ثابت ہوں گی۔

www.khanqah.org

ناشر
کتب خانہ مظہری